اسلامی بینک

شہید راہ حق:

حضرت آیت اللہ سید محمد باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ

مترجم:

علامہ سید ذیشان حیدر جوادی

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب: اسلامی بینک
مولف: حضرت آیت اللہ سید محمد باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ
مترجم: سید ذیشان حیدر جوادی
کمپوزنگ: انس کمیونیکیشن 0300-4271066
ناشر: معراج کمپنی لاہور
پیشکش وتعاون: باب العلم دار التحقیق (فروغ ایمان ٹرسٹ) کراچی
زیرِ اہتمام: ابوظہیر

ملنے کا پتہ

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد
0333-5234311

فہرست

عَرضِ ناشر

ابتدا ہے اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جو حقیقت میں عبادت کے لائق ہے، درود بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر کہ جن پر خدا اور اس کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں، اور سلام ہے ان کی اولاد پر جو ہماری رہنما اور وصی ہے۔

پیام اسلامک سنٹر کراچی کے مہتم محترم جناب سید فدا حسین رضوی نے ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ جناب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر کتب میں سے اس وقت کوئی کتاب بھی پاکستان میں دستیاب نہیں ہے جس سے محبان شہید باقر الصدر بہت افسردہ ہیں، نا صرف توجہ دلائی بلکہ کتب بھی مہیا کیں اگر یہ کہا جائے کہ یہ ساری کاوش جناب سید فدا حسین رضوی صاحب کی ہے تو بے جا نہ ہوگا ادارہ ان کا انتہائی ممنون و مشکور ہے اور ان کے لئے دعا گو ہے۔ اللہ ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے۔

معراج کمپنی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے قیام کے دن سے آج تک منفرد کام سرانجام دیئے ہیں، جناب سید العلما، آغا رہبر اور دیگر اکابرین کے آثار و افکار پر کام کیا اور ان بزرگانِ دین کی کتب کو جمع کر کے اشاعت کے زیور سے آراستہ کیا، اور اب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و آثار کو جمع و تدوین کا بیڑا اٹھایا ہے۔

مذکورہ کتاب آقائے باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے کی تحقیق کا نتیجہ۔ جس میں جناب شہید نے بینک اور اسلامی قوانین پر بہت ہی پائے کی گفتگو کی ہے۔ اس کو قارئین کرام کے لئے

اردو کے قالب میں حضرت علامہ سید ذیشان حیدر جوادی رحمۃ اللہ علیہ نے ڈھالا ہے۔ یاد رہے کہ علامہ مرحوم جناب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت کے لئے باب العلم دار التحقیق (فروغ ایمان ٹرسٹ) کراچی کے رئیس جناب سید شہنشاہ حسین نقوی مدظلہ العالی نے مالی تعاون پیش فرمایا ہے اللہ رب العزت ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے اور ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ادارہ ان تمام افراد کا انتہائی ممنون و مشکور ہے جنہوں نے شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کی فراہمی میں مقدور بھر کاوش و سعی انجام دی۔

اگر کسی کے پاس شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تصنیف موجود ہے تو ازراہ کرم ہمیں ارسال فرمادیں تاکہ اس کو شائع کیا جا سکے اور آپ اس کار خیر میں ہمارے رفیق کار ہوں اور دنیا اور آخرت کی منازل میں ترقی کا سبب بن جائیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمن رحیم

نقارخانہ دنیا

مثل مشہور ہے، نقار خانے میں طوطی کی آواز۔۔۔اور یہ صحیح بھی ہے۔۔۔کان ہنگاموں کے عادی ہوتے ہیں ان پر طوطی کی نرم و نازک آواز کا اثر نہیں ہوتا۔۔۔زاغ و زغن کی پکار کے خوگر صورت ہزار کا لطف حاصل نہیں کر سکتے۔طوفانوں سے لطف لینے والے موجوں کی لطافت کو محسوس نہیں کر سکتے۔۔۔کانٹوں میں الجھنے والے پھولوں کی نزاکت کیا جانیں۔۔۔آندھیوں سے دل بہلانے والے صبا کی سبک رفتاری کا کیا اندازہ کریں گے؟

لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ جیسے جیسے احساس بشر کی قوت میں اضافہ ہوتا جائے گا جذبات وعواطف کی لطافت بڑھتی جائے گی۔۔۔سماج و ماحول کے دباؤ سے دبی ہوئی فطرت اپنا پیغام سنا کر رہے گی۔

وہی وقت ہوگا جب صورت ہزار نغمگی کا بھی احساس ہوگا۔۔۔اور موجوں کی لطافت کا بھی۔۔۔پھولوں کی نزاکت بھی محسوس ہوگی اور صبا کی سبک رفتاری بھی۔

اب یہ کب ہوگا۔۔۔؟اس کا جواب تاریخ کے صفحات دیں گے۔

تاریخ کا ایک مسلم قانون ہے ''جبر تاریخ'' اپنے مخصوص قوانین کے تحت آگے بڑھتی ہے۔۔۔اس کے قوانین پر کسی بشر کی حکومت نہیں ہے۔۔۔وہ کسی کے خواہشات کی پابند نہیں ہے۔۔۔اس پر کسی جابر و قاہر کا جبر نہیں ہے۔وہ خود اپنے جبر سے ہر طاقت کو دبا لیا کرتی ہے۔

''جبر تاریخ'' کے کرشمے تاریخ کے ہر موڑ پر دیکھے گئے ہیں۔۔۔ جہاں کہیں بشریت پر ضرورت سے زیادہ زور ڈالا گیا اور انسان کو اس کے امکان سے زیادہ مجبور کیا گیا۔ تاریخ نے فی الفور کروٹ بدلی۔

جذبہ نو جو اٹھا وقت کے دھارے کی طرح
تخت سیلاب میں بہنے لگے تختے کی طرح

جمیل مظہری

سلاطین زمانہ نے ظل اللہ کے عنوان سے زندگی گزارتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے یہ سوچا تھا کہ یہ سلطنت جا بھی سکتی ہے۔ اس حکومت کو زوال بھی آ سکتا ہے۔ یہ ''سایہ الٰہی'' ڈھل بھی سکتا ہے۔ نہیں۔۔۔ اس دور میں جمہوریت جیسی آواز کیسی اس کا تصور بھی جرم تھا۔۔۔ حریت کا نام لینے والا قابل گردن زدنی اور آزادی کا پیغام دینے والا لائق دار و رسن تھا۔

اطاعت سلطان سے روگردانی کرنے والا آیت اولی الامر کا منکر۔۔۔ اور ''عوام کی آواز کا اعلان'' دفتر بے معنی، تھا دیکھتے دیکھتے ''جبر تاریخ'' نے اپنا کرشمہ دکھلایا۔۔۔ اور تاج سلطانی ٹھوکروں میں آ گیا۔۔۔ شاہی کا نام ''نقص کردار'' پڑ گیا اور سلطنت کے آثار نقش کہن بن گئے۔

سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

اقبال

ہمارے سماج کی ۲۵،۳۰ سالہ تاریخ گواہ ہے کہ کسی آواز کو ضعیف یا کسی طاقت کو کمزور سمجھنا انتہائی جہالت ہے۔ آواز میں سنجیدگی اور طاقت میں متانت ہو تو ایک نہ ایک دن انسان اس کی حمایت کے لئے ضرور کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ وہ عوام جن کا مقدر غلامی تھا۔ وہ پست طبقات جن کی قسمت بادشاہوں کی جوتیوں سے ٹنکی ہوئی تھی آج قوم کی قسمت کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ عوام جمہور کے ''تقدیر ساز'' اور پست طبقات ملک کی قسمت کا فیصلہ

کرنے والے بنے ہیں۔

غربت وفلاکت کو اپنا مقدر سمجھ کر کاہلی اور بے حسی کو قناعت کا نام دینے والے افراد بھی ''غریبی ہٹاؤ'' کا نعرہ دینے لگے ہیں اور سماج تاریخ کے اس موڑ پر آ کھڑا ہو گیا ہے کہ اگر ۵۰ سال پہلے کے کسی مردہ کو زندہ کر دیا جائے تو فرط وحشت سے دوبارہ موت کی گود میں چلا جائے گا۔

مستقبل

ایسے حالات کا موجودہ انداز کتنا ہی پریشان کن اور وحشت ناک کیوں نہ ہو مستقبل انتہائی تابناک اور امید افزا ہے۔ ان حالات نے بہرحال یہ ثابت کر دیا ہے کہ تاریخ کے دور حاضر کا مزاج، بت پرستی، کے قطعی منافی ہے اب کسی کی عظمت کا بت نہیں پوجا جا سکتا، اب کوئی انسان بلا جہت اپنی بالاتری نہیں منوا سکتا۔ اب زمانہ عقل و ہوش کا ہے۔ نسل نو دعوت فکر وعمل چاہتی ہے لفظوں میں الجھنا یا نعروں سے بہلنا قصہ پارینہ بن چکا ہے۔

اشتراکیت کے طوفان نے ایک اور مسئلہ بھی واضح کر دیا ہے کہ دولت کا رعب و داب بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ مزدور کی زندگی سرمایہ دار کے رحم وکرم پر نہیں ہے۔ سرمایہ دار کی حیات وکائنات مزدور کے دست و بازو سے وابستہ ہے۔

آج کون تصور کر سکتا ہے کہ کل یہی مزدور سرمایہدار کو اپنے مقدر کا مالک سمجھتا تھا اور اس کے ہاتھوں سے ملنے والی مزدوری کو براہ راست دست خدا ملنے والا رزق سمجھتا تھا۔

کون اندازہ کر سکتا ہے کہ کل سرمایہ دار کے خلاف آواز بلند کرنا کارخانہ سے نکال دیئے جانے کے مترادف۔۔ اور بالآخر موت کی آغوش میں پناہ لینے کے ہم معنی تھا۔

لیکن آخرکار یہ سب کچھ ممکن ہو گیا۔ مزدوروں کی آواز نے سرمایہ داروں کا ناطقہ بند کر دیا۔ اور ان کی آہوں نے دولت مندوں کی راتوں کی نیند حرام کر دی۔

اب لفظ سرمایہ دار گالی ہے تو ہو۔۔۔ لفظ مزدور گالی نہیں ہے۔

رن میں ضیغم، کھیت میں مزدور، منبر پر حکیم
اللہ اللہ کتنے رخ ہیں ایک ہی تصویر میں

پیام اعظمی

ان حالات میں یہ سوال کتنا مہمل ہے کہ آج کے دور میں، بلاسود کے بینک کی بات کرنے کا ماحصل کیا ہے؟ دنیا سود کے سمندر میں ڈوب چکی ہے سود انسانی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن چکا ہے۔ سود پر اقتصادی ترقی اور تجارتی کاروبار کا دارومدار ہے۔ سود زندگی کا پورا بوجھ سنبھالے ہوئے ہے۔

سود کو ہٹا دیا جائے تو زندگی کا سہارا کیا ہوگا۔۔۔ سرمایہ دار کیا کرے گا؟ غریب اپنی دولت کو کیسے بڑھائے گا؟ بینک کیسے چلیں گے؟ اور بالآخر معاشی ارتقا کے دست و بازو کی طاقت کہاں سے آئے گی؟

ان سوالات کا جواب تو بعد میں دیا جائے گا۔ اس وقت صرف ''مایوس ذہنیت'' کا تجزیہ کرنا ہے جو ہر سنجیدہ گفتگو پر ایک ہی تبصرہ کرنا جانتی ہے کہ اسے کون سنے گا اور اس پر کون عمل کرے گا۔ ظاہر ہے کہ یہی ذہنیت کل ملوکیت کے حق میں بھی کام کر رہی ہے اور اسی ذہنیت نے برسہا برس سرمایہ داری کو بھی زندہ رکھا ہے اور یہی ذہنیت آج سرمایہ داری کو بھی سہارا دیئے ہوئے ہے۔

لیکن اب تاریخ کے پے در پے انقلابات نے اس سوئے ہوئے ذہن کو جھنجھوڑ دیا ہے اور اس قنوطیت کے منہ پر طمانچہ لگا دیا ہے۔ اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ بات سنجیدہ اور معقول کہی جائے۔ کام متوازن اور پر مغز کیا جائے۔ سننے والے تو پیدا ہی ہو جائیں گے۔

ابھی نہ چھیڑ محبت کے گیت اے مطرب
ابھی حیات کا ماحول سازگار نہیں

قنوطیت اور مایوسی کا پیغام ہے۔ ''مردان کار'' اور ارباب ہمت کا نعرہ کچھ اور ہی

ہوتا ہے۔

جگا دے بزم کو مطرب سنا کے نغمۂ دل
یہ کیا کہ زیست کا ماحول سازگار نہیں

ضرورت:

یہ سوال کسی حد تک سنجیدہ اور معقول ہے کہ بینکوں کے اس طوفان میں ایک غیر سودی بینک کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور یہ بینک کون سا کارِ نمایاں انجام دے سکے گا، جو دوسرے بینک انجام نہیں دے سکتے؟

لیکن اس کا جواب عام فلسفہ کی روشنی میں دیا جاسکتا ہے اور خالص اسلامی انداز میں بھی! اسلامی انداز سے تو یہ کہنا آسان ہے کہ غیر سودی بینک کی تھیوری ان تمام شر پسند، اسلام دشمن عناصر کا جواب ہے جو اسلام کے دین کامل ہونے کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ اسلام صرف صوم وصلوٰۃ کا نظام ہونے کے باوجود ایک عالمگیر دستور اور جامع ضابطہ حیات ہونے کا دعویدار ہے۔ اس کے پاس نہ مارکس جیسا معاشی فلسفہ ہے اور نہ مغربی مفکرین جیسا فلسفہ حیات۔

یہ فارمولا اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہے کہ جہالت پر پردہ ڈالنے کے بجائے علم کی روشنی پیدا کرنا ضروری ہے۔ کسی نظام زندگی پر اعتراض کرنے کے بجائے اس کی خوبیوں اور خرابیوں کی تحقیق کرنا لازمی ہے۔ اسلام کے دامن میں ہر شعبہ زندگی کا حل موجود ہے۔ اس نے زندگی کی ہر بیماری کا علاج مہیا کیا ہے یہ اور بات ہے کہ اس کی اطلاع اکثر، اطباعصر کو بھی نہیں ہے تو مریضوں کو کیا ہوگی؟

سچی بات تو یہ ہے کہ اسلام کو بدنام کرنے والے مفکرین نے بھی مسئلہ کو حل کرنے کے بجائے کفر وشرک کے فتوے ارشاد کرنا شروع کر دیئے اور اس طرح۔ نسل جوان کی بدگمانیوں میں اضافہ ہوتا گیا اور بالآخر اسلام مسجد ومحراب کا مذہب بن کر رہ گیا۔

اب دور حاضر کو یہ باور کرانا مشکل ہوگیا ہے کہ اسلام کے دامن میں بہت کچھ

ہے۔صرف تنگی نظر اور کوتاہی دامن نے مفکرین کوان حقائق سے محروم کر رکھا ہے اور وہ ان گہرائیوں تک پہنچنے سے قاصر رہے ہیں جن کی طرف اسلام اشارہ کرنا چاہتا تھا۔

فلسفی اعتبار سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس طرح سیاسی دنیا میں ملوکیت کے ہوتے ہوئے جمہوریت کی ضرورت تھی اقتصادی دنیا میں سرمایہ داری کے ہوتے ہوئے اشتراکیت کی ضرورت تھی۔اسی طرح سودی بینکوں کے ہوتے ہوئے ایک غیر سودی بینک کی ضرورت ہے۔

کسی جمہوریت نواز سے پوچھئے کہ شہنشاہی کے ہوتے ہوئے جمہوریت کی کیا ضرورت تھی۔کسی اشتراکیت کے پرستار سے پوچھئے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے ہوتے ہوئے اشتراکیت کی کیا ضرورت تھی؟ تو ہر ایک کا جواب یہی ہوگا کہ ملوکیت کے مفاسد ومظالم نے جمہور کو اپنی آواز بلند کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔اور سرمایہ داری کی ''لوٹ مار'' نے مزدور کو اپنے حقوق کے مطالبہ پر آمادہ کر دیا تھا۔وہ مظالم اور فسادات نہ ہوتے تو جمہوریت نہ ہوتی اور یہ ''لوٹ مار'' نہ ہوتی تو اشتراکیت کا وجود نہ ہوتا۔

دنیا کو لفظ ملوکیت یا لفظ سرمایہ داری سے نفرت نہیں تھی۔دنیا کو ان مفاسد سے نفرت تھی جو ان کی آغوش میں پرورش پا رہے تھے۔ایک مدت تک ان مفاسد کی پرورش ہوتی رہی اور کسی کو احساس بھی نہ ہوا لیکن جب حالات نے احساس کو ایڑ لگائی تو سماج کی کراہیں اور آہیں نعروں میں تبدیل ہوگئیں۔

بعینہ یہی حالات عہد حاضر کے ہیں۔سرمایہ داری کے مفاسد کا احساس کرنے والا سود کی تباہ کاری کو باقاعدہ محسوس کر رہا ہے لیکن اس کے پاس اس درد کا علاج نہیں ہے۔اشتراکیت کے دامن میں پناہ لینے کی واحد وجہ یہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی سایہ پیش نظر نہیں ہے۔

اب کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر کوئی ایسا سایہ مل جائے جہاں ''شخصی ملکیت'' کے جذبے کی تسکین بھی ہوتی رہے اور بڑھتی ہوئی دولت کی روک تھام بھی ہو جائے تو انسان

اس سایہ سے صرف اس لئے فرار کرے کہ اس کا نام ''مرغوب خاطر'' نہیں ہے۔ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے تنکے کے مقابلے میں انسانی عظمت کا لحاظ نہیں کرتا۔ ٹھوکر کھا کر گرنے والا ہاتھ ٹیک دیتا ہے سر پر بلا نہیں آنے دیتا۔

مطلب یہ ہے کہ انسان نجات وفلاح کی راہ میں نام ونشان نہیں دیکھا کرتا۔ کام اور منزل پر نگاہ کیا کرتا ہے۔

مسلم پرسنل لا

اس ذیل میں دور حاضر کے اہم ترین مسئلے کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے ادھر تھوڑے عرصے سے یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ سماج کے بعض ہندوعناصر مسلمانوں کے بعض مخصوص قوانین میں ترمیم کر کے ان کی جگہ مشترک قوانین نافذ کرنے چاہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کا ایک جوشیلہ طبقہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہا ہے۔ جلسے ہو رہے ہیں، بیانات جاری ہو رہے ہیں۔ آتشبار اور دھواں دھار تقریروں کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم ہے۔ اور مخالف عناصر اسی ایک کلمہ کی رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ دور حاضر میں کسی مذہب کا مخصوص قانون نافذ نہیں ہوسکتا۔''

میرا خیال یہ ہے کہ اس پورے ہنگامے میں مسلمانوں نے مسئلہ کی روح کو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف جذباتیت کی بنیاد پر مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جب تک مسئلہ میں مسلم، غیر مسلم کا تفرقہ باقی رہے گا۔ حزب اختلاف کو سیکولرازم کا حوالہ دے کر صدائے احتجاج کو صدا بصحرا ثابت کرنے کا موقع ملتا رہے گا۔ ضرورت ہے کہ مسئلہ کی روح کو سمجھا جائے اور اسے حکومت وقت کے سامنے نئے انداز سے پیش کیا جائے۔ ارباب اقتدار نزاکت وقت کا احساس کریں اور عالمی فساد کو مٹانے کی کوشش کریں۔

گزشتہ دور غلامی نے مسلمانوں کے ذہن کو اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ مسلمان حکومت وقت کے جملہ قوانین پر عمل کرنے کے بعد صرف نکاح وطلاق ومیراث کے جیسے مسائل کو مخصوص اسلامی قانون سمجھ کر احتجاج کر رہا ہے۔ اسے یہ بھی ہوش نہیں ہے کہ اس

طرح لاشعوری طور پر اسلام کے ایک محدود نظریۂ زندگی ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے اور اس کی ہمہ گیری کو خاک میں ملایا جا رہا ہے۔

احتجاج کا سنجیدہ راستہ یہ ہے کہ ایوان حکومت کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا جائے کہ اسلام کے ضابطۂ حیات کو مسلمانوں کا مخصوص قانون قرار دینے کے بجائے ایک عام دستور زندگی سمجھا جائے اور زندگی کے ہر شعبہ پر اسے اسی طرح منطبق کیا جائے جس طرح دوسرے قوانین منطبق کئے جاتے رہے ہیں اور کئے جا رہے ہیں۔

اگر انگریزی قوانین سے ملک انگریزی نہیں ہوتا۔ کمیونزم کے اصولوں سے ملک کمیونسٹ نہیں بن جاتا۔ سرمایہ دار نظام اپنانے سے حریت وجمہوریت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو ایک اسلامی نظام کے رائج کرنے سے سیکولرازم کیوں کر تباہ ہو جائے گا۔؟

اسلام کا دوسرے مذاہب سے ایک امتیاز یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس زندگی کا مکمل فلسفہ نہیں ہے ورنہ ہم ان کا تجربہ کرنے کی بھی تجویز رکھتے اور اس سے بھی گریز نہ کرتے۔

اسلام کے پاس ایسا مکمل دستور حیات موجود ہے لہٰذا تقاضائے انصاف یہی ہے کہ ایک مختصر ترین دور کے لئے سہی۔ اس کے قوانین کو سماج پر منطبق کیا جائے اور پھر دیکھا جائے کہ نتائج کیا برآمد ہوتے ہیں؟ اگر نتائج حسب توقع برآمد ہوں تو اسی کو آخری قانون قرار دے دیا جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو موجودہ شکل پر اکتفا کیا جائے اور اس نظام کو میدان سے ہٹا دیا جائے۔

مذہبی نقطۂ نظر سے دنیاوی سماج کی سب سے بڑی ابتری اور تباہی یہی ہے کہ اس نے مذہب کو ایک ''ہوا'' بنا کر میدان عمل سے دور کر دیا ہے اور اس کے بعد اپنے خود ساختہ اصولوں ہی کو انسانیت کا معیار نجات بنا دیا ہے۔ نتیجہ سامنے ہے۔

؎ اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

کاش اس عصبیت کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہوتا۔ اور سنجیدگی سے کشادہ دل اور

کشادہ دماغ کے ساتھ مسائل پر غور کیا جاتا تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔
امن عام کی حکومت ہوتی اور شر وفساد اپنا بستر لپیٹ چکے ہوتے مگر حیف کہ

سکے کھنک رہے ہیں دیار خیال میں
خنجر چھپے ہوئے ہیں نیامِ ہلال میں

جوش

پہلی منزل

تعارف

کسی کتاب پر مقدمہ لکھتے ہوئے انسان کو چند اہم منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے سب سے پہلے کتاب اوراس کی اہمیت پر تبصرہ کیا جاتا ہے اس کے بعد دیگر اہم مسائل کی طرف اجمالی اشارہ کیا جاتا ہے۔

کتاب کی اہمیت کے لئے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کسی تالیف یا تصنیف کی اہمیت اس کے اوراق وصفحات اور کتابت وطباعت کی بنا پر نہیں ہوا کرتی۔ یہ باتیں اصل کتاب کی جوہریت سے الگ ہیں۔انہیں کتاب کی خوبی یا خرابی کا معیار نہیں بنایا جاسکتا۔

کتاب کی وہی اہمیت اس کے موضوع، مؤلّف، اسباب تالیف اور اثرات و نتائج کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے۔موضوع اہم ہے تو کتاب پڑھنے کے لائق ہے۔

مؤلّف باعظمت ہے تو کتاب توجہ دینے کے قابل ہے۔اثرات ونتائج مفید اور سودمند ہیں تو کتاب میں زندگی کے امکانات پائے جاتے ہیں۔

زیرنظر کتاب کا تعارف کرانے کے لئے ان تمام موضوعات پر اجمالی بحث کرنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر اہم مسائل بھی نظر کے سامنے نہیں آسکتے۔

موضوع

اصطلاحی طور پر موضوع اس اہم مرکزی نکتہ کا نام ہے جس کے گرد کتاب کے

سارے مسائل گھوما کرتے ہیں کہ بحث موضوع سے ہٹنے کے بعد اتنی ہی بے وقعت ہوجاتی ہے جتنی مرکز ومحور سے ہٹنے کے بعد کوئی بھی شے بے ارزش ہوسکتی ہے۔

زیرنظر کتاب کا موضوع ایک ایسا حساس اور باارزش موضوع ہے جس کی اہمیت کا احساس لاکھوں من سود کے بوجھ سے دبی ہوئی انسانیت ہی کرسکتی ہے۔ آزاد فضا میں زندگی گزارنے والا اس گھٹن کا کیا اندازہ کرسکتا ہے۔ پرسکون ماحول میں سانس لینے والا ذہنی کابوس کو کس طرح محسوس کرسکتا ہے۔

یہ احساس اس کے مقدر میں آیا ہے جسے فطرت نے درد اور بشریت نے درد کا احساس دیا ہے۔ یہ اندازہ اس کا حصہ ہے جسے حالات نے تڑپ اور تڑپ نے قوت اظہار دی ہے۔

سود کیا ہے؟ اور اس کے فاسد اثرات کیا ہیں؟ اس پر آئندہ صفحات میں تبصرہ کیا جائے گا اس وقت صرف یہ تذکرہ کرنا مقصود ہے کہ عرصۂ دراز سے دنیائے انسانیت اس مصیبت کا احساس کررہی تھی لیکن کسی ذہن نے ایسا حل نہیں تلاش کیا جس کے سہارے اس بلائے بے درماں سے نجات حاصل کی جاسکتی؟

بینکوں کے وجود کے بعد سے سود زندگی کی ایک ضرورت بن گیا تھا اور سرمایہ دار نظام یہ محسوس کرانے میں بڑی حد تک کامیاب ہوگیا تھا کہ سود کے بغیر کوئی کاروبار نہیں چل سکتا۔ اور سود کو الگ کردینے کے بعد بڑے سے بڑا سرمایہ دار بینک بھی فیل ہوجائے گا؟

مؤلف کتاب نے اس خودساختہ مفروضہ کے خلاف قلم اٹھایا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ سود کی لعنت سے بچتے ہوئے بھی بینک قائم ہوسکتا ہے اور کامیاب بھی ہوسکتا ہے۔

اسلامی قانون بینک کے اصول ومسائل سے غافل نہیں ہے۔ اس کے پاس ایسے قواعد اور کلیات موجود ہیں جن کی روشنی میں دور آخر کی اہم ترین ایجاد بینک کے مسائل بھی حل کئے جاسکتے ہیں۔

مؤلف محترم نے بھی بینک کے تمام اغراض ومقاصد خدمات وتسہیلات پر نظر

کرتے ہوئے اسلامی قوانین کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ بینک کے کتنے اعمال کو اسلام نے قبول کیا ہے اور کتنے اعمال کو رد کر دیا ہے۔ اور جن اعمال کو رد کر دیا ہے ان کی جگہ پر کون سا قانون نافذ کیا ہے اس لئے کہ تردید کر دینا آسان ہے بدل تلاش کر لینا مشکل ہے۔

مولف محترم نے ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کر دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ صحیح اور صالح قوانین کی روشنی میں قائم ہونے والے بینک کو اپنی پالیسی میں ان تمام امور کو پیش نظر رکھنا چاہئے جن کی طرف کتاب میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مؤلف

انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ آدمی کو قول کی طرف نظر کرنا چاہیے قائل کی طرف نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قائل کا قول پر کوئی اثر ہی نہیں پڑتا۔

کلام کی اہمیت متکلم ہی سے پیدا ہوا کرتی ہے۔ قول کا وزن قائل کی شخصیت ہی سے بڑھتا ہے۔ ''قال اللہ اور قال الرسول'' اسی اہم نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔

مذکورہ بالا ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ کسی کلام کو صرف اس لئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا متکلم اچھا نہیں ہے یا متکلم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کلام بہر حال کلام ہے اس پر توجہ دینا اہل تحقیق کا شیوہ ہے۔ کبھی کبھی مزبلہ پر بھی ہیرا مل ہی جایا کرتا ہے۔ اور گندے مقامات پر بھی سبزہ اگ ہی آیا کرتا ہے۔

مرسل اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے موقع پر عملی طور پر اس نظریہ کا اظہار کیا تھا اور جب حضرت سلمان ؓ نے عرض کی کہ ہمارے ملک میں جنگ کے مواقع پر خندق کھودی جاتی ہے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طریقہ اغیار قرار دے کر رد نہیں کیا بلکہ بات کی معقولیت پر توجہ دیتے ہوئے اسی طریقہ کار کو اپنا بھی لیا۔

اطلبو العلم ولو بالصین (علم دین حاصل کرو چاہے چین ہی میں کیوں نہ ملے) اسی نکتہ کی تائید ہے کہ تحصیل علم میں شخصیات پر نظر نہیں کرنی چاہئے اور صرف چین

ہونے کی بنا پر اسے رد نہیں کرنا چاہئے۔

انسان اپنی فطرت میں جو ذوق تحقیق اور شوق علم لے کر آیا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ بات کے جملہ احتمالات و مفروضات پر توجہ دی جائے اور ان کے درمیان سے حقائق کا استخراق واستنباط کیا جائے۔

زیر نظر کتاب کی سب سے بڑی اہمیت یہی ہے کہ یہ ایک ایسے محقق کے افکار و آرا کا نتیجہ ہے جو اپنے عہد میں فرد فرید اور اپنی علمی منزل میں یکہ وتنہا ہے۔

آیت اللہ السید محمد باقر الصدر دام ظلہ، عالم اسلام کے اہم ترین علمی مرکز نجف اشرف عراق کے فکری قائد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کے بارے میں بعض علما اسلام کا مستند فیصلہ ہے کہ آپ صدر اول سے اب تک عالم اسلام کے چوتھے فلسفی ہیں۔ اور دور حاضر میں آپ کی فکری صلاحیتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

امت اسلامیہ کے پاس دینی تعلیم کے دو اہم ترین مرکز تھے ''جامعہ ازہر'' مصر اور ''حوزہ علمیہ نجف اشرف''۔

دونوں نے اپنے اپنے انداز سے مذہب کی خدمت کی ہے اور دونوں نے اپنے اپنے معیار کے مطابق اسلامی علوم کا نام روشن کیا ہے مگر افسوس کہ نہ ''جامعہ ازہر'' کی عظمت دست بروز مانہ سے محفوظ نہ رہ سکی اور اب وہ ایک عام یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے دینی علوم ضمنی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور طلاب علوم کسی رخ سے دینی طلاب نہیں معلوم ہوتے۔

یہ انجام ہر اس درسگاہ کے لئے ناگزیر ہے جس نے اپنے پیروں کے بجائے حکومت واقتدار کے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی ہے۔ مصر کے قدیم علمی ارتقا اور جدید حالات کا موازنہ کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر علمی خدمات اسی جامعہ نے انجام دیئے ہیں جو آج ایک دانش گاہ بن کر رہ گیا ہے۔

میں نے اپنے ثقافتی دورے میں ''جامعہ ازہر'' کا مشاہدہ کیا تو میرا دل خون کے

آنسو رونے لگا۔ جس درسگاہ کو ہم اہل ہندوستان عظمت و تقدیس کی نظر سے دیکھا کرتے تھے اس کی فضاؤں میں تقدس کا دور تک پتہ نہیں ہے۔ صرف چند مخلصین رہ گئے ہیں جو اپنے انداز سے اپنے دین کی خدمت کر رہے ہیں باقی رہے نام اللہ کا۔

"**حوزہ علمیا نجف اشرف**" کی حیثیت اس سے بالکل مختلف ہے یہ ادارہ ہمیشہ حکومت کی امداد سے بے نیاز اور اقتدار کی جکڑ بند سے آزاد رہا ہے۔ اس نے پر آشوب زمانوں میں بھی کسی کا احسان نہیں لیا اور غیر کے منت کش ہونے پر مسلسل فاقوں ہی کو مقدم رکھا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی وسائل اور قومی امداد کے سہارے یہ ادارہ آج بھی اپنی روحانیت اور تقدس کی ساری روایات کو محفوظ کئے ہوئے ہے اور عظیم احساس مسئولیت کا بھی امانت دار بنا ہوا ہے۔

اس کے قائد کو جب ''فیلسوف'' یا ''مفکر'' کہا جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ صرف علمی مقام کا حامل ہے بلکہ اس کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ وہ عظیم تقدس اور پاکیزگی کے جوہر بھی رکھتا ہے۔

حوزۂ علمیہ کے قائد اکبر کو ''اعلم'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے جو پوری امت اسلامیہ کے لئے اسلامی فقہ کا محور اور علوم شریعت کے لئے آخری سند ہوتا ہے۔ اس کی علمی عظمت اور شرعی حیثیت کا اندازہ ہر فرد بشر کے امکان میں نہیں ہے۔

استاذ اعظم حضرت آقائے صدر دام ظلہ، اپنی علمی حیثیت میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ آپ عصر حاضر میں ''دانشگاہ'' کے ماحول میں اعلم کا عنوان نہیں رکھتے لیکن خود اعلم وقت کو بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان دیکھا گیا ہے۔

اور اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ ''اعلمیت'' صرف علوم شریعت میں بلند ترین درجہ کی علامت و نشانی ہے اور آقائے صدر دام ظلہ، مقام اعلمیت سے قریب ترین ہونے کے علاوہ دیگر علوم میں ایسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں کہ ارباب دانش آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ

کر حیران وششدر رہ جاتے ہیں۔

زیر نظر کتاب سے پہلے آپ کی چند کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جن میں اہم ترین کتابیں حسب ذیل ہیں:

فلسفتنا، اس کتاب میں دنیا کے دوسرے فلسفوں کے مقابلہ میں اسلامی فلسفہ کی برتری اور اس کی واقعیت پر مکمل بحث کی گئی ہے اس کتاب کی اشاعت پر بغداد کے ایک علمی جریدہ نے آپ کو عالم اسلام کا چوتھا فلسفی قرار دیا تھا اور اپنے تبصرہ میں لکھا تھا کہ ''کاش میں اس کے مصنف سے روشناس ہوتا اور ایک مرتبہ اس کی زیارت کر لیتا۔''

اقتصادنا۔علم معاشیات پر اس سے زیادہ جامع اور علمی کتاب آج تک تالیف نہیں کی گئی۔اس کی پہلی جلد میں جدید ترین اقتصادی نظریات سے بحث کی گئی ہے اور دوسری جلد میں اسلامی اقتصادیات کی بنیادوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

میں نے چند سال پہلے اس کتاب کا ترجمہ کیا تھا اور مکتبہ تعمیر ادب کی طرف سے اس کی اشاعت بھی ہوئی تھی لیکن اب اس ترجمہ تک دسترس نہیں ہے۔حالات نے اجازت دی تو بہت جلد اس کی دوبارہ اشاعت کی جائے گی۔

الاسس المنطقیہ للاسقراء یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بھی منفرد ہے۔اس میں علم منطق کے جدید ترین قواعد مرتب کئے گئے ہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ ارسطو کی رائج الوقت منطق میں جن بنیادوں کو مسلم قرار دیا گیا ہے ان کی اصلیت کیا ہے۔؟

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ سرکار محترم نے ارسطو کی شکلی منطق کو واقعی بنانے کے لئے جدید ترین اصول مرتب فرمائے ہیں اور اس منطق کی صحیح حیثیت واضح کر کے اس کے وقار میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔حالات اور استعداد کی ہمراہی ہوتی تو اس کتاب کا ترجمہ بھی منظر عام پر لے آتا۔

ان کے علاوہ فقہ واصول میں متعدد تصانیف ہیں جو حوزہ علمیہ کا علمی محور اور تشنگان

علوم کے لئے چشمۂ حیات بنی ہوئی ہیں ان کتابوں پر تفصیلی تبصرہ اس لئے مناسب نہیں ہے کہ یہ ''نجف اشرف'' کی آب وہوا کے اثرات ہیں۔

حوزہ علمیہ ایک مخصوص فضا کا حامل ہے جس میں ان موضوعات پر کتاب لکھنا کوئی زیادہ دشوار کام نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سرکار محترم کے قلم نے اس میدان میں بھی اپنی انفرادیت کا سکہ جما دیا ہے۔ اور آپ کے جدید نظریات نے علم اصول فقہ کو بھی ایک نیا موڑ دے دیا ہے۔

زیر نظر کتاب ناظرین کے سامنے ہے۔ کتاب کی عظمت کا فیصلہ پڑھنے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے قبل از وقت کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں اپنے اس خیال میں حق بجانب ہوں کہ مولف کتاب کو ''حوزہ علمیہ'' کی مخصوص اصطلاح کے زیر سایہ دیگر علوم وفنون کی جامعیت کا لحاظ کرتے ہوئے ''اعلم عصر'' کے لقب سے یاد کیا جا سکتا ہے۔

تحریک ونتائج

کسی کتاب کی تالیف کے اسباب ومحرکات بھی کتاب کی اہمیت میں چار چاند لگا دیا کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ چند کلمے سبب تالیف کے بارے میں بیان کر دیئے جائیں۔

آج سے چار پانچ سال پہلے مملکت ''کویت'' کے بعض ذمہ دار تجار کو یہ احساس پیدا ہوا کہ تجارت کا اتنا عظیم سرمایہ بیکار ہو رہا ہے اور اس کے اجتماعی طور پر کاروبار میں لگانے کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ بینک کا عصری نظام سود میں گھرا ہوا ہے اور سود اسلامی شریعت میں حرام ہے۔

اسلام کسی قیمت پر یہ اجازت نہیں دیتا کہ سرمایہ کی فراوانی کی خاطر حرام وحلال کے امتیاز کو مٹا دیا جائے۔ اور خیال آخرت کو نظر انداز کر کے دنیا میں ترقی کی جائے۔

اس احساس نے ان افراد کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ دنیائے اسلام کے

عظیم ترین مفکرین کو دعوت نظر دی جائے اور بینک کا کوئی ایسا نظام تلاش کیا جائے جس میں بینک کے جملہ خصوصیات بھی موجود ہوں اور سود کا بھی کوئی گزر نہ ہو۔

مختلف ممالک اسلامیہ کے متعدد مفکرین کو خطوط لکھے گئے اور سب نے حسب صلاحیت جوابات بھی دیئے لیکن اکثر جوابات صرف فتوؤں اور سود کی خرابیوں تک محدود تھے۔ مستقل بینک کی اسلامی تفسیر میں کوئی مفکر کامیاب نہیں ہوسکا۔

سرکار علامہ السید محمد باقر الصدر دام ظلہ نے یہ کتاب اسی استفسار کے جواب کے طور پر مرتب کی تھی جو اس قدر پسند کی گئی کہ انہیں دیانتدار افراد کی طرف سے اس کی اشاعت کا بھی انتظام کیا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ اسلامی نظام میں کوئی نقص نہیں ہے اور اس کے قوانین ہر دور میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

دنیائے امروز دیکھ لے کہ اسلام کے قوانین میں کس قدر جامعیت اور ہمہ گیری پائی جاتی ہے اور امت اسلامیہ ہوشیار ہوجائے کہ اس کے خزانۂ عامرہ میں ایسے ایسے جواہر موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی بھی شخص اسلامی افکار کو چیلنج نہیں کر سکتا۔

سرکار محترم کی ذات انہیں جواہر روزگار اور نوادر عصر میں ہے جن پر ملت اسلامیہ کو بجا طور پر ناز کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور اس سے زیادہ دانش گاہ پر ناز کرنے کا حق ہے جو آج بھی ایسے رجال فکر۔ اور ابطال عمل کی پرورش کر رہی ہے۔

جواب شکوہ

میرے اکثر احباب یہ شکایت کیا کرتے ہیں کہ آپ کی تحریریں خشک اور غیر دلچسپ ہوتی ہیں۔ مجھے ان کی شکایت سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ جو شخص بھی کسی کتاب کے مطالعہ پر اپنا عزیز وقت صرف کرے گا وہ اس کے نقائص پر تبصرہ بھی کرے گا۔ میں تو ان حضرات کا شکر گزار ہوں کہ وہ ایسی خشک تحریروں کو بھی اپنے مطالعہ میں جگہ دیتے ہیں اور اپنی ''نگاہ کرم'' سے محروم نہیں رکھتے۔ ورنہ آج کے دور کا ناولوں کا ڈھلا ہوا مزاج اور انسانوں کا تراشا ہوا ذہن ایسی خشک اور غیر دلچسپ تحریروں کو کس جذبہ کے تحت ملاحظہ

کرے گا۔

معاشی حالات نے انسان کو اتنا ضعیف اور کاہل بنا دیا ہے کہ مشکل کام کرنا تو بڑی بات ہے۔ مشکل بات کا سننا بھی ناگوار ہے نفس کی تسکین اور نظر کے فریب ہی میں زندگی کا آخری ارتقا ہے ایک ناول میں پوری رات صرف کی جاسکتی ہے ایک فلم پر کئی گھنٹے برباد کئے جاسکتے ہیں ایک علمی کتاب کو دو گھنٹوں کا وقت نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے نہیں کہ ذہن سمجھنے سے قاصر اور دماغ فکر وفہم سے عاجز ہو گئے ہیں بلکہ اس لئے کہ حالات سے تھکا ہوا انسان ''بہلاؤں'' کی چھاؤں میں پناہ لینا چاہتا ہے۔ وہ محنت کرنے کے بجائے راحت وآرام کا طالب ہے۔

میرے کرم فرما احباب عبارت کی دشواریوں کے ساتھ موضوعات کی نزاکت پر بھی نظر رکھتے تو انہیں اندازہ ہوتا کہ علمی مسائل افسانہ نہیں بنائے جاسکتے۔ زندگی کے مشکلات کا حل جنسیاتی لطیفہ نہیں بن سکتا دونوں الگ الگ دنیائیں ہیں اور دونوں کے لئے الگ الگ زبان اظہار ہے۔

ترسیل وابلاغ کی دشواریوں سے باخبر حضرات جانتے ہیں کہ اپنی نگاہوں کے سامنے پیش آنے والے واقعات کے جملہ خصوصیات کے بیان کرنے میں کیا دشواری ہوتی ہے اور انسان مناسب الفاظ کے انتخاب میں کس قدر ٹھوکریں کھاتا ہے چہ جائیکہ دوسری زبان کے سانچے میں ڈھل جانے والے واقعہ کو دوسرے سانچے میں ڈھالنے کا عمل۔ کہ یہ جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

ترجمہ اور وہ بھی اردو ترجمہ جس کی تنگ دامانی ہمیشہ سے مسلم رہی ہے۔

ترجمہ، اور پھر عربی زبان سے ترجمہ جس کی وسعت و پہنائی، گیرائی اور گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا۔ جہاں ہاتھ کی ایک انگلی اور انگلی کے ایک ایک پور کے الگ الگ نام وضع کئے گئے ہیں۔

اس کے مطالب کو ایک ایسی زبان کی طرف منتقل کرنا جس میں انگلیوں کے نام

میں بھی صرف برائے نام ہی فرق کیا جاتا ہے کس قدر دشوار کام ہے اس کا اندازہ ارباب بصیرت ہی کر سکتے ہیں۔

سرکار صدر دام ظلہ کی زبان کے خصوصیات کیا ہیں اور عربی ادب میں آپ کا کیا مرتبہ ہے اس کا اندازہ اصل کتاب کے مطالعہ سے ہی کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے قطع نظر کرنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ وسعت وتنگ دامانی کے علاوہ عربی اور اردو زبان کے مزاج میں ایک بنیادی اختلاف ہے جو ایک زبان کے مسائل کو دوسری زبان کی طرف منتقل کرنے کی راہ میں مستقل طور پر سدراہ بنا رہتا ہے۔

ایک ادبی وامن نظر

عربی ادب کی تاریخ جاننے والے حضرات اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ آغاز کار میں عربی کا کوئی مرتب ادب نہیں تھا۔ نثر نگاری کا رواج صرف خطبوں تک محدود تھا اور وہ بھی نہایت ہی معمولی طریقہ پر۔ عربی زبان کی ساری وسعت اور اس کے ادب کی ساری جامعیت میدان جنگ کی ممنون کرم ہے۔ جہاں پیدائشی "قسم کے شاعر اپنے نتائج فکر کو بطور فخر پیش کیا کرتے تھے اور پھر اسی کی روشنی میں چھوٹے چھوٹے ادیبوں کا مقام متعین ہوا کرتا تھا۔ "بازار عکاظ" کے قصے تاریخ میں بھرے پڑے ہیں۔

لیکن اس کے برخلاف اردو ادب کی نشوونما کا حال یہ ہے کہ اس نے ایک دور بازاروں میں گزارا ہے۔ پھر صوفیوں کی خانقاہوں میں معتکف رہی ہے اور وہاں سے نکل کر شمالی ہندوستان میں آئی ہے تو

پردے کا تھا خیال محل میں چلی گئی

محلات کا ماحول اور بیگمات کی رنگین مزاجی نے اس کی ساری تمکنت خاک میں ملا دی اب نہ وہ میدان کے لائق رہ گئی اور نہ بازار کے۔ نزاکت اس کا شعار بن گئی اور رنگینیٔ بیان اس کا اوڑھنا بچھونا۔

حد یہ ہے کہ ادب کا شاعر اپنے معشوق کی مدح بھی مجاہدانہ انداز سے کرتا ہے اور

اردو کا ادیب گھوڑے کی تعریف میں بھی یہی کہتا ہے کہ

پاؤں رکھنے لگا تھم تھم کے زمیں پر رہوار

یہاں تلوار کی تعریف بھی اس انداز سے کی جاتی ہے۔

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ روجدا
جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا
سینے سے دم جدا رگ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعدا برسے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

جن تشبیہات کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ کرنا دشوار ہے کہ میدان جنگ میں گھوڑا آرہا ہے یا کوئی معشوق نازنین نیام سے تلوار نکل رہی ہے یا حجلہ سے عروس نو۔

محلات کے اس ذوق نے زبان و بیان پر مکمل اثر ڈالا اور نتیجہ کے طور پر اردو میدانوں سے محروم ہوگئی۔ اب بے پناہ ترقی اور گوناگوں انقلابات کے بعد بھی شاعر انقلاب اسی انداز سے سوچتا ہے

جیسے ملا کا عمامہ، جیسے بنیئے کی کتاب
جیسے مفلس کی جوانی، جیسے بیوہ کا شباب

انقلابی نظمیں اور مرثیوں کے رجز اس بات کے گواہ ہیں کہ عام طور پر اردو شعرا نے رجز کا رنگ پیدا کرنے کے لئے بھی عربی الفاظ اور فارسی بندشوں کا ہی سہارا لیا ہے۔ ورنہ ذاتی طور پر معرکہ آرائی بھی خانگی مکالمہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔

اس مقام پر میرا مقصد عربی اور اردو ادب کا موازنہ کرنا نہیں ہے اور ایک کو دوسرے کی طرف منتقل کرنا کس قدر دشوار کام ہے۔ کاش میرے احباب بھی ان مشکلات پر

توجہ دیتے اور زخم جگر دیکھنے کے بجائے درد جگر دیکھتے زخم دیکھنا تماشائیوں کا کام ہے اور درد کا محسوس کرنا ہمدردوں کا شیوہ!۔

میں نے اس سے قبل بھی اس کے تراجم میں اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ زبان کے خصوصیات گرفت میں نہ آسکیں تو کم از کم مطالب ضرور گرفت میں آجائیں اور اس کتاب میں تو خصوصیت کے ساتھ اس نکتہ پر توجہ دینا پڑی ہے۔ اس لئے کہ اس کا موضوع کوئی ادبی اور روائتی موضوع نہیں ہے۔ یہ ایک درد دل کا علاج اور مشکل زندگی کا حل ہے۔ اس کے مطالعہ کے لئے ذوق فن کے بجائے ''فکر زمن'' درکار ہے یہ غم جاناں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ''غم دوراں'' کا مرحلہ ہے۔

مقدمہ کیوں؟

یہ سوال ضرور ہوسکتا ہے کہ اتنی دقیع اور قیمتی کتاب پر مقدمہ لکھنے ہی کی ضرورت کیا ہے؟ مقدمہ کتاب کے شایان شان نہ ہو تو کتاب کی اہمیت بھی گھٹ جاتی ہے۔

یہ اعتراض اس سے پہلے بھی میری بعض کتابوں پر کیا گیا۔ لیکن میں اس سلسلے میں اپنے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں۔ میرا مقدمہ کسی فن یا قابلیت کا اظہار نہیں ہوتا اس میں صرف دو باتیں پیش نظر رکھی جاتی ہیں۔

[۱] اگر کوئی مطلب کتاب میں رہ گیا ہے تو اسے بیان کر دیا جائے۔

[۲] اگر کوئی بیان واضح نہیں ہوا ہے تو مقدمہ میں فہم کتاب کے لئے زمین ہموار کر دی جائے۔

اس مقدمہ کا محرک بھی یہی ہے کہ سرکار مؤلف نے سود کی حرمت کو ایک مسلمہ قرار دے کر بحث کا آغاز کیا ہے اور آج کے دور میں یہ موضوع خود بھی اختلافی بنا دیا گیا ہے اور اس میں طرح طرح کی شقیں نکالی جارہی ہیں کہ اگر اس مسئلہ کی وضاحت نہ کی گئی اور سود کو عقل اور نقلی اعتبار سے مذموم اور حرام نہ قرار دیا گیا تو کتاب کی ساری محنت بیکار ہو جائے گی

اوراس کا کوئی محل باقی نہ رہ جائے گا۔

ضرورت تھی کہ ابتدائی طور پران مباحث کی طرف بھی ایک اجمالی اشارہ کر دیا جاتا تا کہ اصل کتاب کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔

یہ بھی یادرہے کہ سرکارمحترم نے اپنی کتاب کو ان تمام تالیفات سے بلند کر دیا ہے جو بینک کے نام پر صرف سود کی حرمت کی وضاحت کر کے خاموش ہوگئی ہیں اور بینک موضوع کوتفصیلاً نہیں بیان کر سکیں۔

یہ کتاب وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں دوسری تالیفات کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اوران تالیفات کی حیثیت اس کتاب کے لئے ایک مقدمہ سے زیادہ کچھ نہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

دوسری منزل

تحقیق ربا

یوں تو عربی، فارسی اور اردو میں ''سود'' کے موضوع پر بے شمار رسالے اور کتابیں تالیف کی گئی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں جس تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر مولانا ابوالاعلی مودودی نے روشنی ڈالی ہے کسی دوسرے صاحب قلم نے ایسا بنیادی کام انجام نہیں دیا۔

یہ اور بات ہے کہ مولانا کی تحریروں میں دو قسم کی کمزوریاں باقی رہ گئی ہیں اور یہ ہر اس شخص کی تحریر کے لئے ضروری ہے جس نے کسی موضوع پر نقش اول کے طور پر قلم اٹھایا ہو۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا نے موضوعات کی تنقیح میں پورے فن سے کام نہیں لیا اور اکثر مقامات پر موضوعات آپس میں گڈ مڈ ہو کر رہ گئے ہیں پوری کتاب پڑھنے کے بعد یہ اندازہ مشکل ہو جاتا ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت اخلاقی ہے یا معاشی۔؟

ایک مقام پر معاشیات پر زور دیا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر معاشیات کی تشریح میں قلم کی جولانی اخلاقیات کے حدود میں داخل ہو جاتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا نے سود کے مفاسد و عیوب کا تذکرہ کرتے ہوئے بے حد مذمت کا رخ افراط زر کی طرف موڑ دیا ہے اور اسلام کے زکوتی نظام کی ترویج کے

لئے افراط زر کو نشانۂ تنقید بنایا ہے۔ اسلام کی سود کی حرمت کا فلسفہ افراط زر کی برائی نہیں ہے افراط زر ایک نتیجہ ہے اور سود ایک طریقۂ کار ہے۔ افراط زر حلال کسب کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور اس پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جا سکتی۔

زکواتی نظام بھی ''جمع مال'' پر پابندی عائد نہیں کر سکتا ورنہ زکوٰۃ کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ حلال و حرام کا سلسلہ تو بعد میں شروع ہوگا۔

زیر نظر مقدمہ اسی ضرورت کے تحت تحریر کیا جا رہا ہے کہ موضوعات کی مکمل تنقیح ہو جائے اور جن مقامات پر مولانا نے اپنی مجبوریوں کی بنا پر قلم روک لیا ہے وہاں بھی شریعت کا فیصلہ دریافت کیا جا سکے۔

مولانا مودودی کی ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ وہ بہر حال ایک مجتہد کے قول کے زیر سایہ اپنی تحقیق کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں اور خود صاحب صلاحیت ہونے کے باوجود اپنے بیانات میں کسی نہ کسی طرح سابق مجتہدین کے افکار کا پرتو تلاش کرنا چاہتے ہیں۔

حالانکہ اگر انہوں نے مذہب شیعہ کی طرح باب اجتہاد کے مفتوح ہونے کا اعلان کر دیا ہوتا تو امت اسلامیہ ان کے افکار سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتی؟ لیکن ان موضوعات پر تبصرہ کرنا مناسب نہیں ہے ان کا تعلق مذہب کے بنیادی نظریات سے ہے اور ان کا طے کرنا اس کتاب کا موضوع نہیں ہے۔

ربا

عربی زبان میں ''سود'' کو ربا کہا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے اس کتاب کا نام ''البنك الاربوی ''یعنی غیر سودی بینک رکھا گیا ہے۔

ربا کے لئے اہل لغت نے مختلف استعمالات درج کئے ہیں۔

لویس معلوف مسیحی اپنے لغت ''المنجد'' میں ربا کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں کہ:

''الربا، الفضل، الزيادة، اوالربح الذى تيناو له المرابى

من مدینه"

ربا کے معنی اضافہ، زیادتی اور اس فائدہ کے ہیں جو قرض دینے والا اپنے مقروض سے وصول کرتا ہے صاحب لسان العرب کے الفاظ یہ ہیں

تکرر ذکر الربا فی الحدیث والاصل فیه الزیادة علی راس المال من غیر عقد تبائع۔

ربا کا ذکر بکثرت احادیث میں وارد ہوا ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ بغیر کسی بیع وشرا کے سرمائے سے زیادہ رقم وصول کی جائے۔

مذکورہ تمام استعمالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''ربا'' زیادتی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور زیادتی کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی شے نہ ہو ورنہ کسی مال یا عمل کے مقابلہ میں وصول کی جانے والی رقم کو کسی اعتبار سے بھی زیادتی نہیں کہا جاسکتا۔

علمائے لغت نے شرح حدیث کے طور پر اس کا مصداق قرض کو ضرور قرار دیا ہے۔ لیکن یہ ایک مخصوص اصطلاح ہے جس کا کوئی تعلق لغوی مفہوم سے نہیں ہے۔ لغت کے اعتبار سے ''ربا'' صرف بلا معاوضہ اضافہ کا نام ہے وہ قرض کے معاملہ میں ہو یا کسی اور معاملہ میں۔

اور شاید اسی لغوی تصور کی بنا پر جاہل عرب نے اسلام پر یہ اعتراض کیا تھا کہ اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ [1] بیع بھی تو ربا کی ایک قسم ہے یہاں بھی زیادتی ہے اور وہاں بھی۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک قسم کو جائز قرار دیا جائے اور دوسری کو حرام۔

یہ اور بات ہے کہ یہاں ''الربا'' سے مراد سود کا اصطلاحی مفہوم ہے جس نے بیع کو سود کی صف میں لا کھڑا کر دیا ہے۔

اقسام ربا

شریعت اسلام میں سود کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ معاملاتی سود اور قرضی سود،

---

[1] سورہ البقرہ: ۲۷۵

معاملاتی سود سے مراد وہ زیادتی ہے جو دو ہم جنس چیزوں کی خرید وفروخت میں وصول کی جاتی ہے اور قرضی سود سے مراد وہ اضافہ ہے جو اصل سرمایہ کے ساتھ مدت کے مقابلہ میں وصول کیا جاتا ہے۔

دور حاضر کے بعض مفکرین کا خیال ہے کہ صدر اسلام میں سود کی صرف ایک ہی قسم رائج تھی ''قرضی سود'' اور اسلام نے اسی سود کی حرمت کا اعلان کیا ہے۔تجارتی سود اس دور میں رائج نہیں تھا۔اس لئے اس کی حرمت پر استدلال نہیں کیا جاتا۔

مجھے فی الحال اس بات پر استدلال نہیں کرنا ہے کہ یہ انداز فکر اساس شریعت ہی کو منہدم کر دے گا اور جدید الخیال حضرات ہر حکم شریعت کی تاویل یہی ہے کہ یہ اس دور کی شراب کا حکم ہے آج کی وہسکی اور بیئر وغیرہ کا نہیں۔اس آیت کا مقصود اس دور کا طریقہ زنا ہے آج کا ترقی یافتہ معاشقہ نہیں اس حکم سے مراد اس دور کی چوری ہے آج کا فریب ومکر نہیں ہے وغیرہ۔

مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ آیت شریفہ میں اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م اور اس کے ساتھ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط اس بات کا ثبوت ہے کہ دور قدیم میں بھی ربا کا استعمال بیع وشرا کے ساتھ ہوا کرتا تھا اور قرض کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔

یہی وجہ ہے کہ معترض قوم نے ''ربا'' کو بیع کے مانند قرار نہیں دیا بلکہ بیع کو ''ربا'' کے مانند قرار دیا ہے یعنی اگر اضافہ کوئی عیب ہے تو تجارت میں قیمت کا اضافہ بھی عیب ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے اور جب اضافہ میں کوئی مضائقہ نہیں تو ہم جنس اور قرض وغیرہ کے فرق کے کیا معنی ہیں؟

اس مسئلہ کی تفصیلی بحث آئندہ منازل پر کی جائے گی۔اس مقام پر صرف یہ وضاحت مطلوب ہے کہ شریعت کے نقطہ نظر سے دونوں قسم کے سود میں ایک بنیادی فرق ہے۔

تجارتی سود میں مال اور قیمت کا ناپ تول کے لائق ہونا ضروری ہے اور ان کے

علاوہ دیگر اجناس کی کمی زیادتی میں سود نہیں ہوتا اور قرض میں ایسی کوئی شرط نہیں ہے وہاں ہر شے کی زیادتی ضرر رکھتی ہے اور معاملہ کو سرحد حرمت تک پہنچا دیتی ہے۔

شاید اس کا ایک فرق یہ بھی ہو کہ قرض میں اضافہ کی بنیاد مدت ہے اور اسلام مدت کی کوئی قیمت لگانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ کاہلی کا بہترین وسیلہ ہے جو اسلام جیسے دین عمل کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

مدت کے غیر د قیع ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اسلام نے مدت پر اضافہ مال کے بجائے مزید ٹیکس عائد کر دیا ہے اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ اگر مال سال بھر رکھا رہ جائے تو زکوٰۃ وخمس کی ذمہ داریاں بھی عائد ہوجاتی ہیں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جو مذہب مال کے روک لینے کو ایک جرم تصور کرتا ہو وہ ایک ''روک لینے'' پر اضافہ کو کیوں کر برداشت کرے گا۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ تجارت میں سودی اجناس کے لئے ناپ تول (والی جنس کا ہونا) کیوں شرط ہے گن کر فروخت ہونے والی چیزوں کی زیادتی کو سود کیوں نہیں شمار کیا گیا۔؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ دور قدیم میں بلکہ آج بھی اہم تجارتی اجناس کا کاروبار ناپ تول کے ذریعہ ہی ہوا کرتا ہے شمار وغیرہ کا ذریعہ شاذونادر ہی استعمال کیا جاتا۔

اسلام کا منشا یہ تھا کہ بازاروں سے سود کا خاتمہ کر دیا جائے اور انسانی سماج کو اس لعنت سے نجات دلا دی جائے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ سودی کاروبار کا زیادہ حصہ قرض کے ذریعہ چلا کرتا ہے۔ وہیں معقول شرح سود ملتی ہے وہیں سود کا فائدہ بھی ہوتا ہے تجارت میں قیمت یا جنس کو سامنے رکھنے کے بعد سودی کاروبار کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

لیکن ساتھ ہی ساتھ خطرہ یہ بھی تھا کہ سودی قرض پر پابندی لگنے کے بعد لوگ تجارت کو ذریعہ بنائیں گے اور ادھار خرید وفروخت کے ذریعہ سودی قرض کو پورا کریں گے۔ اس لئے اس نے تجارت پر بھی پابندی لگا دی اور اہم اجناس میں سود حرام کرنے کے بعد کسی حد تک آزادی باقی رہنے دی۔ ذہن بشر میں یہ بغاوت بھی نہ پیدا ہونے پائے کہ

اسلام سماجی ترقی کا دشمن اور بشری ارتقا کا حریف ہے۔

لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ اس مسئلہ میں اسلام بے حد محتاط ہے وہ صرف شکل معاملہ پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ معاملات کی تہ میں اتر کر اس کی روح کا اندازہ کر لیتا ہے وہ ان معاملات کو بھی پسند نہیں کرتا جن کی شکل تجارت کی ہوتی ہے اور حقیقی اعتبار سے قرض کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

مثال کے طور پر بعض ارباب نظر نے سودی قرض کے لئے یہ پہلو بھی نکالا ہے کہ اسلام ناپ تول کے علاوہ دیگر اشیا کی تجارت میں سود کا قائل نہیں ہے اور کمی وزیادتی کو جائز سمجھتا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ آج نوٹ نہ ناپنے کی چیز ہیں نہ تولنے کی۔ تو کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ سو روپیہ ادھار دے کر دوسو روپے لینے کے بجائے سو روپیہ کو دوسو روپیہ کے عوض سال بھر کے وعدہ پر ادھار بیچ دیا جائے اور نتیجہ میں سال بھر کے بعد جائز طریقہ سے سو روپے کا اضافہ وصول کر لیا جائے۔

ان حضرات نے یہ غور نہیں کیا کہ یہ معاملہ شکل وصورت میں تجارت ضرور ہے لیکن روح وجوہر کے اعتبار سے قرض ہے اور اسلام ان مسائل میں کسی حیلہ و بہانہ کو برداشت نہیں کرتا۔ وہ روح معاملہ کو دیکھ کر حرمت کا حکم لگا دیتا ہے اور ایسے کسی حیلہ کو پسند نہیں کرتا۔

نوٹ کا یہ تبادلہ قطعی حرام ہے اور حیلہ و بہانہ سے اسے حلال نہیں بنایا جا سکتا۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ناپ تول والی اشیا میں زیادتی کو شکلی اعتبار سے حرام کر دیا ہے اور سکوں میں سود کو روح و جوہر کے اعتبار سے حرام قرار دے دیا ہے اب اس کے بعد کوئی معمولی چیز باقی رہ بھی جاتی ہے تو اس کے سود سے انسانی سماج یہ معاشرتی معاملات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

فلسفہ قرض

ایک بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام سودی قرض کے معاملے میں اس قدر

محتاط کیوں ہے اور دیگر مسائل کی طرح صرف ظاہر پر اکتفا کیوں نہیں کرتا۔قرض پر سود لینا اتنا بڑا جرم ہے کہ جس معاملہ میں یہ روح پیدا ہو جائے وہی معاملہ حرام ہے چاہے اس کی شکل تجارت اور مصالحت ہی کیوں نہ ہو۔؟

لیکن اس کا جواب اسلام کے پورے نظام کی روحانی قدروں پر توجہ دینے کے بعد ہی واضح ہو سکے گا۔اسلام صرف ایک عبادتی دستور یا معاشیاتی نظام نہیں ہے وہ ایک مکمل ضابطہ زندگی ہے جس نے اپنے دامن میں زندگی کے ہر شعبے کو سمیٹ لیا ہے انسانی فطرت کا کوئی الجھاؤ اور بشری زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل اسلام کے قوانین میں موجود نہ ہو۔

قرض بھی اسلامی احکام میں ایک تاکیدی حکم ہے اور قرض کا سود بھی اسلامی محرمات میں بدترین حرام ہے۔قرض کا فلسفہ تلاش کرنا ہے تو اسلام کے اجتماعی قوانین پر نظر کرنا پڑے گی اور اجتماعیت ہی اس کے مسئلہ کا حل اور سماجی زندگی ہی اس کے حکم کی بنیاد ہے۔

اجتماعیات کا مسلم مسئلہ ہے کہ انسان فطری طور پر اجتماع پسند پیدا ہوتا ہے وہ انتہائی وحشی اور مضطرب ہونے کے بعد بھی تنہا زندگی گزارنے پر قادر نہیں ہے خالق فطرت نے اس کی فطرت میں ایک مخصوص لچک رکھی ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ تنہائی پر صبر نہیں کر سکتا۔

بشری تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ انسان نے ضروریات زندگی کے انتہائی محدود ہونے کے دور میں بھی تنہا زندگی نہیں گزاری اور اسے ایک امر دشوار تصور کیا ہے۔چہ جائیکہ آج کے دور میں جب کہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں نے بھی حیات بشر کو بے حد پیچیدہ بنا دیا ہے اور ہر مرحلہ زندگی ایک مستقل الجھاؤ بن کر رہ گیا ہے۔

انسان کی فطری اجتماعیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جملہ لوازم زندگی کو تنہا فراہم نہیں کر سکتا وہ اپنی زندگی میں روٹی بھی چاہتا ہے اور کپڑا بھی مکان کا طلب گار بھی ہے اطمینان کا

بھی اور یہ ممکن ہے کہ تن تنہا زراعت کر کے روٹی بھی فراہم کرلے اور اسی لمحہ میں کپڑا بھی تیار کرلے مکان بھی بناتا رہے اور دیگر اسباب اطمینان بھی تلاش کرتا رہے۔

ضرورت ہے کہ دیگر ابنائے نوع سے مدد مانگے اور پوری برادری کے سہارے سامان حیات مہیا کرے اسی کا نام اجتماعیت ہے اور یہی انسانی زندگی کی حقیقی بنیاد ہے۔

تصور کرسکیں تو اس پہلے انسان کے بارے میں سوچیں جس نے روئے زمین پر اس عالم میں قدم رکھا ہوگا جب انس والفت کا کوئی سامان نہ تھا اور ہر طرف ایک ہو کا عالم اور عدم کا سناٹا تھا۔ ایسے وقت میں کسی غیبی ہستی کا سہارا نہ ہوتا تو انسان کا دم گھٹ جاتا اور وہ روز اول ہی موت کے گھاٹ اتر جاتا۔ مجھے اس مقام پر توحید کے مسائل کا تذکرہ مقصود نہیں ہے لیکن یہ ایک جملہ معترضہ تھا جس کا ہر آغاز حیات کی بحث میں آجانا ناگزیر ہے۔

انسانی زندگی کے فطری طور پر اجتماع پسند اور باہمی تعاون کی پابند ہوجانے کے بعد تازہ مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ اس تعاون کی بنیاد کیا ہے۔؟ اور انسان کیوں کر ایک دوسرے سے ہمدردی کرے گا؟

اس کا سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ فطرت نے پوری نوع انسان کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کر کے ہر شخص کے دل میں جذبہ اخوت و برادری پیدا کر دیا ہے تاکہ اس کے سہارے ایک دوسرے کی مدد کرتا رہے۔

اس کے بعد ہر ایک کو دوسرے کا محتاج بنا دیا ہے تاکہ بے نیازی غرور و تکبر کی بنیاد نہ بن سکے۔ ایک آدمی دوسرے کے کپڑے کا محتاج ہے تو وہ اس کی روٹی کا نیازمند یہ تعمیر مکان میں غیر کا محتاج ہے تو وہ سامان اطمینان میں اس کا ممنون کرم۔

لیکن اس کے بعد بھی یہ امکان ہے کہ اگر ایک شخص کے ضروریات زندگی دوسرے سے زیادہ ہوں اور وہ اپنے ضروریات میں غیر معمولی طور پر محتاج ہوجائے اور جس

سے احتیاط پیدا ہوئی ہے وہ اس کا محتاج نہ ہو۔تو ایسے حالات میں وہ دوسرے کی امداد سے انکار کردے اور تکبر کے مفاسد ونتائج سامنے آجائیں۔

مذہب کا فرض اولین ہے کہ فطرت سے بچے ہوئے مسائل کا حل خود تلاش کرے اور جن مسائل کے علاج میں فطرت خود کفیل نہیں ہے ان کا مداوا کرے۔

اسلام نے اسی نکتہ کو پیش نظر رکھ کر انسانی سماج میں قرض کے بنیادی مسئلہ کو اہمیت دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جب بھی کوئی شخص اپنی ضروریات کا خود کفیل نہ ہو سکے تو دوسرے کا فرض ہے کہ وہ اس کی پوری پوری مدد کرے۔

قرض اسلامی نظام کی ایجاد نہیں ہے۔اسلام کے پہلے بھی مختلف سماجوں میں اس کا وجود پایا جاتا تھا لیکن اسلام نے اس کا جدید فلسفہ معین کر کے اسے دنیا کے دوسرے نظاموں سے الگ کر دیا۔

عرب سماج میں قرض ایک کاروبار کی حیثیت رکھتا تھا اس کی نوعیت زیادہ سے زیادہ تعلقات برقرار رکھنے کی تھی اس کا شمار کسی اعتبار سے انسانی حقوق میں نہ تھا۔اسلام نے قدم رکھتے ہی انسان کی اجتماعی احتیاج کے پیش نظر قرض کو ایک اخلاقی فرض اور بنیادی حق قرار دے دیا۔

اس کا کھلا ہوا اعلان ہے

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿۶﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾

ان نماز گزاروں کے لئے خرابی ہے جو نماز سے غافل رہتے ہیں۔ریاکاری کرتے ہیں اور دوسروں کو ظروف دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔[۱]

نماز جیسی عبادت کے ساتھ ظروف نہ دینے کا تذکرہ اسلامی اجتماعیت کا کھلا ہوا

---

[۱] سورہ الماعون: ۴ تا ۷

ثبوت ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ جو اسلام عاریت نہ دینے پر ''ویل'' کا قائل ہے وہ قرض نہ دینے کو کتنا بڑا عیب سمجھتا ہوگا۔

قرض کے انسانی حق ہونے کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ اس نے قرض کے ساتھ عام معاملات جیسا برتاؤ برداشت نہیں کیا ہے بلکہ اس کا قانون ہے

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ

اگر مقروض تنگ حال ہو تو وسعت حال کا انتظار کرنا چاہیے اور اسے اتنی مہلت دینی چاہیے۔[1]

جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ کوئی کاروبار نہ تھا صرف ایک انسانی حق تھا جسے صاحب استطاعت نے ادا کی۔ اب جب دوسرا شخص صاحب استطاعت ہو جائے گا تو وہ اپنے سماجی حق کو ادا کرے گا۔

اسلام نے قرض کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ خیرات میں دس گنا ثواب ملتا ہے اور قرض میں اٹھارہ گنا اور اس کا فلسفہ یہ بیان کیا ہے کہ خیرات کا مال صرف ایک صاحب ضرورت کے ہاتھ میں جاتا ہے اس کے بعد خرید و فروخت کی راہوں میں لگ جاتا ہے اور ضرورت مند کی قید نہیں رہ جاتی لیکن قرض کے مال میں یہ احتمال رہتا ہے کہ پلٹ کر کسی صاحب ضرورت کی جیب میں جائے گا اور دوبارہ پھر بطور قرض دے دیا جائے گا۔

اس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ جس مذہب نے قرض کو انسانی حق اور اخلاقی فرض کا درجہ دیا ہے وہ یہ کیونکر برداشت کرسکتا ہے کہ اسے کاروبار کی حیثیت دے کر سود پر اٹھایا جائے اور غرض مند کی ضرورت سے ناجائز فائدہ حاصل کیا جائے۔

اسلام کی نظر میں دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا انسانیت سوز اور انتہائی غیر اخلاقی جرم ہے یہ ''مادیت پرست'' نظاموں میں تو جائز ہوسکتا ہے لیکن اخلاقی پرست

---

[1] سورہ البقرہ:۲۸۰

مذہب میں قطعاً جائز نہیں ہوسکتا۔

حکومت کا طرز عمل

حیرت کی بات ہے کہ آج کی حکومتیں ایک طرف اپنے عوام کو سودی قرضہ دیتی ہیں اور جنگ وغیرہ کے مواقع پر ان سے سود پر قرضہ لیتی ہیں اور دوسری طرف سماجی ہمدردی اور اجتماعی تعاون کی باتیں بھی کرتی ہیں حالانکہ یہ بات انتہائی مہمل اور بے معنی ہے۔ سود کی بنیاد خودغرضی اور مفاد پرستی پر ہے۔ سودخوار سے کسی ہمدردی یا تعاون کی امید رکھنا ''خیال است ومحال است وجنوں'' کے مترادف ہے۔ سماج کو سود کا عادی بنادینے کے بعد اس سے ہمدردی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ملک پر حملہ ہوجانے کے باوجود عوام سود ہی کی امید پر قرضہ دیتے ہیں اور یہ سوچنے کی زحمت نہیں کرتے کہ ملک اپنے وطن سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کی تباہی اپنی تباہی ہے اور اس کی شکست اپنی شکست۔

یہ اسلام ہی کا اعجازی طریقہ تعلیم تھا کہ اس نے ہر مرحلہ پر اجتماعی تعاون کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملکی دفاع کو واجب عینی قرار دیا اور اس کے لئے کوئی فوج یا لشکر کی قید نہیں رکھی۔

مسیحیت کی تاریخ گواہ ہے کہ صلیبی جنگوں کے دوران جب فوج کی حالت تباہ ہونے لگی اور مزید تیاریوں کے لئے دولت وسرمایہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو خود گرجا والوں نے بھی سود کے بغیر کوئی امداد نہیں کی۔

سوچنے کی بات ہے کہ ایک طرف یہ دنیاوی یا ''نام نہاد'' سودی نظام ہیں اور ایک طرف اسلام کا الہاتی دستور ہے جس میں اس قسم کے کسی فساد کا امکان نہیں ہے۔ اس نے روز اول ہی سے سود کی جڑوں کو اکھاڑ کر پھینک دیا ہے تاکہ انسانی قلب کی گہرائیوں میں یہ بیماری جڑ نہ پکڑنے پائے ورنہ شدید ترین مواقع پر عظیم ترین دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

زیر نظر کتاب کی تحریک اسی اسلامی لاشعور کا نتیجہ ہے جو امت اسلامیہ کو ایک

ایسے طریقہ عمل کی دعوت دے رہا ہے جسے اختیار کرنے کے بعد وہ دنیا کی ترقی کی دوڑ میں کسی ملک یا قوم سے پیچھے بھی نہ رہ جائے اور اجتماعی حقوق پر اثر بھی نہ پڑے۔

بات کے غیر متوازن ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہ کہنے کی بھی جرات کرتا کہ سودی اور غیر سودی معاشرہ دراصل انسانی اور غیر انسانی معاشرہ ہے۔ انسانی معاشرہ میں باہمی تعاون اور سماجی ہمدردی ہے اس میں سود کا گزر نہیں ہے اور غیر اسلامی سماج میں خودغرضی، مفاد پرستی ہے اس کا کام جمع مال، افراط زر، سودخواری اور احتکار کے بغیر نہیں چل سکتا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

تیسری منزل

سوداوراسلام

سود کا مفہوم اور اس کی حرمت کا اجمالی فلسفہ بیان کرنے کے بعد ان فرامین و ارشادات کا تذکرہ مقصود ہے جن سے اسلام میں سود کی نوعیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سود کی حرمت معاشی حیثیت کی حامل یا اخلاقی؟ اس کے نتائج دنیوی ہیں یا اخروی؟ اس کا دائرہ محدود ہے یا وسیع تر۔۔۔؟

قرآن مجید میں سود کی حرمت کا تذکرہ مختلف مقامات پر بالتفصیل ملتا ہے۔ ان تذکروں سے ایک طرف حکم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرب سماج میں یہ طریقۂ کسب کس طرح جڑیں پکڑے ہوئے تھا کہ اس لعنت کو مٹانے کے لئے ایک دو اعلان کافی نہیں ہوئے بلکہ مسلسل اعلانات کی ضرورت محسوس ہوئی اور سخت سے سخت تر لہجہ اختیار کرنا پڑا۔

آیات کے ساتھ احادیث کا اضافہ کر لیا جائے تو حکم کی اہمیت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ احادیث میں لہجہ کی شدت قرآن مجید کے لہجہ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ آیات کا اعلان پروردگار کے نام سے ہوتا ہے اور احادیث کی نسبت حبیب کبریا کی طرف ہوتی ہے۔

آیات کو سنا دینا اتنا دشوار کام نہیں ہے جتنا ظاہری حالات کی بنا پر ناشناس قوم

کے سامنے احادیث کا پیش کرنا ہے۔ احادیث کے لہجے کی شدت اس بات کی دلیل ہے کہ اس مرحلہ پر رب العالمین ظاہری حالات کو بھی قابل اعتنا نہیں بنانا چاہتا اور مشیت کا تقاضا ہے کہ اس حکم کا صریحی اعلان کیا جائے چاہے اس راہ میں بے پناہ مصائب ہی کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔

آیات کریمہ

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

سود کھانے والے (بروز قیامت) اسی طرح اٹھیں گے جس طرح شیطان کے مس کر دینے سے خبطی انسان اٹھتا ہے اس لئے کہ ان لوگوں نے تجارت کو بھی سود جیسا کہہ دیا ہے حالانکہ خدا نے سود کو حرام کیا ہے اور تجارت کو حلال۔ اب جو بھی الٰہی نصیحت کے آنے کے بعد باز آجائے اس کے لئے گزشتہ مال حلال اور بازگشت خدا کی طرف ہے اور جو دوبارہ ایسا اقدام کرے گا وہ جہنمی ہے اور اسی میں ہمیشہ رہنے والا ہے۔ [1]

آیت مبارکہ میں سود خوار کی خبط الحواسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ جس طرح اس دنیا میں سود کے پیچھے خبطی ہو جاتا ہے اسی طرح روز قیامت بھی خبطیوں کی طرح اٹھے گا۔

---

[1] سورہ البقرہ: ۲۷۵

اس کے بعد بیع اور سود کے فرق کو واضح کرتے ہوئے بخشش اور جہنم کا تذکرہ کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ اسلام کی نظر میں سود اور تجارت کے فرق کو محسوس نہ کرنا ایک قسم کی خبط الحواسی ہے اور خبط الحواسی بھی ایسی جس کا اثر دنیا سے آخرت تک پہنچ جاتا ہے۔

آیت کے فقرات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سود کی حرمت کا پہلا اعلان نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ قوم کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے جس کے جواب میں ان لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ تجارت میں بھی سود ہی جیسی ایک چیز ہے جس میں نفع کمایا جاتا ہے اور اب قرآن کریم نے ان کی خبط الحواسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واضح کر دیا ہے کہ اب بھی باز آجائیں تو بہتر ہے ورنہ اس کے بعد دائمی عذاب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اسلام میں سود اور تجارت میں کیا فرق ہے؟ اور سود کی حرمت کی واقعی بنیادیں کیا ہیں؟ ان مسائل پر آئندہ صفحات پر تبصرہ کیا جائے گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

اے ایمان والو!۔ اللہ سے ڈرو اور اگر صاحب ایمان ہو تو مابقی سود چھوڑ دو ایسا نہ کرو تو خدا ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور توبہ بھی کرنا چاہو تو صرف سرمایہ لے لو نہ ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ [۱]

آیت شریفہ میں سودی سماج کی طرف بھی اشارہ ہے اور سودی قانون کی طرف بھی۔ سماج کا یہ عالم ہے کہ ایمان لا چکے ہیں لیکن سود کا سلسلہ باقی ہے اور قانون یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد بھی گزشتہ سود چھوڑ دینا پڑے گا۔

---

[۱] سورہ البقرہ: ۲۷۸، ۲۷۹

سودخواری کے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان جنگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سودخواری صرف ایک معاشی عمل نہیں ہے بلکہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی تباہی ہے اور خدا ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبرد آزمائی کے مترادف ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو شاید وہ تمہارے حال پر مہربان ہوجائے۔[1]

دگنا چوگنا کا لفظ سن کر بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے معمولی مقدار میں سود لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور دور حاضر میں جو سود رائج ہے وہ دس پانچ فیصدی ہی ہوتا ہے۔ دگنا چوگنا کبھی نہیں ہوتا۔

ایسے افراد کو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر آیت کا تصور یہی ہے تو اس کا شمار ''نعوذ باللہ'' مہملات میں ہوجائے گا اس لئے کہ اس میں ایک ایسے امر کی ممانعت کی گئی ہے جو نہ کبھی واقع ہے اور نہ واقع ہونے کا بظاہر امکان ہے۔ اس کا حال تو وہی ہوگا کہ کوئی حاکم اپنے ملک میں انتہائی شدت سے قانون نافذ کرنے کہ ''جو شخص بھی بلا وسیلہ کے ہوا میں پرواز کرے گا اسے واپسی پر پھانسی دے دی جائے گی'' یا ''جو زمین گیر بھی بیس میل کی دوڑ لگائے گا اسے گورنر بنادیا جائے گا''۔

کہ صاحبان عقل ایسے قوانین کا مذاق اڑائیں گے اور کہیں گے کہ اتنی بڑی بڑی سزائیں اور اتنے عظیم انعامات ایسے اعمال پر مقرر کئے گئے جن کا امکان بھی نہیں ہے۔

سود کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ کبھی اصل مال سے زیادہ نہیں ہوا۔ دنیا کے ہر ملک میں ہر دور میں سود کی ایک شرح مقرر رہی ہے ایک فیصدی سے لے کر ۷۵ فیصدی تک سود دیکھا اور سنا گیا ہے لیکن کسی دور میں سو روپیہ پر دو تین سو روپیہ نہیں سنا گیا اور قرآن حکیم اتنی

---

[1] سورہ آل عمران: ۱۳۰

شدت سے منع کر رہا ہے کہ (العیاذ باللہ)۔

''یہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان جنگ ہے'' یہ جہنم کا مستوجب ہے یہ تقویٰ کے خلاف ہے یہ نحوست کی علامت ہے اسے ترک کر دو اسے وصول نہ کرو وغیرہ اور نتیجہ میں جب پوچھا گیا کہ یہ شدت کس کام کے لئے ہے؟ تو معلوم ہوا کہ اس کام کا سارے سماج میں کہیں وجود نہیں ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ آیت کا لہجہ بھی یہی ہے کہ ایسا کام سماج میں جاری ہے۔ حالانکہ دو تین سو فیصدی سود کا رواج نہ عرب سماج کے کسی دور میں رہا ہے اور نہ آج ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی ممانعت کا تعلق ان ظاہری معانی سے نہیں ہے جن کا تحت اللفظی استخراج کر کے اہل غرض فریب دینا چاہتے ہیں بلکہ آیت میں دیگر آیات کی طرح سود کے انجام کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

فرق صرف یہ ہے کہ دیگر مقامات پر سود کے مذہبی انجام کو بتایا گیا ہے اور یہاں سود کے دنیاوی انجام سے بھی باخبر کیا گیا ہے کہ آج جسے چند فیصدی سمجھا جا رہا ہے کل یہی دگنا چوگنا بن جائے گا اور دھیرے دھیرے اس کی مقدار اس قدر بڑھ جائے گی کہ اصل مال کم نظر آئے گا اور سود کی مقدار زیادہ۔

یہی وہ نقطۂ امتیاز ہے جس سے تجارت اور سود کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں تجارت کا فائدہ وقتی ہوتا ہے اس کا لینے والا بھی اس کی زیادہ مقدار میں شرم محسوس کرتا ہے اور دینے والا بھی اس کی زیادتی کا اندازہ کر لیتا ہے لیکن سود کا فائدہ تدریجی ہوتا ہے اس لئے نہ لینے والے کو صحیح اندازہ ہوتا ہے اور نہ دینے والا ہی محسوس کر پاتا ہے کہ کتنی مقدار میں ادا کر رہا ہے اور نتیجہ میں کتنی مقدار ادا کرنا پڑے گی۔

حقیقت امر یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے اس ارشاد میں سود کے انجام کی طرف توجہ دلائی ہے اور بلاواسطہ طور پر اسی اعتراض کی بھی نفی کر دی ہے جو مخالفین نے حکم حرمت پر وارد کیا تھا اور تجارت میں دونوں کو مال دینا پڑتا ہے اور عام طور سے دونوں غرض مند ہوتے ہیں اس لئے زیادہ فائدہ کا امکان نہیں ہے اور سود میں ایک بے نیاز ہوتا ہے اور ایک غرض مند۔ اس

لئے بدنفسی کے امکانات زیادہ پائے جاتے ہیں۔

دوسری طرف تجارت کا فائدہ محسوس ہوتا ہے اور سود کا غیر محسوس۔ اسلام اپنے قوانین میں انہیں نازک مسائل کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے جن کی طرف عام طور سے ذہن متوجہ نہیں ہوتے۔

حرمت سود کی نوعیت

سود کی حرمت کے آیات پر نظر کرنے کے بعد ایک نظر ان ارشادات پر بھی ڈالنا پڑے گی جن میں سود خواری کے انجام اور سود سے حاصل ہوئی رقم کے نتیجے سے باخبر کیا گیا ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

خدا سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور خدا کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر خدا کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔

اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔ اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے درد دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾

اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو خدا کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اُس سے خدا کی رضامندی طلب کرتے ہو تو (وہ موجبِ برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دو چند سہ چند کرنے والے ہیں۔

مذکورہ آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پروردگار کی نظر میں مال سود انتہائی ذلیل برباد ہونے والا اور طیبات کی حرمت کا باعث یعنی منحوس ہے اس کا شمار راہ خدا سے روکنے اور حرام خوری کے ذیل میں ہوتا ہے بلکہ تتمہ میں اسے ایک قسم کا کفر شمار کیا گیا ہے۔

کفر کا ضمیمہ اور کافرین کے انجام کی طرف اشارہ اس امر کی تائید ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت ایک اخلاقی حیثیت کی حامل ہے۔ اس کی بنیاد صرف معاشیاتی نہیں ہے اس کے پیش نظر وہ اہم اخلاقی مفاسد بھی ہیں جو سود دینے اور لینے سے پیدا ہوتے ہیں اور جن سے نفس انسانی خباثت کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جو سرحد کفر سے قریب تر ہے۔

ان آیات کا معاشیات پر انطباق ممکن ضرور ہے لیکن اس سے حکم کی اہمیت بڑھنے کے بجائے گھٹ جاتی ہے، بعض معاصرین نے زور بیان صرف کر کے اس کی حرمت کو معاشی بنانا ہے اور سود کے آخری معاشی انجام کی طرف توجہ دلائی ہے لیکن واضح سی بات ہے کہ ایسی تشریحات بلاسبب زبان اعتراض کو وا کر دیتی ہیں۔ اور ہر آدمی اپنا ذاتی اجتہاد شروع کر دیتا ہے۔

اسلام نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس کے اخروی انجام اور اخلاقی فساد کی طرف متوجہ کیا ہے اور اس منزل پر کوئی بھی ایسا انسان اعتراض نہیں کر سکتا جو اختلاقیات سے اتفاق رکھتا ہو یا اسلام کے نظام اخلاق سے باخبر ہو۔

آخری آیت کے بارے میں ایک احتمال یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس کا تعلق باہمی تعلقات سے ہے اور اصلاً سود سے مربوط نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت مکی ہے اور سود کا حکم مدینہ میں نازل ہوا ہے لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں ہے اس لئے کہ اولاً تو روم کے مکی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی تمام آیات مکی ہوں اور ثانیاً لفظ، ربا، عام طور سے ان تعلقات کے لئے استعمال نہیں ہوتا ہے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تعلقات ہی مراد ہوتے تو صاف صاف کہا جاتا کہ جو مال تم لوگ باہمی تعلقات کی بنا پر دیتے ہو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ اللہ کے لئے دیتے ہو اسے خدا بڑھا دیتا ہے مال کے بجائے ''ربا'' کا لفظ نہ ہوتا۔ یہ لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس سے ایک خاص مفہوم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دھیرے دھیرے سماج کو سود کے نتائج سے باخبر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ جن آیات سے سود کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے ان کا لہجہ خود ہی وضاحت کر رہا ہے کہ حکم اس کے پہلے سنایا جا چکا ہے اور اب قوم کے عمل نہ کرنے کی بنا پر تاکید کی جا رہی ہے اور عمل کی دعوت مقرر دی جا رہی ہے جیسا کہ آیت نمبر ۱، ۲ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

آیات کریمہ کے بعد احادیث سے استدلال کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی لیکن بعض اہم نکات کے پیش نظر چند احادیث کا نقل کر دینا مناسب ہے۔

احادیث ربا

۱۔ليس الربا الا فيما يكال او يوزن ودرهم اربا اعظم من سبعين زنيه كلها بذات محرم

۲۔عن النبی ان الله عزوجل لعن اكل الربا وموكله وكابه۔

۳۔ يمحق الربا ويربی الصدقات قال قيل الصادقؑ قد نرى الرجل يربی ويكثر ماله فقال يمحق الله دينه

وان کان مالہ یکثر۔ (تفسیر قمی)

۴۔قدروی عن العالم انہ قال انما حرم اللہ الربا مئلا یتمانع الناس المعروف۔

۵۔سیر برسول اللہ فرای نہرا احمر مثل الدم واذا فی النہر رجل سابع یسج واذا علی شاطئی النہر رجل عنہ حجارۃ کثیرہ واذا ذالک۔السابع یسج مایسج ثم یاتی عند ذالک الرجل لیغفرلہ فاہ فیلقہ حجرا تنیطلق ثم یرجع الیہ وکلمارجع الیہ فغرلہ فاہ فالقمہ۔ حجرا فسئل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیل انہ اکل الربا۔

۱۔سودصرف ناپ تول والی چیزوں میں ہوتا ہے سود کا ایک درہم ستر زنا سے بدتر ہے جن میں سب کے سب محرم عورتوں کے ساتھ ہوں۔

۲۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا سود کھانے والے، کھلانے والے کاتب اور گواہ سب پر لعنت کرتا ہے

۳۔امام صادق سے آیت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اکثر آدمی کا مال سود سے بڑھ جاتا ہے اور قرآن مجید نے مال سود کی تباہی کا اعلان کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ مال بڑھتا ہے لیکن دین مٹ جاتا ہے۔

۴۔امام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سود کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ باہمی خیر کو نہ روک سکیں۔

۵۔مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے تو آپ نے خون جیسی ایک سرخ نہر دیکھی، نہر میں ایک شخص تیر رہا تھا اور

کنارے پر ایک شخص پتھر لئے کھڑا تھا جب بھی وہ شخص کنارے
پر آ کر منہ کھولتا تھا تو اس کے منہ میں ایک پتھر مار دیتا تھا اس واقعہ کو
مسلسل دیکھ کر آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا قصہ ہے؟

جواب قدرت ملا یہ سود خوار ہے۔

مذکورہ روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے سود کو حرام کرتے وقت انسانی نفس کی اصلاح اور اس کے خیالات کی پاکیزگی کو پیش نظر رکھا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ مرد مسلم کے دل و دماغ سے دو قسم کے جذبات کا قلع قمع ہو جائے ایک مفت خوری اور دوسرے خود غرضی

سود انہیں دونوں جذبات کا بہترین مظہر ہے۔ سود خوار ایک طرف تو محنت کئے بغیر رقم وصول کرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف اس قدر خود غرض اور مفاد پرست ہے کہ اسے اپنے سود سے غرض ہوتی ہے ضرورت مند کی ضرورت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

مسئلہ کے تفصیلات آئندہ منزل میں پیش کئے جائیں گے۔ اس مقام پر اخلاقی جنبہ پر صرف اس لئے زور دیا گیا ہے کہ جو شخص اسلام کے نظام اخلاق سے اتفاق کرنا چاہے یا اس دنیا میں اخلاقی زندگی گزارنا چاہے اس کا فرض ہے کہ سود کو ترک کرے اور سود کو ترک کرنے کا لازمی نتیجہ دولت کی کمی کی شکل میں ظاہر ہوگا جو ایک طرف نفس کی اصلاح کرے گا تو دوسری طرف خدا اور آخرت پر اعتماد پیدا کرائے گا۔

حب دولت اور خواہش مال انسان کے ذہن سے آخرت کا خیال نکال دیتی ہے اور اسی کو قرآن حکیم نے کفر اور عذاب الیم وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔

زیر نظر کتاب کے غیر سودی فارمولے میں یہ بات پہلے سے فرض کر لی گئی ہے کہ اسلام ایک نظام اخلاقیات ہے۔ وہ نفس انسانی کو طیب و طاہر بنانے کے لئے آیا ہے اس نے سود کو اسی جذبہ کے تحت حرام قرار دیا ہے کہ اگر اس راہ میں تھوڑا بہت نقصان بھی ہو جائے تو اخلاق پرست اور سماج پرور دنیا کو یہ قربانی برداشت کرنا پڑے۔

مفاد پرست سے قربانی کا مطالبہ غلط ہے لیکن حیات بعد الموت پر ایمان لانے والے سے یہ مطالبہ سو فیصد صحیح ہے اس کے نقصان کی تلافی کا ایک محل موجود ہے جہاں سود در سود کے طور پر اجر آخرت مل سکتا ہے۔

غیر سودی بینک کے فارمولے پر نظر کرتے ہوئے اس نکتہ کو پیش نظر رکھنا پڑے گا اگر چہ اس بینک میں دنیا کے دوسرے بینکوں کے مقابلے میں کچھ نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر اخلاقی اقدار کا پروان چڑھنا مشکل ہے اور ایک اجتماع پرست آخرت نظر سماج کا وجود میں لانا تقریباً ناممکن ہے۔

آیات واحادیث بالا پر نظر کرنے سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں سود کی کوئی خصوصیت بیان نہیں ہوئی بلکہ حکم مطلق رکھا گیا ہے اور سود کو اکل بالباطل کے ساتھ ملا کر مفت خوری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ تجارت میں زیادتی ہو یا قرض میں مہاجنی سود ہو یا تجارتی سود کسی قسم کو الگ نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ سود اور تجارت میں ایک بنیادی فرق ہے تجارت ایک معاوضہ کا نام ہے اور سود بلا معاوضہ (بالباطل) رقم کمانے کا نام ہے دونوں کا ایک منزل پر اجتماع ناممکن ہے جہاں بھی تجارت ہوگی سود نہ ہوگا اور جہاں بھی سود ہوگا تجارت نہ ہوگی۔ حد یہ ہے کہ تجارت میں بھی اگر سود کا انداز پیدا ہو جائے تو وہ حرام ہے۔

ایک کلو گندم دے کر دس روپیہ وصول کرنا معاوضہ ہے لیکن ایک کلو گندم دے کر دو کلو گندم وصول کرنا معاوضہ نہیں ہے پہلی صورت میں ایک شئے بائع کے پاس تھی اور ایک خریدار کے پاس۔ دونوں نے اپنے اپنے مال کا معاوضہ کر لیا صاحب گندم کی پیسے کی ضرورت پوری ہوگئی اور صاحب رقم کی گندم کی ضرورت کا علاج ہو گیا لیکن دوسری صورت میں ایسا کچھ نہیں ہے دونوں کے پاس گندم موجود ہے اور دونوں اپنی اپنی ضرورت کا علاج کر سکتے ہیں۔ اب ایک کلو مزید گندم کے مقابلہ میں کوئی مال ہے اور نہ کوئی بنیادی حاجت جس کے لئے اضافہ دیا جا سکے یہ اضافہ صرف مفت خوری اور قساوت قلب ہے جسے اسلام برداشت نہیں

کر سکتا اس لئے کہ اس نے بیع کو ربا سے الگ کر کے ایک کو حلال قرار دیا ہے اور ایک کو حرام۔

قرض میں سود کے حرام ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ معاوضہ میں ایک مال جاتا ہے اور ایک آتا ہے اور یہاں اضافہ کے عوض میں کوئی شے نہیں ہے صرف مدت ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ مدت کی قدر و قیمت ذاتی ہے معاشی نہیں ہے اور معاوضہ معاشیات کا مسئلہ ہے اس کا ذاتی قدر و قیمت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

چوتھی منزل

سوداور عقل

عقلی نقطۂ نظر سے سود کی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے ان دلائل پر بھی نظر کرنا پڑے گی جو سود کے پرستاروں نے اس کے جواز کے سلسلے میں فراہم کئے ہیں اور جن کی روشنی میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ سود معاشی زندگی کی ایک اہم ضرورت اور سماجی ارتقا کا بہترین وسیلہ ہے۔ یہ دلائل شمار کرنے کے لئے تو بہت سے ہوں گے لیکن ان کی روح صرف دولفظوں میں ہے۔

ا۔سود نقد رقم یا مال کا کرایہ ہے انسان کو جس طرح یہ اختیار حاصل ہے کہ ایک مکان کسی کو کرایہ پر دے کر اس سے کرایہ بھی وصول کرتا رہے اور آخر میں مکان بھی واپس لے لے اسی طرح یہ اختیار بھی ہے کہ ایک من گیہوں دے کر سال بھر تک اس کا کرایہ جوڑتا رہے اور آخر میں اصل مال کے ساتھ دونوں وصول کرلے۔ایک کرایہ کا جائز ہونا اور دوسرے کا حرام ہوجانا ایک غیر عاقلانہ اقدام ہے جسے کوئی صاحب عقل برداشت نہیں کرسکتا۔

اس دلیل کا تجزیہ کرنے کے لئے کرائے کے اصولوں پر غور کرنا پڑے گا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ تجارت اور کرایہ میں کیا فرق ہے اور دونوں کے معیار کیا ہیں؟ تفصیلی مباحث کا محل نہیں ہے لیکن مختصر یہ کہ مادی اموال کی دوقسمیں ہیں۔ا۔عین مال ۲۔منفعت مال ہر اس شے کا نام ہے جس کی طرف میلان قلب ہو اب اگر اس کا کوئی واقعی وجود ہے تو اسے

منفعت کہا جائے گا جیسے صلاحیت سکونت کہ اس کا کوئی اپنا وجود نہیں ہے لیکن انسان اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ عین مال سے استفادہ اس کے کم ہوجانے پر موقوف ہے اور منفعت کے استفادہ میں مال کے کم ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے بلکہ استفادہ بہرحال جاری رہے گا۔

منفعت کا وجود بھی از خود نہیں ہوجایا کرتا بلکہ انسان ایڑی چوٹی کا زور ایک کر کے مکان تعمیر کرتا ہے تب صلاحیت سکونت پیدا ہوتی ہے مکان کے ایجاد کئے بغیر اس صلاحیت کے پیدا ہوجانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

تجارت اور اجارہ کا فرق یہی ہے کہ تجارت میں عین مال بکتا ہے اور اجارہ میں منفعت کرایہ پر دی جاتی ہے۔ اب اگر کسی مال میں عین بھی نہیں صرف ہوتا اور منفعت بھی ہاتھ نہیں آتی تو اس کا معاوضہ عقلاً درست نہیں ہے کہ نہ وہ تجارت ہے اور نہ اجارہ۔

سودی اموال کی بعینہ یہی نوعیت ہے کہ ان اموال سے نہ عینی اعتبار سے کوئی استفادہ ہوتا ہے اور نہ ان کی کوئی منفعت ہوتی ہے کہ اسے کرایہ پر اٹھادیا جائے۔

عینی استفادہ کا سوال اس لئے نہیں ہے کہ مدت کے خاتمہ پر اصل مال کا حق محفوظ رہتا ہے اور منفعت اس لئے نہیں ہے کہ پیسہ کو خرچ کئے بغیر اس سے کوئی استفادہ نہیں ہوسکتا۔

نقد رقم کا مکان وغیرہ کے کرایہ پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے۔ مکان میں اصل کے باقی رہتے ہوئے بھی ایک منفعت پائی جاتی ہے اور رقم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے اس کی منفعت ہی اس کا ختم ہوجانا ہے۔

ہاں، اگر کسی آدمی نے رقم خرچ کرنے کے لئے نہیں بلکہ مکان سجانے کے لئے لی ہے۔ تو اس کے کرایہ کا احتمال پیدا ہوسکتا ہے اس لئے کہ اب یہ رقم رقم نہیں ہے بلکہ سامان آرائش ہے اور سامان آرائش کا کرایہ پر دینا قطعاً صحیح ہے اور اس کی منفعت ہی اس کی آرائش کی صلاحیت ہے جس سے کرایہ دار استفادہ کررہا ہے۔

۲۔سود کے جواز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سود کے ذریعے قوم کے معطل اموال باہر نکل آتے ہیں اور انہیں تجارت کی راہ پر لگا دیا جاتا ہے۔تجارت کرنے والا ان سے بیشمار فوائد حاصل کرتا ہے اور یہ سب صاحب مال کے مال کا کرشمہ ہے کہ مال نہ ہوتا تو یہ منافع بھی نہ ہوتا اور جب تجارت کرنے والے نے صاحب مال کے مال ہی سے اس قدر کمایا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اسے بھی ایک حصہ دے۔اس حصہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس طرح آئندہ کے لئے حوصلہ افزائی ہوگی اور قومی ارتقا اور معاشی خوشحالی کے راستے ہموار ہوتے چلے جائیں گے۔

یہ دلیل اپنے مقام پر نہایت درجہ حسین اور خوبصورت ہے لیکن اس کا اصل مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اس میں یہ نہیں واضح کیا گیا کہ تجارت کے فروغ کے لئے سود لازم ہے یا سود ہی معاشی ارتقا کا سبب ہے۔یہ تو سیدھے سیدھے ایک سماج کی ترجمانی کی گئی ہے کہ اس میں معطل اموال سود ہی کے ذریعے باہر آتے ہیں کہ اگر ایک ایسا اسلامی سماج فرض کر لیا جائے جہاں سود حرام اور اس کا لین دین ممنوع ہو تو یہی سب کام بغیر سود کے انجام پائیں گے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس دلیل میں تجارت کے نفع کے ایک حصہ کا جواز پیش کیا گیا ہے جس کا سود سے کوئی تعلق نہیں ہے سود اس رقم کا نام ہے جو اپنے وقت پر وصول کر لی جائے چاہے تجارت ہو یا نہ ہو۔مال ترقی کرے یا ڈوب جائے اور اس دلیل میں تجارت کے بعد کے فائدہ کو فرض کیا گیا ہے جو ہماری مضاربہ کی تھیوری کی بنیاد ہے اس پر یہاں کوئی بحث نہیں کی جاسکتی۔

سود اور فلسفہ

فلسفی دنیا میں اس کائنات کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔

مادی تفسیر جس میں پوری کائنات صرف ایک مادہ فرض کی گئی ہے وہ ایک شعلہ ہے جو ایک دن بھڑک اٹھا تھا اور ایک دن خود بخود بجھ جائے گا۔اس کے پیچھے نہ کوئی محرک ہے نہ سبب، نہ مدبر ہے نہ متصرف۔

اور معنوی تفسیر جس میں مادہ کے ماسوابھی اشیا کا وجود ہے اور مادہ کی تحریک کا کام ایک غیر مادی ہستی انجام دے رہی ہے۔

یعنی درون پردہ صدرنگ کائنات

اک کارساز ذہن ہے اک باشعور ذات

یہ تفسیریں انسان کی فکر اوراس کے نصب العین پر بے حد اثر انداز ہوتی ہیں کہ عالم کو مادہ کا نتیجہ سمجھنے والا اسی مادہ کے لئے جیتا ہے اوراسی کے لئے مرجاتا ہے

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ

اور معنویت کا قائل اس حیات کو کسی کے اشارہ کرم کا نتیجہ سمجھتا ہے اور یہاں کی موت کو ایک نئی زندگی کا پیش خیمہ تسلیم کرتا ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴿۱۵۶﴾

کھلی ہوئی بات ہے کہ جس کا مبدو منتہی یہی زندگی ہوگا۔اس کے تصورات تمام تر مادی ہوں گے اوراس کے ہر عمل کا محرک مادہ ہوگا وہ کسی عمل سے اس وقت تک نہیں رکے گا جب تک مادی نقصان پیش نظر نہ ہو۔

اور جس کا مبداو منتہی زندگی کے بجائے خالق زندگی ہوگا وہ اپنا ہر قدم ایک ایسے امانتدار کی طرح اٹھائے گا جس کے کاندھوں پر حیات کا پورا بوجھ لدا ہوا ہو اور وہ اسے منزل تک پہنچا کر اپنے بار سے سبکدوش ہونا چاہتا ہو۔وہ ہر قدم پر ایک مسئولیت کا احساس کرے گا اور ہر اقدام وسکوت میں مالک کی مرضی کو تلاش کرے گا۔

مادی فلسفہ کا قائل حیات کو فانی سمجھنے کی بنا پر لذت وآرام کو اسی دنیا میں حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسے ہر آن یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگی ختم ہو جائے اور حصول لذت وآسائش میں کوئی کسر باقی رہ جائے اور روحانی اقدار وافکار پر ایمان رکھنے والا ہر لحظہ مطمئن رہتا ہے کہ اگر موت بھی آ گئی تو کوئی نقصان نہ ہوگا بعد الموت حیات میں

ساری نعمتیں میسر آجائیں گی اور عیش و عشرت کی وسیع تر زندگی فراہم ہوجائے گی۔

سودخواری جس مادہ پرستی کا نتیجہ ہے اور سودخوار کے ذہن میں جس جمع مال کی ہوس ہوتی ہے وہ جس خودغرضی سے کام لیتا ہے اور جس انداز سے ضرورت مند کی ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے ان میں سے کوئی بات بھی روحانی فلسفہ سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ یہ سراسر ایک مادیت ہے جسے کسی باسواد فلسفی نے قبول نہیں کیا ہے اور صاحبان دانش نے ہمیشہ عالم کے روحانی تصور پر زور دیا ہے۔اسلام نے بھی اسی فلسفہ کو اپنایا ہے اور اسی لئے اس نے سودکو کفر جیسی برائی سے یاد کیا ہے۔اس کی نظر میں سودخوار اسلام کے بنیادی فلسفہ کا مخالف ہے اور بنیادوں کا مخالف باغی کہا جاتا ہے،ہمنوانہیں کا جاتا۔

سوداورسماج

یہ واضح ہوجانے کے بعد کہ سودخواری عالم کے مادی مفہوم پر ایمان رکھنے کا نتیجہ ہے اور ہوس زر روحانیت سے دوری کا قہری اثر ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مادیت پر ایمان رکھنے والا ان تمام روحانی اقدار سے عاری ہوگا جن پر عالم اخلاق وتہذیب نفس کا سنگ بنیاد رکھا گیا ہے وہ خودغرض بھی ہوگا اور مفاد پرست بھی۔اس کے ذہن میں دوسروں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا بھی ہوگا اور اپنی دولت کا بے اتھاہ اضافہ بھی۔اور یہ وہ باتیں ہیں جو اچھے سماج کو جنم نہیں دے سکتیں۔صالح سماج اور اچھا معاشرہ اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب خود سماج کا ڈھانچہ فطرت کا ترجمان ہو۔جہاں ہر شخص دوسرے کی مجبوری کا احساس کر کے اس کے ضروریات کو پورا کرنے کی فکر کرے اور اپنے ضروریات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے کام آئے۔ایثار کا جذبہ حکمران ہواور تواضع وانکسار کا احساس غالب۔

سوداورمعاشیات

دور حاضر میں یہ بات معاشیات کے ابتدائی مسائل میں داخل ہو چکی ہے کہ کسی شے کی قدر و قیمت کی دو قسمیں ہیں ذاتی قیمت اور قیمت مبادلہ۔

ذاتی قیمت سے مراد وہ منافع وفوائد ہیں جو ہر شے میں ذاتی طور سے پائے جاتے ہیں لیکن انہیں تبادلہ کا معیار نہیں بنایا جاسکتا اور قیمت مبادلہ وہ خصوصیت ہے جسے بنیاد بنا کر اشیا کا تبادلہ عمل میں لایا جاتا ہے۔

اس کے بعد یہ بات بھی تقریباً مسلمات میں شامل ہے کہ قیمت مبادلہ بنانے پر محنت صرف ہوتی ہے۔ پہاڑوں کی تہ میں چھپے ہوئے جواہرات ذاتی قیمت کے حامل ہیں لیکن تبادلہ کی قیمت اسی وقت پیدا ہوگی جب انسانی محنت انہیں پہاڑوں کی تہوں سے نکال کر میدانوں میں لے آئے گی۔

دریاؤں کی گہرائیوں میں رہنے والے موتیوں کی ذاتی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کا تبادلہ انسانی کاوش کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ دنیا کی ہر شے میں قیمت مبادلہ انسانی کاوش وکاہش ہی سے پیدا ہوتی ہے اور آگے بڑھ کر یہی قیمت مبادلہ ملکیت کا معیار بن جاتی ہے۔ جس نے قدر و قیمت مبادلہ ایجاد کی ہے وہ اسی قدر مال کا مالک ہوگا اور جو اس میدان سے جس قدر دور رہے گا اسے ملکیت سے اتنا ہی بیگانہ سمجھا جائے گا۔

اشتراکیت کی نظر میں مالک اور مزدور کا سارا جھگڑا اسی ایک بنیاد پر قائم ہے کہ مالک مزدور کی محنت سے ایجاد ہونے والی قیمت اس کے حوالے نہیں کرتا اور مزدور اپنی پیدا کردہ قیمت کا مالک بننا چاہتا ہے۔

حق کس کے ساتھ ہے اور باطل پر کون ہے؟ یہ فیصلہ اس جگہ کے لئے نہیں ہے کہ یہاں تو صرف یہ ذکر کرنا ہے کہ معاشی اعتبار سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ محنت کے بغیر کسی ملکیت کا تصور نہیں ہے لیکن اسلام کا دائرہ ملکیت اس سے وسیع تر ہے اس نے عمل کی اہمیت سے کسی محل پر انکار نہیں کیا اور عمل اور محنت سے پہلو تہی کرنیوالوں کو ملعون قرار دیا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھلا ہوا اعلان ہے کہ قوم کی گردن پر بوجھ بن جانے والا مذہب کی نظر میں ملعون و مردود ہے لیکن اس کے باوجود ملکیت کو محنت کے ساتھ محدود نہیں کیا۔

اس کے اور اشتراکیت کے بنیادی امتیازات یہی ہیں کہ اشتراکیت محنت کے

بغیر کسی قیمت مبادلہ کی قائل نہیں ہے اور اسلام میں قیمت کا معیار محنت یا اس کی مقدار نہیں ہے۔ وہ مال کی مالیت کا معیار میلان نفس کو قرار دیتا ہے اور اس کا یہ فلسفہ ہے کہ جس شے کی طرف جتنا نفس کا میلان اور رجحان ہوگا وہ شے اسی مقدار میں قیمتی ہوگی اور جو شے جس قدر غیر مرغوب ہوگی وہ اتنی ہی بے ارزش اور غیر وقیع ہوگی۔

ملکیت کے بارے میں بھی اسلام کا نقطہ نظر اشتراکیت سے الگ ہے۔ اشتراکیت قیمت ہی کو ملکیت کی بنیاد قرار دیتی ہے اور اسلام کا دائرہ ملکیت اس سے وسیع تر ہے تاہم یہ مسلم ہے کہ وہ ''اکل مال بالباطل'' کو جائز نہیں سمجھتا اور اس کی نظر میں ملکیت تو بڑی چیز ہے باطل طریقہ پر کسی مال کا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

باطل کی تفسیر کا دائرہ بھی معاشیات کے حدود سے باہر ہو جائے گا اس لئے یہاں اس کا تذکرہ مناسب نہیں ہے۔ صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ باطل طریقہ پر مال کے استعمال کرنے کی سب سے نمایاں فرد ہے بل ''امعاوضہ استعمال''۔

اور اسلام کی نظر میں کوئی شے اس وقت تک دائرہ ملکیت میں نہیں آ سکتی جب تک اس کا معاوضہ نہ ادا کر دیا جائے چاہے محنت کی شکل میں ہو یا منفعت کی صورت میں۔ عین مال ہو یا مافی الذمہ ہو۔

معاوضہ کے بغیر معاشی حلیت کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔

اس تفسیر کی روشنی میں یہ کہنا آسان ہے کہ سود کسی بھی ایسے نظام میں جائز نہیں قرار پا سکتا جو عمل کی اہمیت اور محنت کی قدر و قیمت کا قائل ہو۔ سود ایک ایسی رقم کا نام ہے جس کے معاوضہ میں کوئی شے نہیں ہوتی نہ منفعت اور نہ محنت۔

سود خود صرف مدت کی قیمت وصول کرتا ہے جسے ''اقتصادی علوم'' نے ذاتی قدر و قیمت کا حامل تو تسلیم کیا ہے لیکن تبادلی قیمت کے قابل نہیں قرار دیا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

پانچویں منزل

ختم سفر

گزشتہ صفحات میں سود کے دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ سود سے ملتی جلتی ایک شے اور ہے جو بظاہر سود جیسی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے اس سے بالکل مختلف ہے اور اس کا نام ہے ''مضاربہ'' ۔

مضاربہ کے معنی ہیں کسی شخص کے مال سے کاروبار کرنا اور حاصل ہونے والے فائدہ کو فیصدی شرح کے اعتبار سے تقسیم کر لینا۔

بادی النظر میں یہ سوچا جاتا ہے کہ یہاں بھی کام کرنے والے کا حصہ اس کی محنت کا نتیجہ ہے لیکن صاحب مال کے حصہ کو مال کے کرایہ کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔

''سود'' اثرات ونتائج سے بے نیاز ہو کر رقم کو کرایہ پر اٹھا دینے کا نام ہے اور ''مضاربہ'' میں صاحب مال اثرات ونتائج سے بے نیاز نہیں ہوتا بلکہ اسے اصل کاروبار کا جائزہ لینا ہوتا ہے اور اس کی نوعیت، مدت، حیثیت، خصوصیت وغیرہ طے کرنا ہوتی ہے اس کے بعد مال دیا جاتا ہے۔

سود میں سود پر قرض لینے والا مال کا مالک ہو جاتا ہے لیکن مضاربہ میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ یہاں مال اپنے مالک کی ملکیت پر باقی رہتا ہے اور عامل (ایجنٹ) صرف

وکالت کے طور پر عمل انجام دیتا ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ کاروبار سے الگ ہوکر دولت کمانا اور ہے اور کاروبار میں وکیل مقرر کر کے منفعت حاصل کرنا اور ہے۔

اثرات ونتائج کے اعتبار سے بھی سود اور مضاربہ بالکل مختلف ہیں۔ سود میں شرح منفعت محدود ورقم کی شکل میں ہوتی ہے۔ ہونے والے فائدے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن مضاربہ میں رقم نہیں طے کی جاسکتی وہاں فیصدی شرح طے کی جاتی ہے تا کہ حصہ کا فیصلہ کاروبار کے خاتمہ پر کیا جائے کہ کس شخص کے حصے میں کس قدر رقم آتی ہے۔

اسلام کے مضاربہ کو سودی نظام کے بدل کے طور پر رائج کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ نہ اموال معطل رہنے پائیں اور نہ مفت خوری کو رواج حاصل ہونے پائے۔ درمیانی شکل یہی ہے کہ صاحب مال مال صرف کرے اور صاحب ہمت اپنی محنت وطاقت صرف کرے اور نتیجہ میں حاصل ہونے والے فائدہ کو دونوں پر حسب قرار داد فیصدی کے اعتبار سے تقسیم کر دیا جائے۔

اسلام کی نظر میں طریقہ اکتساب اس قدر محبوب ہے کہ اس کے پہلے مبلغ سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسب معاش کے میدان میں سب سے پہلے اسی طریقہ کار کو منتخب فرمایا تھا اور حضرت خدیجتہ الکبریٰ کی دولت سے تجارت ہی فرمائی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کی برکت سے یہ طریقہ کار اسلام کو اس قدر راس آیا کہ امت کو لاکھوں کا سرمایہ بیک وقت مل گیا اور دولتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام کے رواج میں بڑے حصہ کی مالک ہوگئی۔

سود پر رقم اٹھانے والے اور مضاربہ میں مال دینے والے افراد میں دو امتیازات اور بھی ہیں:

پہلا امتیاز یہ ہے کہ سودی کاروبار کرنے والا قرض لینے والے کے اقدامات سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور اسے صرف اپنی رقم سے واسطہ رہتا ہے۔ لینے والے کو فائدہ ہو یا

نقصان، دولت جائز کام میں لگائی جائے یا ناجائز کام میں۔

لیکن مضاربہ میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ یہاں صاحب مال کو فائدہ ونقصان کا لحاظ بھی کرنا پڑتا ہے اور عمل کی نوعیت کا جائزہ بھی لینا پڑتا ہے۔

دوسرا امتیاز یہ ہے کہ سودخوار دوران مدت نگرانی سے بے نیاز رہتا ہے اور اس کی زندگی ایک ''کاہل مطمئن'' کی زندگی ہوتی ہے لیکن مضاربہ میں یہ انداز نہیں ہے۔ یہاں دوران مدت بھی نگرانی کرنا پڑتی ہے جسے بینک کے کام میں خود بینک انجام دیتا ہے اور اس کی اجرت کے طور پر خود بھی حصہ دار بن جاتا ہے۔

بینک کے اعتبار سے بھی سودی اور غیر سودی بینک کا بنیادی فرق ہے کہ سودی بینکوں میں بینک ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور اس کے نتیجہ میں صاحب مال اس کا غرض مند ہوتا ہے کہ اس سے منفعت حاصل ہوگی اور تاجر اس کا فرمانبردار ہوتا ہے کہ اسی کے قرض سے تجارت کرلے۔

لیکن غیر سودی بینک کی نوعیت اس سے بالکل مختلف ہے یہاں بینک کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔ وہ صرف ایک واسطہ اور وکیل کی طرح کام کرتا ہے اور نتیجہ میں صاحب مال اس کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ وہ خود صاحب مال کا محتاج ہوتا ہے کہ اس سے مال ملے تو وکالت کے فرائض انجام دے کر کچھ فائدہ حاصل کرسکے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

اصطلاحات

کھلی ہوئی بات ہے کہ جب بینک کی ایک ایسی تھیوری پیش کی جائے گی جس کا وجود صفحہ ارض پر نہیں ہے تو اس کے ذیل میں ایسے الفاظ کا استعمال بھی ناگزیر ہے جن کا کوئی ذکر بینک کی کتابوں میں نہیں ہے۔ ذیل میں انہیں شرعی اصطلاحات کی تشریح کی جا رہی ہے جن کا آج کی دنیا میں رواج نہیں ہے اور انہیں دریافت کئے بغیر غیر سودی بینک کی تھیوری کا سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

ثابت امانت: وہ اموال جنہیں فکسڈ ڈیپازٹ کے طور پر جمع کیا جاتا ہے۔

متحرک امانت: وہ اموال جو زیر طلب رہا کرتے ہیں اور انہیں ''چالو کھاتہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے

عقد: وہ معاملہ جس میں دو آدمیوں کا اختیار کام کرتا ہے۔ جیسے تجارت نکاح وغیرہ کہ ایک آدمی تاجر و خریدار اور ناکح و منکوح نہیں ہوسکتا اور نہ یہ کام ایک ہی آدمی سے انجام پا سکتا ہے۔

عقد کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔عقد لازم۔ ۲۔عقد جائز

عقد لازم: وہ عقد جس کا فسخ کرنا مخصوص اسباب کے بغیر ممکن نہیں ہے جیسے نکاح تجارت وغیرہ۔

عقد جائز: وہ عقد جسے بغیر کسی مخصوص سبب کے بھی فسخ کیا جا سکتا ہے جیسے وکالت کہ وکیل کو معاملہ تمام ہونے کے بعد بھی معزول کر سکتے ہیں۔

ایقاع:۔ وہ معاملہ جو صرف ایک آدمی کے اختیار سے انجام پاتا ہے جیسے طلاق کہ اس میں زوجہ کی مرضی کی شرط نہیں ہے۔

شرط عام:۔ وہ شرط جو انسان تمام معاملات سے الگ ہو کر طے کرلیا کرتا ہے ہر شرط پر عمل کرنا شرعاً لازم نہیں ہے۔

شرط ضمن عقد:۔ وہ شرط جو کسی لازم عقد کے ذیل میں طے کی جاتی ہے جیسے رومال بیچنے والا خریدار سے یہ شرط کرے کہ اس رومال کو ایک روپیہ میں اس شرط سے فروخت کر رہا ہوں کہ ایک خط بھی لکھ دیا جائے اس شرط پر عمل کرنا اس وقت تک ضروری رہے گا جب تک عقد لازم کا سلسلہ باقی ہے۔

شرط فعل:۔ ایسی چیز کی شرط کرنا جسے صاحب شرط اپنے اختیار سے انجام دے جیسے کپڑا سینے کی شرط۔

شرط نتیجہ:۔ ایسی چیز کی شرط کرنا جو خود بخود شرط کرنے والے کی طرف منتقل ہو جائے جیسے کہ کپڑا سل جانے کی شرط۔

حوالہ:۔ مقروض کا اپنے قرض کو دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دینا۔ اس حوالے کی دو قسمیں ہیں۔

حوالہ برمقروض:۔ اس کا مطلب ہے کہ مقروض اپنے قرض خواہ کو جس کے حوالہ کرے وہ خود اس مقروض کا مقروض ہو۔

حوالہ برغیر مقروض:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہے وہ خود مقروض نہ ہو۔ اہل شریعت کی زبان میں اسے حوالہ علی البری کہا جاتا ہے۔

وکالت:۔ کسی دوسرے شخص کی طرف سے کام انجام دینا۔

اجارہ:۔ کسی شے کو کرایہ پر دینا یا کسی آدمی سے مزدوری کرانا۔

جعالہ:۔ کسی کام پر ایک مخصوص رقم کا عمومی اعلان کر دینا کہ اس عمل کے انجام دینے والے کو اس مقدار میں رقم پیش کی جائے گی۔

کفالت:۔ کسی مطلوب شخص کے بارے میں یہ ضمانت لے لینا کہ اسے بروقت حاضر کر دیا جائے گا۔

ضمانت:۔ کسی مال کے بارے میں ادائیگی کی ضمانت لینا۔

ضمانت معاملہ:۔ وہ ذمہ داری جو کسی معاملہ کے ذیل میں آتی ہے جیسے قرض میں ادائیگی کی ضمانت یا خریداری میں قیمت کی ضمانت۔

ضمانت تلف:۔ وہ ذمہ داری جو کسی مال تلف کر دینے کی بنا پر عائد ہوتی ہے یا کسی کو مال وعمل کے تلف کر دینے کا حکم دینے کی وجہ سے آجاتی ہے۔

مضمون القیمۃ والفائدہ:۔ وہ مال جس کی اصل قیمت کی بھی ذمہ داری ہو اور فائدہ کی بھی جیسے مال غصب کہ غاصب مال کی قیمت کا بھی ضامن ہے اور درمیان میں تلف ہو جانے والے فوائد کا بھی۔

مضمون القیمۃ:۔ وہ مال جس میں صرف قیمت کی ضمانت ہو فائدہ کی نہیں۔

مضمون الفائدہ:۔ وہ مال جس میں صرف فائدہ کے تلف ہو جانے کی ذمہ داری ہو اصل قیمت کی ذمہ داری نہ ہو۔

صاحب چیک:۔ وہ شخص جو کسی کے نام چیک کاٹتا ہے۔

حامل چک:۔ وہ شخص جس کے نام چیک لکھا جاتا ہے۔

مالک:۔ وہ شخص جس نے چیک یا پرونوٹ دیا ہے۔

مستفید:۔ وہ شخص جس کے نام چیک یا پرونوٹ لکھا گیا ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

ایک وقفہ

جوازربا

سلسلہ بحث میں ''ختم سفر'' سے پہلے چند لمحہ توقف کر کے ایک اہم مسئلہ پر توجہ دے لینا ضروری ہے۔

اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ مولف محترم دام ظلہ نے کتاب کے آغاز میں اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہماری تھیوری کا تعلق کسی آسمانی بینک سے نہیں ہے اور نہ ہم اس تھیوری میں کسی ''گمشدہ جنت'' کی تلاش کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ بینک اسی سرزمین پر قائم کرنا ہے اور اس زمین پر قائم شدہ تمام بینکوں سے رابطہ کے ساتھ قائم کرنا ہے۔ ہمیں سودی سلسلے کا بھی خاتمہ کرنا ہے اور دوسرے بینکوں سے ملنے والے سود کو بھی وصول کرنا ہے ضرورت ہے کہ اس مقام پر موجودہ بینکوں سے لینے والے سود کے جواز اور کچھ دیگر متعلقہ مسائل کے بارے میں بھی وضاحت کر دی جائے تا کہ ذہنوں میں کوئی الجھن نہ رہ جائے اور مسئلہ اپنے تمام فروعات کے ساتھ سامنے آ جائے۔

سوال صرف یہ ہے کہ جس اسلام نے سود کو محارم کے ساتھ زنا سے بدتر قرار دیا ہے اور سود پر عذاب الٰہی اور جہنم کی تہدید کی ہے۔ جس نے سودخوار کو کافر کے لفظ سے یاد کیا اور جس کے قانون نے سودخوری کے جملہ اقدامات پر پابندی عائد کر دی ہے وہ کس طرح یہ برداشت کر سکتا ہے کہ سودی بینکوں سے سود لیا جائے یا کفار سے سود لیا جائے یا اولاد اور

والدین کے درمیان حکم سود برطرف کر دیا جائے جیسا کہ اکثر اوقات سننے میں آتا ہے اور فقہی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

اس سوال کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت اپنے مقام پر مسلم ہے۔اس کی نظر میں سود ایک ایسی نحوست اور خباثت ہے جو کسی وقت بھی مباح نہیں ہوسکتی۔ اس نے جن جن مقامات پر سود لینے کی اجازت دی ہے وہ صرف صوری اعتبار سے سود ہیں واقعیت کے اعتبار سے ان کا سود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ سود مالک کی طرف سے وصول کئے جانے والے فائدہ کا نام ہے اور بینک کو قانونی طور پر مالک نہیں تسلیم کیا گیا۔ بینک میں جمع ہونے والی رقم امانت کہی جاتی ہے اور امانت ہمیشہ اپنے مالک کی ملکیت پر باقی رہتی ہے۔ بینک کے پاس جس قدر بھی اموال آتے ہیں وہ سب غیروں کے ہوتے ہیں اور ان کے مالک الگ الگ رقم کے اعتبار سے مشکوک ومشتبہ ہوجاتے ہیں کوئی بینک کا منیجر یہ نہیں بتا سکتا کہ کون سا نوٹ کس کا ہے اور کون سا مال کس شخص سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بہرحال مسلم ہے کہ ان اموال کے جملہ مالک بینک کے کھاتہ داروں کے درمیان ہی پائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے ہر مال کا الگ الگ مالک بہرحال غیر معلوم اور مشتبہ ہے اور مال مجہول المالک کے بارے میں شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کو جائز بنانے کے لئے ان تمام افراد سے مصالحت کرنا ضروری ہے جن کے درمیان ملکیت مشتبہ ہے لیکن بینک کے اموال میں یہ بات ممکن نہیں ہے اور قانون یہ ہے کہ جہاں یہ بات ناممکن ہوجاتی ہے وہاں مال اپنے حقیقی مالک پروردگار یا اس کے نمائندہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے اور نمائندہ الٰہی کے سامنے موجود نہ ہونے کی شکل میں اس کا اختیار حاکم شرع کو ہوتا ہے اب اگر حاکم شرع نے اجازت دے دی ہے تو سارا مال مباح ہے ورنہ اصل کے جواز کا بھی کوئی امکان نہیں ہے، فائدہ کا کیا ذکر ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بینک سے ملنے والا سود بعنوان سود نہیں لیا جاتا کہ شریعت کی نظر میں حرام ہو اور دنیا کی نگاہ میں مالک سے لیا جانے والا ''ربا'' کہا جائے۔ یہ مال مجہول

الما لک کے عنوان سے لیا جاتا ہے جو حاکم شرح کی اجازت کے ساتھ حلال ہے اور بینک سے اس کی مالکیت کے انکار کے ساتھ لیا جاتا ہے بینک مالک ہوتا تو ''سود'' اور حرام ہو جاتا۔ بینک مالک نہیں ہے تو سود بھی نہیں ہے اور حرام بھی نہیں ہے۔

یہی کیفیت کافر حربی کے مال کی ہے کہ اسلام نے اسے صرف عارضی طور پر معاملات کے باقی رکھنے کے لئے مالک تسلیم کیا ہے ورنہ قانون میں باغی کو مالکانہ حقوق نہیں دیئے جاسکتے۔

دنیاوی قوانین میں بھی باغی بغاوت کے باوجود شہری حقوق کا مالک تصور کیا جاتا ہے ورنہ نہ اس پر مقدمہ چل سکتا ہے اور نہ اسے سزا دی جاسکتی ہے اور شرعی قانون میں بھی ''کافر حربی'' معاملات کی حد تک مالک تسلیم کر لیا جاتا ہے ورنہ حقیقی اعتبار سے وہ مالک کا باغی ہے اور باغی کو واقعی ملکیت کا کوئی حق نہیں ہے۔

عارضی ملکیت کا فائدہ یہ ہے کہ جب تک وہ مال پر مالکانہ تصرف کرتا رہے گا شریعت اسے قبول کرتی رہے گی اور جب وہ مال کو ملکیت سے خارج کر دے گا تو اس پر ہر مسلمان کا تصرف جائز ہو جائے گا اور یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ جس سبب سے خارج ہوا ہے وہ سبب صحیح ہے یا غلط۔ اس لئے کہ یہ بات وہاں دیکھی جاتی ہے جہاں ملکیت مستقل ہوتی ہے اور ملکیت سے اخراج مخصوص اسباب کا تابع ہوتا ہے لیکن جہاں ملکیت عارضی ہوتی ہے وہاں صرف ملکیت سے خارج فرض کر لینا بھی کافی ہے۔ اس کے لئے کسی مخصوص شرعی سبب کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اگر کسی غیر اختیاری سبب کی بنا پر بھی مال کافر حربی کے قبضہ سے نکل جائے اور وہ اسے صبر کر لے تو دوسرے انسان کو تصرف کرنے کا باقاعدہ حق پیدا ہو جاتا ہے۔

مرد مسلم اور کافر حربی کے اموال کا یہی فرق ہے کہ مسلمان مال کا مستقل مالک ہوتا ہے اور کافر کی ملکیت صرف عارضی ہوتی ہے۔ مستقل ملکیت مال کے اخراج کے لئے مخصوص اسباب کی محتاج ہے لیکن عارضی ملکیت کو شرعی اسباب کی ضرورت نہیں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ کافر کا مال ''بطور سود'' حلال نہیں ہوتا کہ سود کی حرمت کا مسئلہ اٹھایا جائے بلکہ وہ صرف ملکیت سے خارج ہوجانے کی بنا پر حلال ہوجاتا ہے جب کہ سود اس مال کا نام ہے جو مالک کی طرف سے دیا جاتا ہے اور اپنے حرام ہونے کی بنا پر آخر تک مالک کی ملکیت پر باقی رہ جاتا ہے۔

باپ اور بیٹے کے درمیان ربا نہ ہونے کا سبب ملکیت کا فقدان یا اس کی عارضیت نہیں ہے۔ یہ دراصل طرفین کے کمال اتحاد کا اظہار ہے اور اسلام یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ پسر و پدر عالم ظاہری میں دو ہونے کے باوجود اصل میں ایک وجود ہیں۔ پسر و پدر کے وجود کی توسیع کا نام ہے اور پدر پسر کے وجود کے سنگ بنیاد کا نام، دونوں کو الگ الگ سمجھنا گویا مزاج شریعت پر بار ہے۔

اسلام کا منشا ہے کہ دونوں وجود متحد تسلیم کئے جائیں اور ایک کے احکام دوسرے پر بار کئے جائیں۔ باپ کا مال بیٹے کا مال رہے اور بیٹے کا مال باپ کا مال۔ ان میں اضافہ وکمی کو تبادلہ ہی نہ کہا جائے کہ اس پر ربا کے احکام نافذ کئے جاسکیں۔

یہی حال زوجہ و شوہر کا بھی ہے کہ وہاں بھی کمال اتحاد، اختلاف ملکیت کو پسند نہیں کرتا یہ اتحاد کی اخلاقی تعلیم کے موارد ہیں۔ انہیں سود کے جواز کی دلیل یا حرمت سود سے استثنا کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔

ایک شبہ؟

کافر سے سود لینے کے بارے میں بعض علما اسلام نے یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ یہ حکم صرف کافر حربی کے لئے ہے اور آج کا کوئی کافر حربی نہیں ہے یہ زمانہ صلح و آشتی کا ہے اس میں کوئی جنگ نہیں ہے اور جب کوئی جنگ نہیں ہے تو کافر کو حربی کیوں کر کہا جاسکتا ہے۔؟

لیکن یہ صرف ''سابق علما'' کے افکار پر اعتماد کرنے کا نتیجہ ہے۔ باب اجتہاد کو مفتوح تسلیم کرنے کے بعد کشادہ ذہن سے سوچا جائے تو اسلام میں کافر حربی کی اصطلاح

ذمی کے مقابلہ میں استعمال ہوئی ہے اور جو کافر ذمی نہیں ہے اسے حربی تسلیم کیا گیا ہے۔

''ذمی'' وہ کافر ہے جس سے اسلامی رہنما امام یا پیغمبر سے معاہدہ امن ہو جائے اور وہ حسب قرارداد عمل بھی کرتا رہے کہ اگر معاہدہ نہیں ہو سکا یا معاہدہ ہوا ہے اور کافر اس پر عمل پیرا نہیں ہے تو اس کافر کو بلا تردد حربی ہی کہا جائے گا اور اس کے لئے وہ تمام احکام ہوں گے جو ایک کافر حربی کے لئے ہوا کرتے ہیں۔

آج کے اہل کتاب، اہل کتاب ہونے کے رشتے سے مخصوص احکام کے حامل ہوں تو ہوں لیکن حربیت کے احکام کے اعتبار سے ان کا شمار کافر حربی ہی کی صف میں کیا جائے گا۔

اس کے خلاف دوسری توہمات قابل اعتنا نہیں ہیں اگرچہ بعض مفکرین اسلام نے اس مقام پر اوراق کے اوراق سیاہ کر دیئے ہیں۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

السید ذیشان حیدر جوادی

اسلامی بینک

کا

غیرسودی نظام

بنیادی خطوط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللہ رب العالمین وافضل الصلوٰۃ علی اشرف الخلق محمد والہ الطاہرین۔

غیر سودی بینک کے فارمولے کے خطوط معین کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے تحت اس اہم بنیادی نکتہ کی طرف اشارہ کر دیا جائے کہ ہمیں بحث شروع کرنے سے پہلے دو قسم کے مواقف میں امتیاز کرنا پڑے گا اور دونوں کی ذمہ داریوں کو الگ الگ سمجھنا پڑے گا۔

١۔ اس شخص کا موقف جو غیر سودی بینک کے خطوط کو پوری زندگی اور پورے سماج کے خطوط زندگی کے ساتھ مقرر کرنا چاہتا ہے۔ گویا اس نے پورے نظام حیات کی قیادت سنبھال لی ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر قبضہ کر لیا ہے اب زندگی کے مختلف اسلامی شعبوں کے ذیل میں بینک کا بھی غیر سودی نظام تشکیل دینا چاہتا ہے اس کا سماج بھی اسلامی ہے اور بینک بھی اسلامی۔

٢۔ اس شخص کا موقف جو غیر سودی بینک قائم کرنا چاہتا ہے لیکن پورے سماج کے قانون سے الگ!۔

اس کے ہاتھ میں سماج کا کوئی شعبہ اور کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسے اسی فاسد معاشرہ اور غیر اسلامی اجتماع میں زندگی گزارنا ہے اور اسی ماحول میں بینک قائم کرنا ہے جہاں بینک اور غیر بینک ہر مقام پر سودی کاروبار کا قبضہ ہے اور سرمایہ دارانہ نظام معاشیات،

افکار، اخلاق بلکہ ہر شعبہ زندگی پر چھایا ہوا ہے۔

ان دونوں حالات میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلی شکل میں پورے اسلامی سماج میں صرف غیر سودی بینک کے قوانین کا انطباق کرنا ہے اور معاشرہ کی اصلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ پہلے ہی سے اسلامی معاشرہ ہے۔

یہاں سود کی حرمت کا قانون وہ سارے فائدے پہنچا سکتا ہے جن کے لئے یہ قانون وضع ہوا تھا اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے ٹکراؤ بھی نہیں پیدا ہو سکتا۔ ہر شعبہ زندگی کا وہی مقصد ہے جو تحریم سود کا مقصد ہے اور سب کی روح وہی اسلام ہے جو اس قانون کی روح ہے۔ اور ہم اپنی کتاب ''ہمارے اقتصادیات'' میں واضح کر چکے ہیں کہ اسلامی قانون ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے تمام اجزا باہمی ارتباط رکھتے ہیں اور ہر جزو دوسرے جزو کے لئے زمین ہموار کرتا ہے اور اس سے مکمل استفادہ کے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔

اس کے برخلاف جس کے حصہ میں دوسرا موقف آیا ہے۔ اس کی دشواری یہ ہے کہ وہ حرمت ربا کو کسی ایک بینک پر منطبق کرنا چاہتا ہے۔ جب کہ دوسرے تمام مالیاتی ادارے اور بینک سود کی بنیاد پر قائم ہیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی احکام معطل پڑے ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ احکام کی یہ تفریق ان تمام نتائج کو فراہم نہیں کر سکتی جو اسلامی سماج میں حاصل کئے جا سکتے ہیں اور جن کی تحصیل اس وقت بے حد آسان تھی جب اسلامی احکام پورے سماج پر حکمرانی کر رہے تھے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اسلامی احکام کی تطبیق سے معذور اور آزاد ہو گیا ہے اور اب اسے رائج الوقت نظام ہی پر اکتفا کر لینا چاہئے۔

اسلامی احکام کل کے کل واجب الانطباق ہیں اور مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دین کے جملہ احکام کو سماج پر منطبق کرے۔ اب اگر کسی مقام پر معذور و مجبور ہو جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باقی احکام کی ضرورت نہیں ہے۔

ضرورت بہرحال ہے اور بقدر امکان تطبیق کی فکر کرنا پڑے گی۔ شاید اسی طرح دوسرے احکام کے لئے بھی زمین ہموار ہو جائے۔

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے موقف کو اختیار کرنے والے انسان کے لئے غیر سودی بینک قائم کرنے کی صورت میں یہ پورا پورا امکان ہے کہ وہ اس بینک سے تمام اسلامی فوائد حاصل کر سکے اور اسی بینک سے اسلامی اقتصادیات کے دوسرے اہم مقاصد ''اجتماعی توازن'' اور ''عادلانہ تقسیم'' وغیرہ کو بھی وجود میں لا سکے اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے کوئی تعارض بھی نہ ہو۔ اس لئے کہ ہر شعبہ زندگی پر اسلامی قوانین ہی کی حکمرانی ہے اور پورا سماج اسی کے اشاروں پر چل رہا ہے اور واضح سی بات ہے کہ ایک نظام حیات کے مختلف شعبوں میں تضاد و تعارض نہیں ہوتا۔

اب بعض دشواریاں دوسرے غیر اسلامی معاشروں سے ارتباط کی بنا پر آجائیں تو ان کی دوسری بات ہے۔

لیکن یہ موقف دوسرے موقف سے بالکل مختلف ہے وہاں خود موقف ہی نے حالات میں تنگی پیدا کر دی ہے اور سماج ہی رکاوٹیں ڈال رہا ہے۔ ایسے حالات میں غیر سودی بینک کی تھیوری آسان نہیں رہے گی اور اس کے لئے یہ مشکل ہوگا کہ اپنے انطباق کے لئے بہتر سے بہتر طریقے فراہم کر سکے اس لئے کہ سارے طریقوں پر غیروں کا قبضہ ہو چکا ہے اور سماج پر سودی نظام حکومت کر رہا ہے۔ اب یہ اسلامی بینک بھی مجبور ہے کہ اپنی زندگی کے لئے وہی طریقہ کار اختیار کرے جو اس ماحول اور اس سرزمین پر زندہ رہنے کے لئے ضروری ہو اور اس کا تعلق دوسرے سودی بینکوں سے برقرار رہ سکے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

□

سیاستِ فکرِ جدید

غیر سودی بینک کے فارمولے کے بارے میں ہماری گفتگو دوسرے موقف ہی کے تحت ہوگی۔ اس لئے کہ زمانے کی صورت حال میں کوئی تغیر نہیں ہوسکتا۔ اور اقتصادیات ،اجتماعیات اور فکر وسیاست کے میدانوں پر حالات اپنا پورا قبضہ جما چکے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہم اگر پہلے موقف میں ہوتے اور سماج ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہمارا انداز ہی کچھ اور ہوتا لیکن موجودہ صورتحال میں ہمارا فرض ہے کہ غیر سودی بینک کی معقول شرعی صورت کی جستجو کریں۔ اس جستجو میں کامیاب ہونے کے تین شرائط ہیں جن کے بغیر صحیح صورتحال کی تشکیل ممکن نہیں ہے۔

۱۔ جدید بینک شریعت اسلامیہ کے احکام کے مخالف نہ ہو۔

۲۔ بینک میں اتنی صلاحیت ہو کہ اس بدترین سماج اور سودی معاشرہ میں زندگی گزار کر کامیاب ہو سکے۔ اس کی راہ میں ایسے حالات نہ آنے پائیں جہاں اس کی شرعی صورت موجودہ نظام سے ٹکرا جائے اور اسے آگے بڑھنے کا موقع نہ مل سکے۔

ظاہر ہے کہ یہ دشواری پہلے موقف کی نہیں تھی وہاں ہمارے اختیار میں تھا کہ تمام سودی ادارے بند کر کے ایسے فاسد نظام کا یکسر استیصال کر دیتے۔ سماج کے سارے اقتصادیات، اجتماعیات اور فکریات ہمارے ہاتھ میں ہوتے اور ہم غیر سودی بینک کو نہایت اطمینان سے چلا سکتے وہاں دوسرے قوانین کے سدراہ ہونے کا امکان نہیں تھا۔ ہر قانون مکمل امداد بہم پہنچاتا اور ہر شعبہ ترقی کے لئے ایک زمین ہموار کرتا۔ اس بات سے یہ اندازہ

بھی کیا جاسکتا ہے کہ سارا مسئلہ غیر سودی بینک کی تشکیل اور اس کے اصول کی تحقیق وتفتیش کا نہیں ہے۔اس سے بالاتر مسئلہ ایسے حالات پیدا کرنے کا ہے جو موجودہ نظام سے ٹکراؤ نہ پیدا ہونے دیں اور ایسے طریقہ کار اختیار کرنے کا اہتمام کریں جس کے بعد ترقی کی رفتار موقوف نہ ہونے پائے اور کامیابی ناکامی کا رخ اختیار نہ کرے۔

۳۔اسلامی شکل وصورت غیر سودی بینک کوصرف ایک تجارتی ادارہ نہ بنا دے جہاں کاروبار ہوتا رہے اور فائدہ آتا رہے بلکہ ایک ایسا انداز اختیار کرے کہ بینک کو بینک کہا جائے۔اس کی شکل وصورت اور اس کی روح بینک کی شکل وروح ہو۔وہ اقتصادی زندگی میں وہ تمام فرائض سرانجام دے جو دنیا کے دوسرے بینک انجام دیا کرتے ہیں جہاں مال جمع بھی کئے جائیں۔بڑے کاروبار کوقرض کے طور پر دیئے بھی جائیں۔تجارتی صنعتی اداروں کی کمک بھی کی جائے چیک وغیرہ کا سلسلہ بھی رہے اور ایسے حالات بھی پیدا ہوجائیں کہ لوگ اپنے اموال ایسے بینک میں جمع کرتے رہیں۔

ان سب کے علاوہ بینک ملک کے معاشیات میں نمایاں حصہ بھی لے اور صنعت کی ترقی میں برابر کی شرکت بھی رکھے جیسا کہ آج کی دنیا میں بینک حکومت کے مالیات میں بڑا اہم رول ادا کرتا ہے اور اسے ایک قسم کی بنیادی مالیاتی مصدر شمار کیا جاتا۔

خلاصہ

ان شرائط وقواعد کی تفصیلات کامختصر خاکہ یہ ہے:۔

بینک کواحکام شرعیہ کے خلاف نہ ہونا چاہئے۔

۲۔ بینک میں اتنی طاقت ہونی چاہئے کہ اس بدترین سماج میں زندہ رہ سکے اور اس کی حیثیت بینک ہی کی رہے۔

۳۔اسلامی شکل وصورت اسے تجارتی ادارہ نہ بنادے بلکہ وہ بینک رہ کران تمام فرائض کوانجام دے جو دنیا کے دوسرے بینک انجام دیا کرتے ہیں۔اقتصادی زندگی کوترقی دے صنعت کوفروغ دے اور ہر ترقی پذیر ادارہ کی باقاعدہ کمک کرسکے۔

مذکورہ بالا سیاست کی بنا پر ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنے فارمولے میں تینوں شرائط کا لحاظ رکھیں اور ایک ایسے بینک کا تصور قائم کریں جو مذکورہ بالا تینوں اعمال کو انجام دے سکے۔ اس کے بعد ہمارے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ ہم بینکوں کے اس طریقے کو اختیار کریں جو کمرشل بینک اختیار کیا کرتے ہیں یا اس انداز کو اپنائیں جسے کوآپریٹو بینک اپنایا کرتے ہیں۔ ہمارا کام تقلید نہیں ہے ہمارا کام ایک بینک کی تشکیل ہے اور ایسے بینک کی تشکیل جو بینک کے جملہ ضروریات کو پورا کر سکے اور سود کی لعنت سے آزاد رہے۔

سیاستِ جدید کے بنیادی خطوط

بینک کے جدید نظام کے لئے سیاست طے کی گئی ہے اور جس کے شرائط سابق میں ذکر کئے گئے ہیں اس کے بنیادی خطوط ان نکات میں جمع کئے جا سکتے ہیں۔

ا۔ بینک کے کاروبار میں انسانی عمل کی اہمیت کا اظہار کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ سرمایہ کی طرح انسانی محنت بھی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔

سودی بینک کو اپنے ایک مزدور کی شکل میں پیش کر کے اس کے ذریعہ آمدنی کا انتظام کرتا ہے اور غیر سودی بینک اپنے کو ایک مزدور کی شکل میں پیش کر کے اس کے ذریعہ آمدنی کا اہتمام کرتا ہے۔ یہ طرز فکر ایک غیر سودی بینک کی آمدنی کو اجرت اور مزدوری کی شکل دے گا اور اسے اس بات پر آمادہ کرے گا کہ اپنی آمدنی کے دائرہ میں اجرت کی بنیاد پر توسیع کرے اور دوسری طرف قرض کے فائدے کو سرمایہ کی اجرت قرار دے کر سود لینے سے پاک رکھے گا۔

۲۔ اس بات کی کوشش کی جائے کہ بینک کی حیثیت مال جمع کرنے والوں اور کاروبار کرنے والوں کے درمیان ایک واسطہ کی رہے اور اس کی قانونی حیثیت ایک واسطے سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ رائج الوقت سودی نظام اکثر اوقات ان مساعی کی راہ میں حائل ہوگا اور بینک کو واسطہ کی حیثیت سے نکال کر طرف معاملہ بنانے کی کوشش کرے گا۔

لیکن یہ تمام باتیں مطلق طور پر ہماری تحریک کو ناکام نہیں بنا سکتیں اور غیر سودی بینک کسی نہ کسی شکل میں اسلامی جڑوں کو اپنے ساتھ قائم رکھے گا اور مسلمانوں کو آمادہ کرتا

رہے گا کہ وہ غیر سودی نظام کی راہوں پر چلتے رہیں چاہے عمل کے بجائے نظری میدان ہی میں کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ بینک کا غیر سودی ہونا خود بھی ایک شرف ہے جو مسلمانوں کو احکام الٰہیہ کی اطاعت کے صلہ میں ملتا رہے گا۔

۳۔ بینک کے غیر سودی نظام میں اسلامی روح کی اشاعت کرنے والوں کو نئے تجربہ کی راہ میں قربانیاں بھی دینا پڑیں گی اور کچھ زحمتوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا ایسے لوگوں کو اس بات پر بھی آمادہ ہونا پڑے گا کہ اگر ایک مقدس نظام کی اشاعت میں کچھ فوائد کی قربانی بھی دینا پڑے کچھ خطرات کا سامنا بھی کرنا پڑے تو وہ اس کے لئے تیار رہیں۔

دنیا کے سامنے نئے نظام کا پیش کرنا اور اس میں اسلامی پیغام کی روح پھونک دینا کوئی معمولی کام نہیں ہے اس ذمہ داری کا بار سنبھالنے والے کا فرض ہے کہ وہ تجارتی رجحان کے ساتھ ''رسالتی روح'' اور عقائدی محرکات وعوامل سے بھی آراستہ ہو اور ہر آن یہ تصور کرے کہ میرا کام صرف ایک تجارتی کاروبار نہیں ہے جہاں صرف منافع پر نظر رکھی جاتی ہے بلکہ پیغام الٰہی کا بار اٹھانے اور امت کو کفر سے نجات دلانے کے سلسلے میں ایک عظیم جہاد بھی ہے جو بہرحال قربانی چاہتا ہے اور اس کے لئے مجاہد کو کچھ نہ کچھ دینا ہی پڑتا ہے۔

غیر سودی بینک کا فرض ہے کہ سود سے بھری ہوئی دنیا میں عظیم الٰہی پیغام کا بار اٹھانے کے لئے اس نکتہ کو بھی نظر میں رکھے کہ یہاں منفعت کا حساب صرف مالیاتی اعداد و شمار سے نہیں ہوتا بلکہ منفعت میں وہ عظیم فوائد بھی شامل ہیں جو بلند ترین آسمانی پیغام کو زمین پر منطبق کرنے کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ تصور اور یہ قربانی ایک مرد مسلم ہی سے متوقع ہوسکتی ہے۔ یہ کام ان کاروباری لوگوں کا نہیں ہے جو بینک کے رسالتی عنوان سے نا آشنا ہیں اور بینک کے پردے میں کسی عظیم نظام حیات کی ترویج سے ناواقف ہیں انہیں وہ بلند ہمتی نصیب نہیں ہے جس نے غیر سودی بینک کے پرستاروں کو اتنا بڑا تجربہ کرنے اور بینک کا جدید غیر سودی نظام پیش کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

۴۔غیر سودی بینک کو ایک ایسا راستہ بھی تلاش کرنا پڑے گا جس پر چل کر وہ اپنا انفرادی عمل انجام دے سکے اور سود سے بھری دنیا میں بلا فائدہ قرض دینے کا مقدس فرض انجام دے سکے۔

ظاہر ہے کہ اس راستے کی جستجو غیر سودی بینک کو اپنے معاملات میں امتیازی انداز اختیار کرنا پڑے گا اور عام بینکوں کے معاملات سے ہٹ کر وہ جہتیں تلاش کرنا پڑیں گی جہاں ایسا کاروبار چل سکے اور کامیاب بھی ہو سکے۔

یہ راستہ اس اعتبار سے بے حد دشوار ہے کہ اس بینک کو ایک طرف سود کی لعنت سے بچنے کے لئے افراد اور جماعتوں کو فائدہ کے بغیر قرض دینا پڑے گا اور دوسری طرف ان بینکوں میں سرمایہ بھی جمع کرنا پڑے گا جو اس اصول سے متفق نہیں ہیں اور غیر اسلامی ہونے کی بنا پر ان کے یہاں سود کا کاروبار جاری ہے۔ گویا اس بینک کو ایسی روش اختیار کرنا پڑے گی جہاں دوسرے بینک کو قرض دے تو سود نہ لے لیکن دوسرے بینک میں سرمایہ جمع کرے تو سود لینے کا جواز باقی رہے اس لئے کہ وہاں تو سود لینا ہی پڑے گا۔ ان کا تو سارا کاروبار ہی سود پر چل رہا ہے۔

اس روش کا عقلی جواز تو یہ ہے کہ غیر سودی بینک کی سود لینے کی مجبوری موجودہ بینکوں کے نظام ہی سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور اسے ہر وہ رقم لینے کا حق حاصل ہے جو طرف مقابل از خود دینے کے لئے تیار ہو۔

لیکن شرعی اعتبار سے اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ جن میں سب سے اہم سبب یہ مسئلہ ہے کہ غیر ذی کافر سے معاملہ کرنے میں سود لینا جائز ہے اور اس میں کوئی شرعی اشکال نہیں ہے جس مسئلہ پر علما شیعہ کے علاوہ علما اسلام میں مذہب حنفی کے امام بھی متفق ہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

پہلی منزل

غیر سودی بینک کا نظام

غیر سودی بینک کے نظام کی گفتگو کے لئے دو مقامات ہیں۔

ا۔ بحث کا بنیادی نکتہ۔ یعنی اس طریقہ کار کا تلاش کرنا جسے اختیار کرنے کے بعد غیر سودی بینک کو سودی کاروبار سے نجات مل سکے۔

وہ سودی کاروبار جو آج کے موجودہ بینکوں میں ڈیپازٹ کر کے فائدہ لینے اور قرض لے کر فائدہ دینے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور جس کی بنا پر اسلام اور غیر اسلام کے بینکوں میں تضاد و تناقض پیدا ہو گیا ہے۔

سودی کاروبار سے نجات اور دونوں قسم کے بینکوں میں تصادم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ ہم ایک ایسا فارمولا تیار کریں جہاں رقم جمع کرنے والوں اور کاروبار کرنے والوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ قائم ہو جائے جو ڈیپازٹ کر کے سود لینے اور قرض لے کر سود دینے کے موجودہ نظام سے نجات دلا سکے [1]۔

۲۔ موجودہ بینکوں کے بنیادی اعمال و خدمات اور ان کی سہولتوں کی تفصیل پیش کر کے یہ ظاہر کیا جائے کہ ان مسائل میں شریعت اسلام کی رائے کیا ہے اور غیر سودی بینک

---

[1] مولف کا مقصد یہ ہے کہ غیر سودی بینک کا کاروبار موجودہ نظام کی بنیاد پر نہیں چل سکتا اس کے لئے بینک کا ایک تازہ نظام مقرر کرنا پڑے گا جو بینک کی تمام خوبیوں پر مشتمل ہو لیکن سود سے منزہ و مبرا ہو۔ غیر سودی بینک کا مطالبہ کرنیوالوں کا فرض ہے کہ وہ عام بینکوں کے نظام سے ذہن کو آزاد کر کے مسئلہ کی خوبی یا برائی پر بحث و تمحیص کریں۔ (جوادی)۔

کوان معاملات میں کیا روش [1] اختیار کرنا ہوگی۔

سودی بینکوں میں ڈیپازٹ کے مسائل آمدنی کے ذیل میں زیر بحث لائے جاتے ہیں اوران اموال کے قرض دینے لینے کے مسائل بینک کے مصارف میں زیر بحث آتے ہیں۔ یہاں اموال کا آنا الگ ایک کام ہے اوران کاروبار میں لوگوں کو دیا جانا دوسرا کام ۔لیکن غیرسودی بینک میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں ایک کام کو دوسرے کام سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ درحقیقت آمدنی اورخرچ دونوں ایک ہی کام کے دورخ ہیں جسے شریعت کی اصطلاح میں ''مضاربہ'' کہا جاتا ہے مضاربہ کے اجزا وارکان آپس میں الگ نہیں ہوتے یہاں یہ ممکن نہیں ہے کہ آمدنی کو کاروبار سے الگ کر دیا جائے اور دونوں کو مستقل طور پر زیر بحث لایا جائے۔

انہیں نکات کے پیش نظر ہم نے بحث کا نیا طریقہ ایجاد کیا ہے اور رائج الوقت طریقے سے گریز کر کے مضاربہ کا جدید ترین راستہ اختیار کیا ہے جہاں ''مضاربہ'' کے جملہ اجزا آپس میں مربوط اور مرتبط ہوتے ہیں اور انہیں الگ کر دینا اصل معاملہ کی روح کو فنا کر دینے کے مترادف ہے۔

ہم پہلی منزل میں اس فارمولے کو بیان کریں گے جسے غیر سودی بینک میں رائج ہونا ہے اور دوسری منزل میں ان تفصیلات کو بتائیں گے جو دور حاضر کے بینکوں میں پائے جاتے ہیں تا کہ ان کے بارے میں بھی اسلام کی رائے ظاہر کی جا سکے۔

مولف

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

---

[1] واضح رہے کہ ہم نے بحث کی ترتیب میں رائج الوقت طریقہ سے گریز کیا ہے اس لئے کہ موجودہ طریق بحثیں اولاً بینک کی آمدنی کے ذرائع پر بحث ہوتی ہے اوراس کے بعدان اموال کے صرف کرنے پر گفتگو کی جاتی ہے ہم نے اس طریقہ کار کو ترک کر دیا ہے یہ طریقہ کار سودی نظام والے بینکوں کے لئے مناسب ہے لیکن غیرسودی بینک کے لئے سازگار نہیں ہے۔مولف

اربابِ مال اور اصحابِ عمل کے تعلقات کی نئی تنظیم

عام طور سے بینک کے مالیات کی تشکیل دو چیزوں سے ہوا کرتی ہے۔

ا۔سرمایہ جس کی بنیاد پر بینک قائم ہوتا ہے اور جس میں ان فوائد کا اضافہ ہوتا رہتا ہے جو بینک کی ملکیت بنتے جاتے ہیں اور ارباب مال پر تقسیم نہیں ہوتے۔

۲۔وہ امانتیں جو بینک کے حوالے کی جاتی ہیں اور جن سے بینک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ تشکیل پاتا ہے۔

بینک کا سب سے بڑا کاروبار یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے فائدہ کی شرط پر یا بلا فائدہ امانتیں قبول کرتا ہے اور پھر انہیں امانتوں کو اپنے قرضدار کاروباری لوگوں کے حوالے کر کے ان سے بیش از بیش فوائد حاصل کرتا ہے۔

بینک کا اصلی فائدہ اس تفاوت سے تشکیل پاتا ہے جو سود لینے اور سود دینے کے درمیان واقع ہوتا ہے یا اس سود سے تشکیل پاتا ہے جو قرضداروں سے لیا جاتا ہے لیکن امانت داروں کو نہیں دیا جاتا۔

بینک کے امانت داروں کی دو قسمیں ہیں۔بعض لوگوں کو امانتیں ثابت ہوتی ہیں انہیں سود ملتا ہے اور بعض لوگوں کی امانتیں محترک ہوتی ہیں انہیں سود نہیں ملتا۔معاشی زندگی میں سودی بینک کی سب سے بڑی اہمیت یہی ہے کہ یہ لوگوں کے پاس مال کو معطل نہیں رہنے دیتا اور انہیں فائدہ کا لالچ دے کر برآمد کر لیتا ہے اس کے بعد اپنے پاس بھی بے کار نہیں رکھتا۔بلکہ کارخانے والوں اور کاروباری لوگوں کو دے دیتا ہے تا کہ وہ اپنے کاروبار کو

ترقی دے سکیں اور اپنے کارخانے چلا سکیں اور اس طرح بینک بھی آگے بڑھتے رہیں۔[۱]

اس روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بینک کے امانت داروں اور قرض داروں کے دہرے تعلقات کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ معاشی اعتبار سے بینک دونوں کے درمیان ایک واسطہ ہوتا ہے جس کا کام ایک کا مال لے کر دوسرے تک پہنچا دینا ہے اور بس۔ معاشی دنیا میں اس سے زیادہ بینک کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

رہ گئی قانونی شکل تو اس کا حساب دوسرا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے بینک کے دہرے تعلقات کو قانونی شکل دینے کے لئے دو مستقل قوانین کا سہارا لیا ہے۔

ایک قانون میں اس تعلق کو دیکھا گیا ہے جو بینک اور ارباب مال کے درمیان ہوتا ہے جہاں بینک قرضدار فرض کیا گیا ہے اور ثروت مندوں کو قرض خواہ اور دوسرے قانون میں اس تعلق پر نگاہ کی گئی ہے جو بینک اور کاروباری لوگوں کے درمیان ہوتا ہے جس میں بینک ثروت مند بن جاتا ہے اور کاروبار کرنے والے قرض دار۔

مطلب یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ قوانین میں بینک سرمایہ اور کاروبار کے درمیان صرف ایک واسطہ نہیں ہے بلکہ دو مستقل قوانین کا مرکز و مصدر ہے اور اس کی حیثیت کو پیش نظر رکھنے کے بعد سرمایہ اور عمل میں کوئی رابطہ نہیں رہ جاتا اور امانت دار کاروبار سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔

دونوں کا تعلق صرف بینک سے ہوتا ہے جو ایک کے لئے مقروض ہوتا ہے اور دوسرے کے لئے قرض خواہ۔

مقروض ہونے کی حیثیت سے مال جمع کرنے والوں کو فائدہ دیتا ہے اگر ان کا سرمایہ ہر وقت برآمد کرنے کے لائق نہ ہو اور قرض خواہ ہونے کی حیثیت سے کاروباری

---

[۱] ظاہر ہے کہ یہ بینک نہ ہوتے تو سرمایہ اہل ثروت کے پاس مردہ پڑا رہ جاتا اور ملکی کاروبار میں ترقی کی کوئی راہ نہ نکل سکتی یہ بینکوں ہی کا طفیل ہے کہ ملک کا کاروبار اس قدر تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور لوگ ہنسی خوشی اپنا سرمایہ بینک کے حوالے کر رہے ہیں۔ (جرادی)۔

لوگوں سے فائدہ وصول کرتا ہے اور قرض و امانت کے اسی امتزاج سے ایک پورا سودی نظام منظر عام پر آجاتا ہے جسے اسلام نے حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ غیر سودی بینک کو اسلامی اصولوں پر چلایا جائے اور دنیا کو سود کے اس پورے نظام سے نجات دلا دی جائے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم امانتوں کو دو حصوں پر تقسیم کردیں۔

وہ امانت جو ثابت و جامد ہوا کرتی ہے اور جسے فکس ڈیپازٹ Fixed Deposit کہا جاتا ہے۔

امانت جو متحرک ہوا کرتی ہے اور جسے کرنٹ اکاؤنٹ Current Account کہا جاتا ہے۔

ثابت فکسڈ امانتوں میں ہم مذکورہ بالا قانونی شکل کو لغو اور مہمل قرار دیتے ہوئے امانت دار اور کاروبار کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم کریں گے اور ہمارے نظام میں قانونی اعتبار سے امانت دار اور کاروبار کا براہ راست رابطہ ہوگا اور دونوں ایک دوسرے کے طرف معاملہ شمار کئے جائیں گے۔ بینک کی حیثیت صرف ایک واسطہ کی ہوگی جس کا کام ایک سے سرمایہ لے کر دوسرے تک پہنچا دینا ہے اور بس یہی بینک کی واقعی حیثیت ہے۔

بینک کے جملہ تعلقات کو تمام قانونی شکلوں سے الگ کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت کے اعتبار سے بینک ایک واسطہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اس کا کام سرمایہ کو اس کاروباری انسان تک پہنچا دینا ہے جو اس سرمائے کے بغیر کاروبار نہیں کرسکتا۔ گویا سرمایہ کو کاروباری آدمی کی ضرورت ہے اور کاروباری آدمی کو سرمائے کی۔

بینک نے دونوں کی ضرورت کو پورا کردیا اور خود درمیان میں پڑ کر ادھر کا مال ادھر پہنچا دیا۔

ہماری جدید فکر میں بھی بینک کی بالکل یہی حیثیت ہے۔ یہاں امانت دار اور کاروبار میں براہ راست رابطہ ہے اور بینک صرف ایک واسطہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔

متحرک امانتوں کی حیثیت اس سے کچھ مختلف ہے اور اس کے بارے میں ہمارا نظریہ ثابت امانتوں کی بہ نسبت جداگانہ رکھتا ہے۔

ابتدا میں ہماری بحث کا تعلق ثابت امانتوں سے ہوگا اور ہم یہ واضح کریں گے کہ امانتدار اور کاروبار کے درمیان براہ راست تعلق کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد متحرک امانتوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس کے تفصیلات پر روشنی ڈالیں گے۔ تمہیدی طور پر یہ ضروری ہے کہ ثابت اور متحرک امانتوں کے معانی پر باقاعدہ غور کیا جائے تاکہ تفصیلی مباحث کے سمجھنے میں زیادہ دشواری نہ ہو۔

ثابت ومتحرک امانتیں

ثابت امانت(Fixed Deposit)

اس رقم کا نام ہے جسے صاحب مال بینک کے حوالے کر دیتا ہے اور اس راستہ سے بینک سے ایک خاص رابطہ پیدا کر لیتا ہے جس کے بعد برابر اسے فوائد ملتے ہیں۔

ایسی امانت کے رکھنے والوں کے مقاصد مختلف ہوا کرتے ہیں۔بعض لوگ وقت ضرورت نکال بھی لیتے ہیں اور ایسے ہی اوقات کے لئے رقم کو محفوظ کرتے ہیں۔

متحرک امانت(Current Account)

وہ رقم ہے جسے بینک میں رکھنے کے بعد بھی ہر وقت یہ نظر ہوتی ہے کہ جب چاہیں گے بقدر ضرورت نکال لیں گے اور اس طرح ایک کرنٹ اکاونٹ تشکیل پا جائے گا۔

یہ امانت عام طور سے تاجر اور کاروباری حضرات جمع کرتے ہیں جنہیں ہمیشہ رقم نکالنے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔

ایسی امانتوں میں فائدہ کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔بینک کی ذمہ داری صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ ضرورت کے اوقات میں رقم دے دینے میں کوئی تکلف نہ کرے۔

امانت ثابت میں ایسا نہیں ہوتا۔وہاں بینک فائدہ ضرور دیتا ہے لیکن رقم کے بروقت دے دینے کی ذمہ داری نہیں لیتا۔

قسم سوم :۔

ان دونوں قسموں کے علاوہ امانت کی ایک قسم اور بھی ہے جسے سیونگ اکاؤنٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس امانت میں دونوں قسموں کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور ایک ایک اعتبار سے اسے دونوں سے ملحق کیا جاسکتا ہے۔اس رقم کا ایک مستقل حساب بھی ہوتا ہے اور ایک جداگانہ دفتر بھی جس میں جملہ حسابات درج ہوتے رہتے ہیں۔

یہ متحرک امانتوں سے اس لئے متعلق ہے کہ اس میں ہر وقت رقم نکال لینے کی صلاحیت ہوتی ہے اور بینک کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بروقت ضرورت مال برآمد کردے۔

اور ثابت امانتوں سے اس لئے متعلق ہے کہ اس میں فائدے کے امکانات رہتے ہیں اور بینک برابر اس کے فوائد دیتا رہتا ہے۔

اس امانت میں بینک کا یہ اعلان ہوتا ہے کہ صاحب مال ہر وقت اپنے مال کو برآمد کرسکتا ہے اور صاحب مال کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مال بینک میں محفوظ رہے۔اس لئے بینک نے عمومی دلچسپی کا یہ راستہ نکالا ہے کہ صاحب مال کے دفتر میں برابر اس کا حساب درج ہوتا رہے اور اسے یہ اطمینان رہے کہ میرے مال میں اضافہ ہورہا ہے۔امانت کی ان تینوں قسموں کو ادنیٰ تبدیلی کے بعد دو قسموں میں سمیٹا جاسکتا ہے۔اور وہ اس طرح کہ امانت کو دو حصوں پر بانٹ دیا جائے ایک وہ امانت جو زیر طلب رہتی ہے اور جس میں ہر وقت برآمد کر لینے کا امکان رہتا ہے اور ایک وہ امانت جس میں زمانے کی قید ہوتی ہے اور اس کا ہر وقت برآمد کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

پہلی قسم کا نام امانت محترک اور کرنٹ اکاونٹ ہے اور دوسری قسم کی دو شکلیں ہیں۔ امانت ثابت اور امانت توفیر (اضافہ) یعنی تیسری قسم کو دوسری قسم سے ملحق کردیا جائے۔

بنیادی طور پر ہماری گفتگو کا تعلق سابق کی دونوں قسموں ہی سے ہے۔تیسری قسم کی بحث امانت ثابت کے آخر میں ہوگی۔ جب دونوں کے خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے دونوں کے فرق کی وضاحت کی جائے گی۔

ثابت امانت میں بینک کے جدید تعلقات

ثابت امانتوں کے بینک میں جمع کرنے کا سلسلہ دو منزلوں سے گزرتا ہے۔

ایک مرتبہ بینک اصحاب مال سے ان اموال کو بطور قرض لیتا ہے اور دوسری مرتبہ انہیں اموال کو کاروباری لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے تاکہ وہ کاروبار کر کے بینک کے لئے منافع فراہم کریں۔

اسلامی قوانین کی روشنی میں ان دونوں کاموں کو ایک ہی تعلق میں درج کیا جا سکتا ہے یعنی عام سودی بینکوں میں دو تعلقات رکھتا ہے۔ ایک مال دینے والوں سے اور دوسرا قرض لینے والوں سے، اور اسلام کے قانون میں یہ دونوں تعلقات ایک ہی تعلق کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جہاں مال دینے والا براہ راست قرض لینے والے سے مربوط ہو جاتا ہے اور بینک صرف ایک واسطہ کی حیثیت سے باقی رہ جاتا ہے مذہبی اصطلاح میں اس معاملہ کو ''مضاربہ'' کہا جاتا ہے۔

''مضاربہ'' اسلامی فقہ میں:

اسلامی فقہ میں ''مضاربہ'' کا مفہوم جدید علم اقتصاد کے ''مفہوم مضاربہ'' سے بالکل مختلف ہے۔

اسلامی فقہ میں مضاربہ اس مخصوص قرار داد کا نام ہے جو سرمایہ کے مالک اور کاروبار کرنے والے کے درمیان اس شرط پر ہوتی ہے کہ کاروباری آدمی صاحب مال سے

مال لے کر کمیشن پر کاروبار کرے اور ایک فریق کا مال رہے اور دوسرے کی محنت اور فائدے میں دونوں فریق فیصدی کے اعتبار سے حسب قرارداد حصہ دار رہیں۔ اب اگر کاروبار میں فائدہ ہوگا تو دونوں فریق اپنی قرارداد کے مطابق فائدہ کو تقسیم کرلیں گے اور اگر مال مثل سابق باقی رہ جائے گا کہ نہ فائدہ ہوگا نہ نقصان تو صاحب مال کو پورا پورا سرمایہ مل جائے گا اور محنت کرنے والے کی ساری محنت برباد ہوجائے گی اور اگر اصل سرمایہ ہی گھٹ گیا تو اس خسارہ کی ذمہ داری صرف مالک پر ہوگی کاروبار کرنے کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا اور نہ اس سے کوئی مزید تاوان طلب کیا جائے گا۔ اس کی سزا کے لئے محنت کی بربادی ہی کافی ہے۔ البتہ اگر ایجنٹ کو مال مضاربہ کے بجائے قرض کے طور پر دیا گیا ہے تو اس سے خسارہ کی تلافی کا مطالبہ بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ نقصان سے قرض کے مطالبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن ایسی حالت میں فائدہ کی صورت میں کچھ مل نہیں سکتا اس لئے کہ قرض کا فائدہ لینا سود ہے اور سود اسلام میں حرام ہے۔ اس فرق کی تفصیل اور اس کی فقہی توجیہہ ملحقات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ارکانِ مضاربہ:

مضاربہ کے جدید اسلامی تصور کے ارکان حسب ذیل ہیں:

ان ارکان کا معلوم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ مضاربہ کی بنیاد پر بینک کا کاروبار چلانے والے نظام میں حقوق وشرائط اور تعلقات کے تفصیلات انہیں ارکان کی بنیاد پر قائم ہوں گے۔

۱۔ وہ صاحب مال جو اپنا مال کاروبار کے لئے پیش کرتا ہے (مضاربہ)۔

وہ کاروباری انسان جو ایجنٹ بن کر کام کرتا ہے۔ (عامل)۔

۲۔ وہ بینک جو دونوں کے درمیان ایک واسطہ کی حیثیت رکھتا ہے اور صاحب مال کا وکیل بن کر اس کا مال عامل کے حوالے کرتا ہے۔

ثابت امانتوں سے مضاربہ کی بنیاد پر بینک چلانے کے لئے ان تمام شرائط کا سمجھ

لینا ضروری ہے جن کا ارکان مضاربہ میں ہونا ازبس لازم ہے کہ ان کے بغیر حقوق کی تحدید و تعین بھی نہیں ہوسکتی۔

شرائط ارکانِ مضاربہ:

بینک، صاحب مال اور ایجنٹ کے درمیان واسطہ ہونے کی حیثیت سے اس وقت تک وساطت کا کام انجام نہیں دے سکتا جب تک صاحب مال اور عامل میں چند مخصوص شرائط موجود نہ ہوں اور ان شرائط کی تفصیل درج ذیل ہے۔

صاحب مال کے شرائط:

بینک کا فرض ہے کہ صاحب مال کی طرف سے وکیل بن کر اس کے مال کو صرف کرنے سے پہلے صاحب مال میں حسب ذیل شرائط کا لحاظ کرلے اور اس کے بغیر وساطت کی ذمہ داری نہ لے۔

۱۔ صاحب مال شرعی قانون کے مطابق یہ عہد کرے کہ اس کا مال کم از کم چھ مہینے تک بینک کے تصرف میں رہے گا ورنہ اسے مضاربہ میں شریک نہیں کیا جائے گا اور بینک اس کی وکالت قبول نہیں کرے گا۔

۲۔ صاحب مال ان تمام قواعد وقوانین سے اتفاق کرے گا جنہیں غیر سودی بینک نے جدید مضاربہ کے لئے مقرر کئے ہیں اور جن کی وضاحت ابتدا ہی سے کردی جائے گی۔

۳۔ ثابت امانت رکھنے والا بینک میں ایک کرنٹ اکاونٹ بھی رکھے گا۔

آخری شرط میں حالات کے تحت تبدیلی بھی کی جاسکتی ہے اور بینک اپنے ضروریات کے مطابق سہولت سے کام لے سکتا ہے بلکہ یہ ممکن ہے کہ ثابت امانتوں کی ضرورت کے موقع پر اصلاً اس شرط کو اٹھا دیا جائے اور لوگوں کو مزید حسابات قائم کرنے پر مائل کیا جائے۔

ان شرائط کے بعد یہ کوئی ضروری نہیں رہ جاتا کہ ثابت امانت کی کوئی خاص مقدار معین کی جائے اور یہ طے کیا جائے کہ صرف خطیر رقمیں ہی قبول کی جائی گی۔ بلکہ ایسی کم سے کم رقم کو بھی قبول کیا جاسکتا ہے جس سے تن تنہا ''مضاربہ'' کا قیام ممکن نہیں ہے۔اس لئے کہ بینک کے معاملات میں ہر شخص کا مضاربہ مستقل نہیں ہوتا وہ تمام رقوم کو ملا کر ایک کاروبار میں لگا تا ہے اور سارے معاملات اموال کے اس ''بحر نا پیدا کنار'' سے متعلق ہو جاتے ہیں جس میں بے شمار افراد کی بے شمار دولت جمع ہوگئی ہے۔ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کسی ایک فریق کے مال مختصر یا حقیر ہونا اصل مضاربہ پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔

شرائط عامل

صاحب مال کی طرح عامل کے لئے بھی چند شرائط کا ہونا ضروری ہے کہ ان کے بغیر بینک اس کی طرف سے وکالت کا فرض انجام نہیں دے سکتا اور نہ اس کے لئے سرمایہ فراہم کرسکتا ہے۔

۱۔عامل کو امانت دار ہونا چاہئے اور اس کی امانت و وثاقت پر کم از کم دو ایسے گواہ ہونے چاہئیں جنہیں بینک پہچانتا ہو۔

۲۔بینک کے پاس اس بات کے کافی شواہد موجود ہوں کہ عامل بینک سے لئے جانے والے قرض کو کم سے کم خطرہ کے مواقع پر صرف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا کم از کم بینک کو اس کے بارے میں نیک امیدیں ہوں اور اس شخص کے پاس ایسے سابقہ تجربات ہوں جن کی روشنی میں یہ اطمینان پیدا کیا جا سکے۔

۳۔جس کام میں عامل مال کو صرف کرنا چاہتا ہے وہ محدود اور معلوم ہو اور طرفین اس کے خصوصیات سے باخبر ہوں تا کہ خود بینک بھی نتائج کا اندازہ کر کے فائدہ ونقصان کا حساب لگا سکے۔

۴۔ان لوگوں کو مقدم کیا جائے جن کے معاملات بینک کے ساتھ رہ چکے ہوں اور جو اچھے سابقے بھی رکھتے ہوں۔

۵۔ عامل ان تمام شرائط کا پابند ہو جو اس کے لئے بینک کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں مثلاً:

الف۔ وہ شرائط جن کا تعلق فائدہ کی تقسیم سے ہے۔

ب۔ بینک کی طرف سے انجام پانے والے پورے معاملے میں عامل کو اپنا رابطہ بینک سے رکھنا پڑے گا اور اپنا کرنٹ اکاؤنٹ بھی اسی بینک میں رکھنا پڑے گا تا کہ بینک کو فطری طور پر کاروبار کی نوعیت کا اندازہ ہوتا رہے۔

ج۔ مضاربہ کو مال کو صرف کرتے وقت تمام کاغذات کو باقاعدہ طور پر مرتب رکھنا ہوگا بلکہ بعض اوقات حکومت کے آڈیٹر کی تصدیق بھی ضروری [1] ہوگی۔

د۔ بینک کو ہر مضاربہ کے لئے الگ دستاویز مقرر کرنا ہوگی جس میں اس مضاربہ سے متعلق تمام معلومات کو ضبط کرنا ہوگا۔ اس دستاویز کی ابتدا مضاربہ کی قرارداد سے ہوگی اور عامل کے لئے ضروری ہوگا کہ وقت مضاربہ سے آخر تک اپنے کاروبار کی سیر کے ہر لمحہ سے بینک کو باخبر کرتا رہے اور بینک پر محفوظ کرتا رہے کہ کیا سامان خریدا گیا ہے؟ بازار کے بھاؤ میں کیا انقلابات آ رہے ہیں؟ اور کیا آ سکتے ہیں؟ اور خرید و فروخت کی قیمتوں کا توازن

---

[1] اس شرط کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر سودی بینک ان تجار سے معاملہ نہیں رکھنا چاہتا جن کا باقاعدہ حساب نہیں ہے یا وہ اپنے منافع کی باقاعدہ سالانہ اطلاع نہیں رکھتے ہیں جیسا کہ پسماندہ ممالک کے اکثر کاروباری لوگوں میں ہوا کرتا ہے۔ بلکہ غیر سودی بینک ایسے لوگوں سے محدود تعلقات رکھے گا اور جب ان میں سے کوئی آدمی بینک سے کسی رقم کا مطالبہ کرے گا کہ آج گیہوں خرید لے اور پھر موسم پر صرف کرے تو بینک اس کے کاغذات کو اس معاملہ کی حد تک نہایت درجہ مرتب اور مضبوط رکھے گا چاہے اس کے باقی معاملات کا کوئی حساب کتاب نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص مضاربہ کی بنا پر باقاعدہ تجارتی مرکز کھولنا چاہتا ہے تو بینک کا فرض ہے کہ اس کے سارے معاملات کو محفوظ رکھے۔ رہ گیا قانونی آڈیٹر کا سوال تو وہ ان مقامات پر نہایت ہی آسان ہے جہاں باقاعدہ کوئی فرم قائم ہے اور پرائیویٹ یا شرکت کے عنوان سے کاروبار ہو رہا ہے۔ دشواری صرف چھوٹے چھوٹے کاروباری لوگوں میں ہوگی جن سے بینک نے محدود معاملہ کیا ہے لیکن ان کے لئے بھی ممکن ہے کہ بینک اپنی طرف سے آڈیٹر مقرر کر دے اور اس کی اجرت اس پوری منفعت سے دی جائے جو اصل معاملہ سے حاصل ہوتی ہے۔

کیا ہے؟ وغیرہ۔

بینک کے ان اطلاعات اور معلومات کے پہنچنے کے ذرائع کی تحدید خود بینک کی طرف سے ہوگی وہ اس کام کے لئے مخصوص اشارات بھی مقرر کرسکتا ہے اور عامل کو یہ حق بھی دے سکتا ہے کہ وہ معاملہ کے معلومات کو ٹیلیفون کے ذریعہ بہم پہنچا تا رہے۔

اس کے علاوہ اور شرائط بھی ہو سکتے ہیں جن کا تعلق حالات اور عمل کی نوعیت سے ہوگا قبل از وقت ان کی با قاعدہ تحدید نہیں ہوسکتی۔

صاحب مال اور عامل میں جملہ شرائط کی فراہمی کے بعد بینک اپنی وساطت ووکالت کا کام شروع کرے گا اور اس کا فرض ہے کہ جس کاروبار کے لئے مال کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اس کی افادیت کا مطالعہ کرے اور با قاعدہ مطالعہ کرنے کے بعد مال عامل کے حوالے کر دے۔

بینک کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ کامیاب مضاربہ کے لئے خود بھی کوشش کرتا رہے اور لوگوں کے اموال کو معطل نہ رکھے۔ اس کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ خزانہ میں رقم رکھنے کی غرض سے کامیاب مضاربہ کے مواقع فراہم کرنے میں سستی سے کام لے یا اپنے ذاتی اموال کے مضاربہ کو دوسرے افراد کے مضاربہ پر مقدم کر دے۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

ارکانِ مضاربہ کے حقوق

حقوق صاحبِ مال

بینک کے کاروبار کا پہلا رکن اصحاب مال کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اصحاب مال سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جن کے مال سے بینک کا کاروبار چل رہا ہے۔

یا دوسرے لفظوں میں سودی اور غیر سودی بینک کا ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ سودی بینکوں میں صاحب مال سے مال بطور قرض لیا جاتا ہے اور بینک اسے اپنی ملکیت بنا کر معاملہ کرتا ہے۔

اور غیر سودی بینک میں ایسا کچھ نہیں ہوتا یہاں مال اپنے مالک کی ملکیت پر باقی رہتا ہے اور بینک صرف ایک امانت دار کی حیثیت سے لوگوں کی امانتیں لے کر ان کی اجازت سے کاروبار کرتا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ یہاں امانتیں الگ الگ نہیں رکھی جاتیں بلکہ مالکان کی اجازت سے ایک دوسرے میں ملا دی جاتی ہیں اور اس طرح تمام مالکان کی ملکیت پورے مال میں مشاع اور مشترک ہو جاتی ہے کہ سب کا ایک مجموعی مال ہوتا ہے اور ایک مجموعی مالک، مال کے ہر جزء میں ہر مالک کا بقدر حصہ رسدی حق ہوتا ہے اور وہ اتنے حصہ کا مالک تصور کیا جاتا ہے بلکہ جو نئی رقمیں بھی آتی ہیں انہیں بھی اموال کے اسی سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے اور ان کا مالک بھی بقدر حصہ رسدی مجموعہ کا حقدار تصور کیا جاتا ہے۔

مضاربہ کے اس رکن اول ''اصحاب امانت'' کے حقوق کی تعین کرنے کے لئے دو باتوں کی شدید ضرورت ہے۔

ایک یہ کہ یہ حقوق اسلامی قوانین سے ہم آہنگی رکھتے ہوں اور باہمی تضاد وتصادم کا شکار نہ ہوں۔

اور دوسرے یہ کہ یہ حقوق دوسرے اصحاب مال میں شوق پیدا کرسکیں کہ وہ بھی اپنا مال بینک کے حوالہ کردیں ورنہ اگر غیر سودی بینک میں یہ نقص رہ گیا اور سودی بینک اس نکتہ کی طرف متوجہ رہے تو اس بینک کی طرف کوئی توجہ نہ کریگا۔ اور یہ خود بخود ختم ہوجائے گا۔

تحقیق وتفتیش کے مطابق اصحاب امانت کو مال جمع کی طرف رغبت دلانے والی حسب ذیل چیزیں ہوسکتی ہیں:

الف۔امانت کی ضمانت:۔

جیسا کہ سودی بینکوں کا اصول ہے کہ وہ مال کو بطور قرض لیا کرتے ہیں اور اس کے ضامن بھی ہوتے ہیں۔

ب۔فائدہ

جسے سودی بینک قرض کی منفعت کے طور پر دیا کرتے ہیں۔

ج۔صاحب مال کا اختیار کہ قرارداد کے مطابق وہ جب چاہے مال کو واپس لے لے یا اس میں سے تھوڑا سا حصہ برآمد کرلے۔

ا۔ضمانت:۔

جہاں تک مال کی ضمانت کا تعلق ہے غیر سودی بینک کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ صاحبان اموال کو ان کی امانتوں کی ضمانت دے دے۔

اس لئے نہیں کہ ان کا مال قرض ہے اور قرض میں ضمانت قہری طور پر ہوا کرتی

ہے۔اس لئے بھی نہیں کہ کاروباری لوگ اس مال کے ذمہ دار ہیں کہ شرعی نقطہ نظر سے ان کی حیثیت ایک عامل کی ہے اور عامل کو ذمہ دار نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ خود بینک اس بات کی ضمانت دے گا کہ اگر مال ضائع ہو گیا تو سارے مال کی قیمت مالک کے حوالے کر دی جائے گی۔

اس ضمانت میں کوئی شرعی مضائقہ نہیں ہے اشکال صرف اس صورت میں ہے جب عامل کو سرمایہ کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ اسلامی نقطہ نظر سے عامل سرمایہ کا ذمہ دار نہیں ہوا کرتا۔اس کا کام کاروبار کرنا ہے فائدہ ہو گیا تو خیر ورنہ وہ ضامن نہیں ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ بینک عامل نہیں ہے وہ صرف واسطہ ہے۔اور واسطہ کے لئے یہ مکمل امکان ہے کہ وہ صاحب مال کو اس کے مال کی ضمانت دے دے تا کہ اس کو مال سپرد کرنے میں کوئی جھجک نہ ہو اور بینک کا کام پوری رفتار سے چلتا رہے یہ اور بات ہے کہ بینک کو ایسا راستہ اختیار کرنا پڑے گا جس سے صاحب مال کو شرعی اطمینان پیدا ہو جائے گا اس کا مال ضائع نہ ہو گا اور بینک شرعاً ضامن رہے گا۔(اس مسئلہ کی تفصیل ملحقات میں دیکھی جا سکتی ہے۔)

۲۔فائدہ

بینک کے کاروبار کا دوسرا عنصر جس کے اعتماد پر ارباب دولت اپنا مال بینک کے حوالے کیا کرتے ہیں فائدہ کی امید ہے۔ایک غیر سودی بینک کے لئے اس مسئلہ کا بھی علاج ضروری ہے ورنہ تمام لوگ اپنا مال انہیں سودی بینکوں کے حوالے کر دیں گے اور غیر سودی بینک ناکام ہو کر رہ جائے گا۔

غیر سودی کاروبار میں اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اصحاب مال فائدہ میں فیصدی کے حساب سے طے کر لیں اور معاملہ ختم ہونے پر اسی حساب سے بینک سے وصول کر لیں۔اس لئے کہ بینک کا کاروبار شرعی اصطلاح میں''مضاربہ'' ہے اور مضاربہ میں مالک اپنے ایجنٹ سے فیصدی کے حساب سے فائدہ طے کیا کرتا ہے اور اس میں کوئی اشکال

بھی نہیں رہتا۔لیکن مشکل یہ ہے کہ اس فائدے میں اور سودی بینکوں کے فائدے میں ایک فرق رہے گا اور وہ یہ ہے کہ سودی بینک کا فائدہ بہر حال ہاتھ آئے گا، چاہے کاروبار میں ترقی ہو یا تنزل۔لیکن غیر سودی بینک میں ایسا نہیں ہے یہاں کاروبار مضاربہ کے عنوان پر چلتا ہے اور مضاربہ کا قانون ہی یہ ہے کہ اگر فائدہ ہو گیا تو خیر ورنہ کسی کو کچھ نہیں مل سکتا۔

صرف صاحب مال کا سرمایہ ضرور محفوظ رہے گا لیکن عامل کی محنت بالکل ہی ضائع سمجھی جائے گی یہ اور بات ہے کہ یہ احتمال صرف ایک نظری احتمال ہے ورنہ عادتاً یہ ناممکن ہے کہ اتنے بڑے کاروبار میں کوئی فائدہ نہ ہو اس لئے کہ بینک کا انداز معمولی دکانوں کا نہیں ہے جہاں نقصان کے احتمالات قوی رہتے ہیں۔

یہاں سینکڑوں معاملات ایک ساتھ چلا کرتے ہیں اور سب کا مال ''مشترک'' انداز سے مخلوط رہتا ہے اب ایک معاملہ میں فائدہ نہیں بھی ہوا تو دوسرے میں ضرور ہوگا اور اگر دوسرے میں نہیں ہوا تو تیسرے میں ہوگا۔اس طرح کہیں نہ کہیں تو فائدہ ہو ہی جائے گا اور جہاں بھی فائدہ حاصل ہو گیا وہ تمام ارباب مال پر تقسیم کر دیا جائے گا۔

ایسے حالات میں فائدہ کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنے کثیر معاملات میں نقصان ہی رہے اور کہیں فائدہ کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔ یہ بات عقلی طور پر تو سوچی جا سکتی ہے لیکن عملی میدان میں اس کا وجود نہیں ہے۔

غیر سودی بینک کے گرد و پیش زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اس بینک میں ملنے والی فیصدی منفعت کو سودی بینکوں کے انٹرسٹ سے کم نہیں ہونا چاہئے ورنہ لوگ اپنے اموال کو سودی بینکوں کے حوالے کر دیں گے اور غیر سودی بینک کی اسکیم ناکامیاب ہو جائے گی۔

اس پیشکش کا ذریعہ یہ ہے کہ پہلے تخمینی طور پر یہ اندازہ لگایا جائے کہ موجودہ حالات میں تجارت کی شرح منفعت کیا ہوا کرتی ہے۔اس کے بعد اصحاب مال کے مال کو پورے سرمائے کی طرف نسبت دے کر فیصدی کے حساب سے ان کے فائدہ کا اندازہ لگا لیا

جائے اورانہیں اتنی مقدار میں فائدہ بتادیا جائے جوسودی بینک کے انٹرسٹ سے کم نہ ہو۔

مثال کے طور پر اگر بینک کا پورا سرمایہ ایک لاکھ روپیہ ہے اور حالات کے تحت اندازہ یہ ہے کہ اتنی رقم پر تجارت میں ۲۰ فیصدی فائدہ ملا کرتا ہے۔یعنی ایک لاکھ سرمایہ سال بھر کے بعد ۲۰ ہزار مزید ہو جاتا ہے اور عام طور پر سودی بینک ۵ فیصدی سود دیا کرتے ہیں یعنی ایک لاکھ کے سرمایہ پر پانچ ہزار تقسیم کر دیا کرتے ہیں تو غیر سودی بینک کا فرض ہے کہ اس کے فائدے کی شرح اس سے کچھ زیادہ ہی ہو یہ اور بات ہے کہ سودی بینک میں سود کی شرح ارباب مال سے طے کی جاتی ہے اور غیر سودی بینک میں پورے فائدہ کو پیش نظر رکھ کر منفعت تقسیم کی جائے گی۔

شرح منفعت کا سود سے زیادہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس طرح عوام میں ترغیب وتشویش پیدا ہوگی اور لوگ اپنے اموال کو غیر سودی بینک کے حوالے کریں گے ورنہ اگر شرح منفعت برابر بھی ہوئی تو غیر سودی بینک کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔اس لئے کہ سودی بینکوں میں سود کی ضمانت رہتی ہے اور ہر صاحب مال کو یہ اطمینان رہتا ہے کہ کاروبار میں فائدہ ہو یا نقصان ہمارا سود بہرحال محفوظ رہے گا لیکن غیر سودی بینک میں ایسا نہیں ہے یہاں یہ احتمال ضرور رہتا ہے کہ اگر کاروبار میں نقصان ہوگیا تو ہمارا فائدہ بھی سوخت ہو جائے گا۔انہیں خطرات کے پیش نظر تخمینی فائدہ کا زیادہ سے زیادہ حصہ اصحاب مال پر تقسیم کرنا چاہئے تا کہ لوگوں کا شوق بیش از بیش ہو اور بینک برابر ترقی کرتا رہے۔

یہ سوال ضرور رہ جاتا ہے کہ اس فائدہ کو عام شرح سود سے کتنا زیادہ ہونا چاہئے لیکن کھلی ہوئی بات ہے کہ اس کی مکمل تحدید نہیں کی جاسکتی۔اس کا صرف ایک معیار یہ ہے کہ فائدے کے امکانات کو نقصان کے امکانات سے ملا کر دیکھا جائے اور اگر فائدے کے امکانات زیادہ ہیں تو منفعت زیادہ کر دی جائے ورنہ اگر فائدہ کے امکانات کم ہیں تو منفعت کم کر دی جائے۔

مثال کے طور پر یوں کہا جائے کہ تجارت میں فائدہ اور نقصان دونوں ہی کے

احتمالات پائے جاتے ہیں اورمنفعت کی تقسیم ان ہی دونوں کے گرد چکر لگایا کرتی ہے جیسے جیسے فائدہ کا احتمال قوی ہوتا جاتا ہے منفعت بڑھتی رہتی ہے اور جیسے جیسے نقصان کا احتمال قوی ہوتا ہے فائدہ کی مقدار گھٹتی رہتی ہے اور چونکہ یہ معاملات حالات سے متعلق ہیں اس لئے ان کی صحیح تحدید نہیں ہوسکتی۔

مثال کے طور پر یہ فرض کیا جائے کہ بازار میں فائدہ کی شرح پانچ فیصد ہے اور نقصان کا احتمال دس فیصد رہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فائدہ کا اوسط اس طرح نکالا جائے گا 10/100x5/100=1/200 اور اس کے بعد اصحاب مال کو دی جانے والی منفعت کا اندازہ اس طرح کیا جائے گا 5/100+1/100=5/1000

مختصر لفظوں میں اس مطلب کی تشریح اس طرح کی جاسکتی ہے کہ اصل سرمایہ ایک ہزار روپیہ ہے اور فائدہ کی توقع ۲۰ فیصد ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فائدہ ۲۰۰ روپیہ ہوگا اور سابق حساب کی بنا پر تقسیم ہونے والی رقم 55/100 ہے نتیجہ کے طور پر اصحاب مال کو ملنے والی رقم کا فیصدی حساب یوں ہوگا 100x55/200=5 و ستائیس فیصد یا 275/1000 ہوگا

کاروبار سے پہلے

سودی بینکوں کے سود کے برابر اس سے زیادہ فائدہ کا انتظام کرنے کے بعد بھی ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ابھی غیر سودی بینک میں ایک کمزوری رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ سودی بینک میں مال کا نتیجہ روز اول ہی سے ظاہر ہونے لگتا ہے اور صاحب مال کو اس کے مال کے فوائد کا حساب نظر آنے لگتا ہے لیکن غیر سودی بینک میں ایسا نہیں ہوسکتا وہاں فائدے کے فیصدی حساب کے لئے یہ ضروری ہے کہ مال کاروبار کی راہ پر لگ جائے اور نتیجہ سامنے آجائے ورنہ کاروبار میں لگنے سے پہلے فائدہ کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا اور یہ بہرحال طے شدہ ہے کہ مال بینک میں آتے ہی کاروبار کی راہ پر نہیں لگتا ہے بلکہ ایک مختصر مدت ایسی ضرور گزرتی ہے جب مال بینک میں پڑا رہتا ہے اور اس کے بعد مناسب موقع

آنے پر کسی کاروبار میں لگایا جاتا ہے۔ضرورت ہے کہ اس کمزوری کا مداوا بھی کیا جائے ورنہ اصحاب مال اپنے مال کو ایسے بینک کے حوالے نہ کریں گے اور سارا مال ان سودی بینکوں کے سپرد کر دیں گے جہاں فائدہ فوری طور پر مل جاتا ہے۔تقسیم فائدہ کی بحث میں اس نکتہ پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے اور یہ واضح کیا جائے گا کہ ان خطرات کے ہوتے ہوئے اصحاب مال کس طرح اپنا مال بینک کے حوالے کر سکتے ہیں۔

مال برآمد کرنے کا اختیار:۔

سودی بینک میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں ہر صاحب مال کو ایک مخصوص مدت میں اپنے مال کو برآمد کر لینے کا اختیار ہوتا ہے اور وہ مقررہ شرائط کے تحت جس وقت چاہتا ہے اپنے مال سے استفادہ کر سکتا ہے لیکن غیر سودی بینک میں بظاہر ایسا نہیں ہوسکتا۔

ضرورت ہے کہ غیر سودی بینک میں بھی اس طرح کی سہولت فراہم کی جائے اور یہاں بھی صاحبان اموال کو مال برآمد کرنے کا اختیار دیا جائے ورنہ یہ نظام کامیاب نہ ہو سکے گا۔

اس مقام پر یہ کام بے حد مشکل ہے کہ مال مختلف کاروباری مراکز میں لگا دیا جاتا ہے اور محض قرض نہیں ہوتا کہ جب چاہا دے دیا اور جب چاہا واپس لے لیا بلکہ اس کی نوعیت مضاربہ کی ہوا کرتی ہے لیکن پھر بھی غیر سودی بینک کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ مال جمع کرنے کے بعد سے چھ مہینے کی مدت مقرر کر دے کہ اس مدت کے گزر جانے کے بعد ہر شخص کو مال برآمد کرنے کا اختیار ہوگا اور اس سے پہلے یہ اختیار نہیں دیا جائے گا۔ برآمد کرنے کی صورت میں بھی یہ شرط لگا دی جائے گی کہ اصل مال نہیں دیا جائے گا صرف نقدی قیمت دی جائے گی۔مثال کے طور پر اگر تمام اموال کو کسی بڑی تجارت میں لگا دیا گیا ہے تو چھ مہینے کے بعد بھی یہ ناممکن ہے کہ کسی ایک آدمی کا حصہ مال تجارت میں سے الگ کر لیا جائے صرف اتنا ممکن ہے کہ اس کے حصہ کی نقدی قیمت ادا کر دی جائے ورنہ بینک کا کاروبار نہیں چل سکتا اور مال کے واپس لے لینے کا قانونی مطلب یہ ہوگا کہ اس شخص نے اپنے مال میں عقد

مضاربہ کو فسخ کر دیا ہے اور اب اس قرارداد پر باقی نہیں رہنا چاہتا۔ چھ مہینے کے بعد مال نکال لینے کے اختیار کے سلسلے میں بھی حسب ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔

ا۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ تمام اموال کی مدت ایک ہی وقت میں پوری ہو بلکہ مختلف اموال کے اعتبار سے چھ مہینے کی انتہا بھی مختلف ہو سکتی ہے۔ ایک کا چھ مہینہ آج پورا ہوا اور دوسرے کا دو مہینے بعد۔

ب۔ عمومی حالات میں یہ بات طے شدہ ہے کہ مختلف اوقات میں پوری ہونے والی مدت پر قیمت ادا کرنے میں بھی بینک کو بہت معمولی رقم کا سامنا کرنا پڑے گا جس کی نسبت تمام اموال کے مقابلہ میں ۱۰ / ۱ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

ج۔ جس امانت کو صاحب مال چھ مہینے کے بعد واپس لینا چاہتا ہے وہ کسی ایک کاروبار میں نہیں لگائی گئی۔ اس کے نکل جانے کے بعد کاروبار کمزور پڑ جائے بلکہ امانتوں کے بحر ناپیدا کنار میں گھل مل کر رہ گئی ہے کہ اس کے نکل جانے کے بعد کسی ایک کاروبار پر بھی ایسا اثر نہیں پڑے گا جو اسے متزلزل بنا سکے بلکہ دوسرے کاروبار مل کر اس کمزوری کو سنبھال لیں گے اور بینک کا کام چلتا رہے گا۔

د۔ جس میں پلانٹ میں امانتوں کا مصرف ہو چکا ہے ان کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنے سرمایہ کا ایک نقدی حصہ بینک کے پاس جمع کر دیں اور اپنا ایک ایسا حساب بھی بینک میں رکھیں۔

اور یہ بات بھی اس پلانٹ میں واضح ہے کہ جس کا کوئی موسم معین نہیں ہے لیکن جب پلانٹ کا موسم مقرر ہے اس کے لئے بینک ایسا وقت مقرر کرے گا جب عام طور سے اس کے پاس نقد رقم جمع ہو جاتی ہے اور اس سے یہ شرط کرے گا کہ اپنے نقد کا ایک کرنٹ اکاؤنٹ بھی کھولے اور اس کی مقدار ایک مخصوص مقدار سے کم نہ ہو۔ اس کے بعد جب یہ موسم گزر جائے گا تو بینک نقد رقم کی ذمہ داری ان پلانٹوں اور کاروباروں پر ڈال دے گا

جن کا کوئی موسم مقرر نہیں ہے۔ [1] اور جو سال بھر برابر چلتے رہتے ہیں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جو پلانٹ بھی بینک کے مقرر کئے ہوئے ان اصولوں پر کاربند ہوگا وہ سال کے مخصوص وقت میں محدود مقدار میں نقد رقم یقیناً حاصل کر سکتا ہے۔

ہ۔ بینک اس بات پر مجبور نہیں ہے کہ مدت گزر جانے پر امانت کا مطالبہ کرنے والوں کو پلانٹ سے اصل مال نکال کر دے دے بلکہ اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس مال کی قیمت صاحب مال کے حوالے کرے۔

الف۔ وہ ثابت امانتیں جنہیں ابھی تک کسی کاروبار میں نہیں لگایا جا سکا ہے اور وہ بینک کے پاس بشکل نقد محفوظ ہیں۔

ب۔ وہ متحرک امانتیں جنہیں ہر وقت اپنے پاس محفوظ رکھنے کا اختیار بینک کو حاصل رہتا ہے اور بینک انہیں امانتوں سے اپنے نقصانات کی تلافی کرتا ہے۔

ج۔ بینک کا وہ اصلی نقد سرمایہ جسے بینک نے ان مطالبات کا مقابلہ کرنے کے لئے محفوظ کر لیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر بینک نے یہ قیمت ثابت امانتوں سے ادا کی ہے تو منفعت کی تقسیم میں کوئی زحمت نہ ہوگی اور نہ اس کے معاملہ میں کوئی تغیر ہوگا۔ لیکن اگر یہی قیمت متحرک امانت یا اصل سرمایہ سے دی ہے تو فائدہ کی تقسیم میں کافی فرق پڑ جائے گا۔ اس لئے کہ بینک اپنے کاروبار کو جاری رکھنے کی بنا پر خود سابق صاحب مال کی جگہ پر آ جائے گا اور اس کے اس حقہ کا حقدار ہو جائے گا جو مال برآمد کرنے سے معاملہ ختم ہو جانے کے درمیان

---

[1] استاذ فاضل ڈاکٹر خلیل سماع نے بینک ''اطلابوری'' کے مطالعہ کے دوران اس نکتہ کا اضافہ کیا ہے کہ کاروبار کو موسمی اور غیر موسمی پر تقسیم کر کے دونوں کی الگ الگ ذمہ داریاں مقرر کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ہر پلانٹ کے لئے ایک مشترک شرط کر دی جائے اور وہ یہ کہ غیر سودی بینک کے معاملت کرنے والے ہر ادارہ کا فرض ہے کہ وہ کچھ نقد مال بطور قرض بینک کے پاس محفوظ رکھے۔ اس مال کی مقدار کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو اس کا ہونا بے حد ضروری ہے اور اس کی نوعیت وہی ہے جو امریکہ کے تجارتی بینکوں میں قابل تبدیل رسد کے نام سے رائج ہے۔(REANSFERABLESECURITY)

حاصل ہوا ہے اور اس طرح بینک کو اپنے اموال کے ساتھ بھی یہ ثابت امانتوں کا معاملہ کرنا پڑے گا جیسا کہ تقسیم منفعت کی بحث میں بالتفصیل بیان کیا جائے گا۔

اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیر سودی بینک کی تھیوری میں ایسے نکات تلاش کر لئے گئے ہیں جہاں سودی بینک کے تینوں عناصر، ضمانت، مال اور فائدہ اور اختیار بر آمد بھی جمع ہو گئے ہیں اور سود کی لعنت سے بھی نجات مل گئی ہے۔ اس کے بعد خود بینک کی ذمہ داریوں پر بحث کی جائے گی۔

بینک کے حقوق

بینک کے کاروبار کا دوسرا اہم رکن خود بینک کو شمار کیا جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اگر غور کیا جائے تو بینک کوئی رکن نہیں ہے وہ نہ صاحب مال ہے نہ عامل۔ اس کا کام صرف دونوں کے درمیان وساطت کا ہے اور بس۔ اس بینک کی موجودگی کا فائدہ صرف یہ ہے کہ کاروبار کرنے والوں کو ایک ایک صاحب مال کے دروازے پر جا کر بھیک نہیں مانگنا پڑتی۔ اور نہ ان سے کاروبار کی کوئی قرارداد کرنا پڑتی ہے بلکہ ان تمام زحمتوں کو خود بینک برداشت کر لیتا ہے اور سارے اموال کو جمع کر کے ایک ساتھ کاروبار کرنے والوں کے حوالے کر دیتا ہے ان کا معاملہ صرف بینک سے ہوتا ہے اور قراردادیں بھی اسی سے طے کی جاتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ بینک کا اتنا بڑا کام انجام دینا ایک اہم خدمت ہے جس پر اسے اجرت لینے کا قطعی حق ہے اور وہ بطور جعالہ [1] (قرارداد) ہر اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے بینک کے جعالہ (قرارداد) کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔

---

[1] یعنی بینک کو یہ اعلان کرنے کا حق ہے کہ میں صاحبان ثروت اور تاجروں کے درمیان وساطت کا فرض انجام دے سکتا ہوں لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ مجھے دونوں کی طرف سے اتنی مقدار میں رقم ملنی چاہئے۔ اب یہ بینک کے اختیار میں ہے کہ وہ کاروبار کے لحاظ سے فیصدی اجرت طے کرے یا ایک رقم مقرر کر دے۔ ویسے عام طور سے رقم ہی طے کی جاتی ہے اس لئے کہ بینک کا حق المحنت فائدے کے ہونے یا نہ ہونے کا پابند نہیں ہے۔ حق المحنت بہر حال دیا جاتا ہے چاہے سارا کاروبار معطل ہو کر رہ جائے۔ (جوادی)۔

ا۔ محنت کی وہ معین اجرت لی جائے جس کا اندازہ سودی بینکوں میں صاحبان اموال کو دی جانے والی رقم اور صاحبان تجارت سے لی جانے والی رقم کے تفاوت سے کیا جاسکتا ہے اور اس میں سے وہ زیادہ حصہ الگ کر دیا جائے جو غیر سودی بینک میں صاحبان اموال کو تشویق و ترغیب کے لئے دیا جاتا ہے۔

اس زیادتی کو الگ کرنے کے بعد دیکھا جائے تو سودی بینکوں کی آمدنی کا اصل ذریعہ یہی تفاوت ہے جو ایک طرف سے لئے جانے والے سود اور دوسری طرف دیئے جانے والے سود کے درمیان واقع ہوتا ہے۔

غیر سودی بینک میں فائدہ کی یہ مقدار کافی نہیں ہے اور اس کی زندگی کے لئے صرف یہ تفاوت کفالت نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ سودی اور غیر سودی بینک میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ یہاں امانتوں کی تمام تر ذمہ داری خود بینک کے سر ہے اور وہی تمام صاحبان اموال کے مال کا عہدہ دار ہوتا ہے جب کہ سودی بینکوں میں ایسا نہیں ہوتا وہاں مال کی ذمہ داری ان ارباب تجارت کے سر ہوتی ہے جو ان اموال کو بینک سے بطور قرض لے کر تجارت کرتے ہیں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ قرض دیئے جانے کے بعد دینے والا مال کا ذمہ دار نہیں ہے بلکہ لینے والا ذمہ دار ہوتا ہے۔ برخلاف امانت کہ امانتدار بہرحال ذمہ دار ہوتا ہے چاہے مال کو اپنے پاس رکھے یا کسی دوسرے کے حوالے کر دے۔ ایسے حالات میں غیر سودی بینک کو ملنے والی اجرت کی مقدار کو سودی بینکوں کی اجرت سے زیادہ ہونا چاہئے کہ جس کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں، اس کا حق بھی زیادہ ہوتا ہے۔

۲۔ بینک کی اجرت کا دوسرا عنصر یہ ہے کہ بینک کو محنت کی اجرت کے علاوہ خود کاروبار کرنے والوں سے بھی ایک اجرت دلوائی جائے اور اسے تاجروں کے حصہ میں فیصدی حساب سے شریک کر دیا جائے۔ اس اجرت کا اندازہ سودی اور تجارتی بازاروں میں دوقسم کے سرمایوں کے تحفظ کی اجرت سے کیا جاسکتا ہے یعنی اس اجرت کا اندازہ کرنے کے

لئے اسلامی بازاروں سے ہٹ کر سودی اور تجارتی بازاروں کا جائزہ لینا پڑتا ہے اور یہ دیکھا جائے گا کہ ان [1] کے یہاں سرمایہ کی اجرت کا معیار کیا ہے؟

کھلی ہوئی بات ہے کہ سودی بازاروں میں جہاں سرمایہ کی ضمانت ہوتی ہے وہاں سرمایہ کی اجرت کے طور پر بینک صاحبان تجارت سے اچھی خاصی منفعت کا مطالبہ کرتا ہے اور تجارتی بازاروں میں جہاں سرمایہ ہر وقت خطرے میں رہتا ہے اور اس کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ صاحب مال تاجر سے ''مضاربہ'' کے طور پر معاملہ کر کے اس کے نفع میں فیصدی کے اعتبار سے شریک ہو جاتا ہے اور عمومی طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ اس فیصدی حساب سے حاصل ہونے والا نفع بینک کے طے کئے ہوئے سود سے زیادہ ہی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کہ جس مال کی ضمانت لے لی جاتی ہے اس کی اجرت کم ہوتی ہے اور جس مال کی کوئی ضمانت نہیں رہتی اس کی اجرت قہری طور پر زیادہ ہوتی ہے۔

غیر سودی بینک میں انہیں دونوں قسموں کی اجرتوں کے تفاوت کو بینک کے حوالے کیا جائے گا اور اسے اس کا حق المحنت حساب کیا جائے گا۔

بینک کے اس جعالہ کی مزید وضاحت اس انداز سے کی جاسکتی ہے کہ جن بازاروں میں سرمایہ کا کاروبار کیا جاتا ہے وہاں ایسے اموال کی اجرت کے لئے جن کی قیمت کی بھی ضمانت ہے اور منفعت کی بھی۔ اجرت کی ایک ادنیٰ حد ہے اور ایک اعلیٰ حد۔

ادنی حد وہ ہے جسے سودی بینک اہل مال سے لئے ہوئے قرض کے مقابلہ میں بطور فائدہ دیا کرتا ہے اور اعلیٰ حد وہ ہے جسے کاروباری لوگ اس بینک کے حوالہ کرتے ہیں جس نے انہیں تجارت کرنے کے لئے سرمایہ فراہم کیا ہے بینک کے حوالے کیا کرتے ہیں۔

---

[1] یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ اسلامی قانون میں سرمایہ کی اجرت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس فرق کا اندازہ غیر اسلامی بازار ہی سے کیا جاسکتا ہے جس کی مثال اسلامی فقہ میں یہ ہے کہ اگر سور اور بکری کو ایک ساتھ بیچ دیا جائے اور بعد میں بکری کے معاملہ کو شرعاً الگ کرنا چاہیں تو سور کی قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے کافر بازاروں ہی کا جائزہ لینا پڑے گا مسلم بازاروں میں سور کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ جوادی

اس کے علاوہ ایک تیسری قسم بھی ہے جہاں سرمایہ کی قیمت کی ضمانت دی جاتی ہے لیکن فائدہ کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ جیسے غیر سودی بینک میں جمع ہونے والی امانتیں، کہ ان میں اصل مال کی قیمت کی ضمانت دی جاسکتی ہے لیکن فائدہ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ کاروبار کے خاتمہ پر ہوگا اور اس وقت فائدہ بھی ہوسکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فائدہ اعلیٰ حد تک پہنچ جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ادنیٰ حد تک بھی نہ ہو۔ ایسے سرمایے کی اجرت جو فائدے میں فیصدی کے حساب سے طے ہوتی ہے، سابق کے ''مضمون القیمۃ والمنفعت'' مال کی اجرت سے زیادہ ہونا چاہئے ورنہ یہ کاروبار فیل ہو جائے گا۔ لیکن اس زیادتی کا حساب فائدے اور عدم فائدے کے احتمالات کا اندازہ کرنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔

اس مقام پر ایک چوتھی قسم بھی نکل سکتی ہے جہاں نہ اصل سرمایہ کی ضمانت ہو اور نہ فائدہ ومنفعت کی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنا نقدی سرمایہ خالص اسلامی قانون سے مضاربہ کرنے کے لئے دوسرے کے حوالے کردے اور اس سے اصل سرمایہ کی ضمانت بھی نہ لے۔ ظاہر ہے کہ اس مقام پر نہ مال کی ضمانت ہوگی نہ فائدہ کی۔ اس لئے کہ اسلامی مضاربہ دونوں سے بے نیاز ہوتا ہے اور صاحب مال ہر آن خطرے سے دوچار رہتا ہے۔

اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسے سرمائے کی اجرت سابق کے تمام اموال کی اجرت سے زیادہ ہونا چاہئے اور اس کو فائدہ میں فیصدی نسبت ملنی چاہئے جو سابق کی تمام مقرر شدہ اجرتوں سے زیادہ ہو ورنہ کوئی شخص اقدام کے لئے تیار نہ ہوگا۔

ضمانت شدہ اموال کی اجرت پر گفتگو کرتے ہوئے ہماری نظر اسلامی قوانین پر نہیں ہے بلکہ ہم نقد کے سودی بازاروں کے قوانین کے مطابق گفتگو کر رہے ہیں ورنہ اسلامی قوانین میں نقد سرمایہ کی اجرت کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ ایسے کاموں کے لئے قہری طور پر سودی اور تجارتی بازاروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اور ان بازاروں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر سودی بینک کے پاس جمع شدہ اموال کاروبار کرنے والوں کے اعتبار

سے بالکل غیر ضمانت شدہ ہیں۔ وہ لوگ نہ اصل مال کے ضامن میں ہیں اور نہ فائدے کے، وہ صرف اتنی اجرت کے ضامن ضرور ہیں جسے بینک بطور حق المحنت وصول کرتا ہے لیکن اسے اصل سرمایہ یا اس کے کاروبار سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے اس کا تعلق براہ راست بینک کی محنت سے ہے جس میں نظر محنت پر ہے کاروبار پر نہیں۔

اصل مال کی ذمہ داری بینک نے لے لی ہے اور فائدہ کا خطرہ صاحبان اموال نے مول لیا ہے ورنہ ان کے لئے بے حد آسان تھا کہ وہ اپنے اموال کو سودی بینکوں کے حوالے کر دیتے اور ان کا فائدہ محفوظ رہتا ہے۔ ایسے حالات میں کاروبار کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قدر معاوضہ دیں جو عام بازاروں میں ایسے آزاد اموال کی اجرت کے برابر ہو وہ صرف اتنی مقدار میں رقم کم کر سکتے ہیں جو انہوں نے بینک کو مستقل حق المحنت کے طور پر دی ہے۔ اس کے بعد بینک کا حساب شروع ہوگا اور وہ ایسے سرمائے کا حساب کرے گا جس میں قیمت اور فائدہ دونوں کی ضمانت ہو اور اس کی اجرت کی حدود ادنیٰ کا اندازہ کر کے اس پر فائدے کے خطرات کی اجرت کا اضافہ کرے گا اور دونوں کو جمع کر کے صاحبان اموال کو دے دے گا اور باقی خود اس کا مال ہو جائے گا جو اس نے بطور اجرت حاصل کیا ہے لیکن یاد رہے کہ کاروباری لوگوں پر یہ ساری ذمہ داری ان کے ذاتی اموال سے متعلق نہیں بلکہ اس کا تمام تر تعلق تجارتی فائدہ سے ہے اس لئے اگر کسی معاملہ میں فائدہ نہیں ہوا تو ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ بینک صرف اتنی اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے جسے معاملہ کے فائدہ ونقصان سے قطع نظر بطور حق المحنت طے کر لیا ہے اور تقریباً وہی مقدار ہوگی جو سودی بینکوں میں کاروباری لوگوں سے لئے جانے والے اور صاحبان اموال کو دیئے جانے والے سود کے درمیان تفاوت کی ہوا کرتی ہے۔

بینک کو ملنے والی مذکورہ بالا اجرت کا حساب کاروبار کے آغاز ہی میں اس وقت ہونا چاہیئے جس وقت کاروبار کرنے والے سے فائدہ کی وہ نسبت طے کی جائے جس میں بینک اور صاحب مال دونوں شریک ہوتے ہیں لیکن یہ لحاظ رہے کہ یہ نسبت اس پورے

معاوضہ کے برابر نہ ہو جو عام تجارتی بازاروں میں قیمت و اجرت کے اعتبار سے خطرے میں پڑے ہوئے اموال کو ملا کرتا ہے اس لئے کہ اگر یہ اجرت برابر ہوگئی اور قرض کے طور پر بازاروں میں معاوضہ کی مقدار ستر فیصد ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کاروبار کرنے والے کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ خطرہ میں پڑے ہوئے سرمایہ کی اجرت سے زیادہ مال بینک کے حوالے کرے۔ اجرت برابر مال فائدہ کی نسبت سے دے اور حق المحنت الگ سے رہے۔جس کے بعد غیر سودی بینک کی بقا ہی مشکل ہو جائے گی۔

ضرورت ہے کہ فائدہ کا فیصدی طے کرتے وقت اس میں سے اتنا حصہ کم کر دیا جائے کہ تاجر بینک کو حق المحنت بھی ادا کر سکے۔

یہ بھی واضح رہے کہ حق المحنت کے علاوہ جو رقم خطرہ کے مقابلہ میں بینک کو دلوائی گئی ہے اس کی کوئی نسبت معین نہیں ہے اور نہ تمام کاروبار میں ایک ہی شکل میں معین کی جاسکتی ہے۔ بلکہ بینک کو اختیار ہے کہ وہ ہر معاملہ میں تاجروں سے خطرہ کا اندازہ کر کے فیصدی شرح طے کرے خطرات کا کوئی معیار نہیں ہے۔ ان میں حالات، احساس اور اطراف کے اعتبار سے فرق ہوتا رہتا ہے۔اس لئے ان کی بنیاد پر طے ہونیوالے فائدہ میں فرق ہوتا رہے گا اور ایسے حالات میں غیر سودی بینک ہر معاملہ کا فائدہ ان قراردادوں کی بنا پر تقسیم کرے گا جو اس معاملہ میں طے ہوئی ہیں اور ان سے دوسرے معاملات کا کوئی ربط نہ ہوگا۔ وہ ہر معاملہ میں عامل سے طے شدہ نسبت کے بعد اپنا حصہ لے لے گا اور دھیرے دھیرے یہ حصے جمع ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ مجموعی اموال کا فائدہ جمع ہو جائے گا تو بینک اپنے اور صاحبان اموال کے درمیان حسب قرارداد تقسیم کرے گا جس کی تفصیل ''تقسیم منافع'' کی بحث میں بیان کی جائے گی۔

بینک کا ذاتی مضاربہ

بینک کے لئے جہاں یہ ممکن ہے کہ وہ لوگوں کی ثابت امانتوں سے کاروبار کرے وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے ذاتی اموال کو بھی مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار میں لگا دے بینک

کے ذاتی سرمایہ کی حسب ذیل شکلیں ہیں۔

ا۔اصل سرمایہ کا وہ حصہ جسے بینک مضاربہ کے طور پر کاروبار کرنے کے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔

۲۔متحرک امانتوں کا وہ حصہ جسے بینک اپنے ذاتی معلومات اور شخصی اطلاعات کی بنا پر بروقت محفوظ رکھتا ہے تا کہ لوگوں کی طلب کو قبول کر کے ان کے حسب ضرورت رقم واپس کی جا سکے۔

یہ متحرک امانتیں دوسروں کی ہیں لیکن بینک کی ملکیت شمار ہوتی ہیں اس لئے کہ انہیں بینک نے بطور امانت نہیں بلکہ بطور قرض حاصل کیا ہے اور بینک کو اختیار ہے کہ اس کا ایک حصہ بطور نقد رکھے تا کہ صاحبان اموال کو بوقت ضرروت واپس کر سکے باقی حصہ کو مضاربہ میں صرف کر دینے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ اپنے اموال سے تجارت کرتے وقت بینک کا حق صرف اس فائدے تک محدود رہے گا جو مال مضمون کی اجرت کے طور پر ملا کرتا ہے اور ثابت اجرت یعنی حق المحنت کا کوئی اختیار نہیں ہے۔اس لئے کہ بینک جو کچھ بھی زحمت کر رہا ہے وہ اپنے حق میں کر رہا ہے اور کسی دوسرے کا وکیل نہیں ہے اور اپنے معاملات میں حق المحنت کا کوئی سوال نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے حالات میں بینک کا فرض ہے کہ ثابت امانتوں کے مضاربہ کو اپنے ذاتی معاملات پر مقدم رکھے ایسا نہ ہو کہ اپنے اموال سے کاروبار شروع کر دے اور لوگوں کی امانتیں یوں ہی پڑی رہ جائیں اور قوم میں بدگمانی کی ایک فضا پھیل جائے۔اپنے اموال سے کاروبار وہاں ہونا چاہئے جہاں ثابت امانتوں سے بقدر مضاربہ سرمایہ فراہم نہ ہو سکے۔

حقوق عامل

عقد مضاربہ میں جو شخص مال کو کاروبار کی راہ میں لگا کر فائدہ کا انتظام کرتا ہے

اسے عامل [1] کہا جاتا ہے۔

مضاربہ کے معاملات میں بینک اور صاحبان اموال کا حق نکالنے کے بعد منافع کا حقیقی مالک عامل ہی ہوا کرتا ہے۔جس طرح کہ سودی بینکوں میں بینک کا سود ادا کرنے کے بعد سارے فوائد کا مالک وہ کاروباری انسان ہوتا ہے جس نے بینک سے بطور قرض مال لے کر اپنے کاروبار میں لگایا ہے۔دونوں حالات میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عامل کو کاروبار پر آمادہ کرنے والا فائدہ ہی ہوتا ہے جو غیر سودی بینک میں حق نکالنے کے بعد بچتا ہے۔

اور سودی بینکوں میں سود ادا کرنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے۔اور غور کیا جائے تو سودی بینکوں میں بینک کو دیا جانے والا سود تقریباً اتنا ہی ہوتا ہے جتنا غیر سودی بینک میں مجموعی طور پر صاحب مال کو فیصدی حصہ اور بینک کو حق المحنت کے طور پر دیا جاتا ہے۔اس اعتبار سے سودی اور غیر سودی بینک میں کوئی فرق نہیں ہے اتنا ضرور ہے کہ غیر سودی بینک میں بینک کو عامل کی طرف سے مقدار تفاوت بھی ملتی ہے جو مال مضمون القیمۃ (ضمانتی) اور مال غیر مضمون القیمۃ (غیر ضمانتی) کی اجرت کے درمیان ہوا کرتا ہے اور عامل یہ اضافہ اس لئے دیتا ہے کہ بینک نے اس کی طرف سے مال کی ذمہ داری لے لی ہے اور اسے تلف ہو جانے کے خطرے سے بچا لیا ہے جب کہ سودی بینکوں میں ایسا نہیں ہوتا اور وہاں خود عامل مال کا ضامن ہوتا ہے۔

خطرہ بازیگری عمال

گذشتہ بیانات سے واضح ہو چکا ہے کہ صاحبان اموال کے جملہ منافع اور بینک کی آمدنی کا اکثر حصہ ان فوائد ہی سے حاصل ہوتا ہے جو اصل کاروبار کے منافع سے آیا کرتے ہیں۔اور اس طرح بینک کی جملہ ضمانتوں کا تعلق بھی کاروبار کی واقعی رفتار سے ہے کہ جب کاروبار میں کوئی خسارہ واقع ہوگا تو بینک کو صاحب مال کے سامنے جوابدہ ہونا

---

[1] عامل فرد بھی ہوسکتا ہے اور کمپنی بھی عامل، تاجر بھی ہوسکتا ہے اور کارخانہ دار بھی، عامل پرائیویٹ فرم کو بھی کہہ سکتے ہیں اور مشترک پلانٹ کو بھی۔(جوادی)۔

پڑے گا اور مال کی ساری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

کاروبار کی رفتار کا ہر انداز، ترقی، تنزل، فائدہ اور نقصان سب ہی بینک کی حیثیت اور صاحبان اموال کی منفعت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ایسے حالات میں ضروری ہے کہ بینک اس وقت تک مضاربہ کی قرارداد نہ کرے جب تک عمل کی پوری نوعیت کا اندازہ کر کے فائدہ ونقصان اور فائدہ کی صحیح مقدار کا تخمینہ نہ لگا لے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس شخص کے ساتھ قرارداد کر رہا ہے اس کے اطلاعات اور مہارت فن کا بھی جائزہ لے لے تا کہ نقصان کا اندیشہ ضعیف سے ضعیف تر ہو جائے۔ یہ امکان ضرور رہ جائے گا کہ کاروبار کرنے والے بازیگری سے کام لیں اور فائدہ کو چھپالیں یا نقصان کا دعویٰ کر کے ساری ذمہ داری بینک پر ڈال دیں۔ اور اسے منعفت کا فیصدی حصہ دینے سے اپنی جان بچالیں اس لئے ضروری ہے کہ بینک اس بازیگری سے تحفظ کا بھی انتظام کرے اور عمال سے ایسی ضمانتیں لے لے جن کے بعد غلط بیانی اور بازیگری کے امکانات ختم ہو جائیں۔ ان ضمانتوں کی حسب ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

ا۔ عامل کی سابقہ امانت داری کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ وہ اپنے معاملات میں کس قدر صفائی رکھتا ہے۔ اس کام کے لئے بینک ایک مستقل شعبہ بھی کھول سکتا ہے جو اس سلسلے کے معلومات فراہم کرتا رہے اور بینک کو ہر امکانی خسارہ سے بچاتا رہے۔

۲۔ گذشتہ بیانات کی بنا پر خود بینک کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ عامل کے حدود عمل کے بارے میں پوری اطلاع رکھتا ہو اور اس سرمایہ کی تجارت کے رازوں سے باخبر ہو جس پر مضاربہ واقع ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بینک ان تمام حالات و کیفیات کا جائزہ لے سکتا ہے جن کے بدل جانے سے فائدہ اور نقصان میں فرق آجایا کرتا ہے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ بینک ان تمام امور کی مکمل نگرانی کرے اور اپنے فرائض پر باقاعدہ عمل کرتا رہے تا کہ عمال بازی گری نہ کر سکیں اور مال برباد نہ ہونے پائے۔

۳۔ بینک عمال پر یہ پابندی بھی عائد کرسکتا ہے کہ وہ قیمتوں کے بارے میں تمام معلومات فراہم کرتے رہیں اور جب بھی قیمت خرید سے کم پر مال فروخت کرنا پڑے یا معقول فائدہ نہ حاصل ہوتو فوراً بینک کو ان حالات سے اطلاع کردیں اور اپنے کاروبار کی صحت کے شواہد فراہم کریں تا کہ وہ معاملہ کے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ کرسکے۔

اس کے علاوہ دوسرے بینکوں کی طرح غیر سودی بینک کا یہ بھی فرض ہے کہ اقتصادی تحقیقات کے نام سے ایک شعبہ قائم کرے جس کا کام بازار کی حالت، قیمتوں کے اتار چڑھاؤ اور تجارت کے مواقع کی اطلاعات فراہم کرنا ہوتا کہ انہیں اطلاعات کی روشنی میں مستقبل کی فرصت عمل کا فیصلہ کیا جاسکے اور یہ دیکھا جائے کہ کس زمانے میں کون سی تجارت یا صنعت مناسب رہتی ہے۔

اس شعبہ کا اہم فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بینک اپنے معلومات کی روشنی میں روز اول ہی اکثر مضاربات ومعاملات کے نتائج کا فیصلہ کرلے گا اور اسے یہ اندازہ ہوجائے گا کہ کس مضاربہ میں کس قدر فائدہ ہوسکتا ہے اور عمال کا کون سا اقدام برمحل اور کون سا بے محل ہوتا ہے۔ جس کے بعد عمال کے لئے یہ ناممکن ہوجائے گا کہ وہ کسی ایسے خسارہ کا ادعا کرسکیں جس کا بینک کو اندازہ نہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ یہ حالات ان معاملات سے متعلق ہیں جن میں محدود انداز کی تجارت ہوتی ہے ورنہ جہاں پورا تجارتی مرکز قائم کیا جاتا ہے اور مضاربہ کا تعلق مرکز کے مستقل قیام یا اس سے اشتراک سے ہوتا ہے وہاں صرف ایک راستہ یہ ہے کہ بینک بھی اپنا ایک نمائندہ مقرر کردے جو روز اول سے سارے حالات کا جائزہ لیتا رہے اور یہ دیکھتا رہے کہ یہ مرکز کس انداز سے قائم کیا جارہا ہے۔

۴۔ بینک کو روز اول سے ایسے قرائن ووسائل مقرر کردینا چاہئیں جن کے بغیر فائدہ یا نقصان کا اثبات ممکن نہ ہو اور کوئی دعویٰ اس وقت تک قبول نہ کیا جائے جب تک اس نوعیت کے قرائن موجود نہ ہوں۔ ان قرائن ووسائل میں اہم وسیلہ ان کاغذات کا محفوظ رکھنا ہے جنہیں بینک نے اپنے اعمال کے حساب وکتاب کے لئے مقرر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ان

کاغذات کی صحیح نگہداشت نہیں کرتا اور کسی ایسے خسارے کا دعویٰ کرتا ہے جو ان کاغذات کی روشنی میں صحیح نہیں ہے تو اس کے دعوے کو غلط قرار دیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ اصل سرمایہ میں کوئی خسارہ نہیں ہوا اور ایک جزوی طور پر فائدہ بھی ہوا ہے جس کی مقدار کی فیصدی نسبت کم سے کم اس مقدار کے برابر ہے جو سودی بینک میں ارباب مال کو بطور سود دی جاتی ہے۔

(تفاصیل ملحقات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

منافع دریافت کرنے کے ذرائع اور تقسیم کا طریقہ

کھلی ہوئی بات ہے کہ بینک اپنے اعمال سے وہ پوری منفعت وصول کر لیتا ہے جو عقد مضاربہ کے ذیل میں طے کی گئی ہے اور اس کے بعد اپنے اور ارباب ثروت کے درمیان تقسیم کرتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ بینک ان تمام منافع اور فوائد کو اپنے بنیادی[1] میزانیہ میں درج نہیں کر سکتا بلکہ ان کا الگ ایک ''میزانیہ'' ہوتا ہے جس میں فوائد اور ان کی تقسیم کی تفصیل درج ہوتی ہے لیکن اس مقام پر دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں۔

ا۔ بینک کا فرض ہے کہ وہ سال کے درمیان مختلف مضاربات سے حاصل ہونے والے منافع کو ضبط کرتا رہے اور اس کے بعد آخر سال میں تمام منافع کو یکجا طور پر محفوظ کر لے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض معاملات کا حساب سال تمام پر ختم نہیں ہوتا اور کچھ نہ کچھ سلسلہ باقی رہ جاتا ہے ایسے حالات میں ان معاملات کے منافع کو ضبط کرنے کا ذریعہ کیا ہوگا اور بینک اپنی مجموعی سالانہ آمدنی کا حساب کس طرح کرے گا۔

۲۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ بینک نے سال کے اندر ختم ہونے والے مضاربات و معاملات کے منافع کو طے کر لیا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ مقدار دریافت کر لی ہے جو کاروبار کرنے والوں کو بینک کے حق میں چھوڑ دینی چاہئے اور بینک کو ارباب ثروت پر تقسیم کرنا چاہئے لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ بینک ہر امانت کے فائدے کو الگ کر لے اور اسے

---

[1] BASIC CAPITAL۔

اس کے مالکین پر تقسیم کرے؟

منافع معلوم کرنے کا ذریعہ؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بینک سے مال لے کر تجارت کرنے والوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

کچھ لوگ محدود رقم کی تجارت کرتے ہیں اور باہر سے جنس منگا کر موقع پر فروخت کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ پورا تجارتی مرکز قائم کرتے ہیں جس میں برابر اموال آیا کرتے ہیں اور فروخت ہوتے رہتے ہیں۔

پہلی صورت میں مال ایک مخصوص عمل میں لگایا جاتا ہے جس کا نتیجہ بہت جلد ہی ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر ابتدا میں اس معاملہ کے حساب صاف ہونے تک بھی معلوم ہو سکا تو سال تمام ہونے پر بینک کے جملہ حسابات کی صفائی تک بہر حال معلوم ہو جائے گا۔ اور یہ مدت اتنی طویل ہوتی ہے کہ اس میں بینک سال تمام ہونے سے پہلے بھی معاملات کے نتائج کا اندازہ کر سکتا ہے اور اگر بالفرض سال تمام ہو گیا ہے اور اس کی منفعت نہیں بھی ہو سکی ہے تو بھی بینک کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ منافع کا ایک تخمینہ قائم کر لے اور اسی روشنی میں کام جاری رکھے۔ تخمینہ قائم کرنا اس لئے آسان ہے کہ بینک کے اس عامل کے عمل کی پوری اطلاعات موجود ہیں اور تجارت کی رفتار سے بھی باخبر ہے اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ وہ نتائج کا اندازہ لگا لے اور اس کی روشنی میں تصرف شروع کر دے جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہو جائے گا۔

دوسری صورت میں بھی بینک کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اس کے قرض سے قائم ہونے والے مرکز سے یہ طے کر لے کہ اسے اپنا مالی سال بینک کے سال کے حساب سے چلانا پڑے گا اور یہ بات اس وقت نہایت درجہ آسان ہوتی ہے جب تجارتی مرکز بینک کے اموال سے مضاربہ کی بنیاد پر قائم ہو گا یا بینک کو تجارتی مرکز کا مستقل شریک قرار دے لیا جائے گا اور اس کے لئے یہ بات ممکن ہو گی کہ وہ اپنا مالی سال بدل کر بینک کے مالی سال

کے مطابق کر دے۔لیکن کچھ ایسے حالات بھی ہوتے ہیں جہاں یہ کچھ ممکن نہیں ہوتا وہاں پلانٹ پہلے سے قائم ہو چکا ہے مالی سال مقرر ہو چکا ہے اور اس کا بدلنا ممکن نہیں ہے یا کاروبار موسم کے حساب سے چل رہا ہے اور ایسے مواد کی تجارت یا صنعت کا کام ہو رہا ہے جن کا شباب اس وقت آتا ہے جب بینک کا مالی سال تمام ہونے لگتا ہے ایسے حالات میں کاروبار والوں کو یہ تکلیف دینا کہ وہ اپنا سال بینک کے سال کے مطابق کر دیں ایک غیر معقول امر ہے۔اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے لئے کوئی ایسا راستہ نکالا جائے جس سے مسائل بھی حل ہو جائیں اور ایسا کوئی اقدام بھی نہ کرنا پڑے۔

ان دونوں صورتوں کا ایک مشترک حل یہ ہے کہ جو منافع ان مراکز پر سال تمام ہونے پر ظاہر ہونے والے ہیں ان کا سال کے اندر ہی حساب کر لیا جائے اس صورت میں پہلے سال کے منافع کا صحیح حساب نہ ہو سکے گا لیکن اس کے بعد دوسرے برسوں میں یہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور آنے والے سال میں جو فائدہ حساب ہونے والا ہے اسے اس سال کی طرف پلٹا دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ان منافع کو جوڑ دیا جائے گا جو سال کے دوران گذشتہ سال میں حساب کر دیئے گئے ہیں۔

رہ گیا صاحب مال تو اسے ان حالات میں دو میں سے ایک موقف اختیار کرنا پڑے گا یا آئندہ سال تک انتظار کرے۔اور جب سال کے دوران ان پلانٹوں کے منافع معلوم ہو جائیں تو اس سال معلوم نہیں ہو سکے ہیں تو تمام منافع کو گزشتہ سال کے معلوم شدہ منافع کی طرح حسب نسبت وقرارداد تقسیم کر لے اور اس طرح ہر آدمی کو اس کا واقعی حق مل جائے۔

یا آئندہ سال ظاہر ہونے والے منافع کا تخمینہ لگا کر بینک سے اس مقدار پر مصالحت کر لے اور حسب مصالحت اپنا حصہ لے کر الگ ہو جائے اس کے بعد جب سال تمام حقیقی منافع کا اندازہ ہوگا تو وہ سب کے سب بینک کا مال شمار کیا جائے گا۔اس لئے کہ بینک ارباب ثروت کو مصالحت کے مطابق ان کا حصہ منفعت دے چکا ہے بینک کے لئے

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آغاز کار ہی سے مصالحت کی قیمت مقرر کر دے اور ارباب ثروت کو بتا دے کہ درمیان سال منفعت کا حساب کرنے پر ان سے فلاں مقدار کے لحاظ سے مصالحت کی جائے گی۔ اس طرح صاحب مال کو اس کا حصہ بھی مل جائے گا اور بینک کو تصفیہ حساب کی زحمتوں سے بھی نجات مل جائے گی۔

یاد رہے کہ بینک نے جو طریقہ مصالحت ان ارباب ثروت کے لئے طے کیا ہے جن کا مال بڑے بڑے پلانٹوں میں لگا دیا گیا ہے اور ان کا مال بینک کے سال تمام کے ساتھ ختم نہیں ہوا ہے وہی طریقہ ان ارباب ثروت کے ساتھ بھی اختیار کر سکتا ہے جن کے اموال محدود تجارتوں اور مختصر معاملات میں صرف کئے گئے ہیں اور ان کے منافع بینک کے اصلی میزانیہ کا حساب کرتے وقت تک ظاہر نہیں ہو سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں بینک کے لئے صرف یہی ممکن ہے کہ وہ انتظار نہ کر سکنے کی صورت میں صاحبان اموال سے اپنے اطلاعات کی روشنی میں ایک محدود مقدار میں منافع کے اوپر صلح کر لے اور انہیں وہ مقدار دے کر منافع کے ظاہر ہونے کا انتظار کرنے سے بے نیاز کر دے۔

طریقہ تقسیم منافع

دوسرا بنیادی سوال یہ ہے کہ بینک ان تمام منافع کو کس اصول پر تقسیم کرے گا اور اس کے لئے کیا ذریعہ ہوگا کہ ہر امانت کا حصہ منفعت الگ کر کے اس کے مالک کو فیصدی حصے کے اعتبار سے سپرد کر دے؟

ظاہر ہے کہ تمام ثابت اموال کو ایک وقت میں کاروبار میں لگایا جاتا اور سب کے سب ایک محدود و معین مدت تک کاروبار میں لگے رہتے تو منافع کا حساب بے حد آسان ہوتا۔ سال کے اندر زمانے کی دخل اندازی تمام اموال کے لئے یکساں حیثیت کی ہوتی اور صرف مقدار کا معاملہ رہ جاتا اس کا حساب کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ہر امانت کو مجموعی امانتوں کے ساتھ ملا کر اس کی نسبت طے کر لی جاتی اور اس کے بعد اسی نسبت سے فائدہ کو تقسیم کر دیا جاتا ہے یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہ صرف ایک فرض ہے واقعہ اس کے بالکل

برعکس ہے واقع میں ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ بینک تمام اموال کو جمع کر کے ایک وقت میں ایک ہی کاروبار میں لگا دے بلکہ اوقات بھی مختلف ہوتے ہیں اور کاروبار بھی مختلف اور اگر بینک پر یہ پابندی عائد کر دی جائے کہ تمام معاملات کو ایک مخصوص مدت کے اندر ختم ہو جانا چاہئے تو اس کے امکان میں نہیں ہے۔اس لئے بے حد سعی کرنا پڑے گی اور بے شمار سرمایہ برباد کرنا ہوگا جسے کوئی بینک بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ایسے حالات میں اگر روز اول سے روز آخر تک گزرنے والے ہر زمانے کو ہر امانت کے حق میں حساب کر لیا جائے جیسا کہ سودی بینکوں میں ہوا کرتا ہے تو یہ بات اسلامی مضاربہ سے کوسوں دور ہو جائے گی۔اسلامی مضاربہ کا تصور یہ ہے کہ فائدہ مال کے صرف ہونے اور اس سے کاروبار کئے جانے سے ظاہر ہو۔نہ یہ کہ مال رکھا رہے اور دوسرے کاروبار کے اعتبار سے منفعت ملتی رہے۔سودی بینکوں میں تو یہ بات ممکن بھی تھی لیکن غیر سودی بینک میں تقریباً ناممکن ہے۔سودی بینک میں پہلے روز کا حساب کرنا ممکن تھا اس لئے کہ مال قرض کی بنیاد پر دیا گیا تھا اور قرض میں مدت مقررہ کی ایک ایک گھڑی کا شمار ہوتا ہے لیکن غیر سودی بینک میں روز اول کا حساب کرنا ناممکن ہے یہاں فائدہ مضاربہ کی بنیاد پر ملتا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ روز اول مضاربہ شروع بھی نہیں ہوا۔

ضرورت ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے کوئی نیا فارمولا تلاش کیا جائے جہاں فائدہ کی تقسیم بھی ہو سکے اور مضاربہ سود بھی نہ بننے پائے۔

اس سلسلے کا نیا فارمولا یہ ہو سکتا ہے کہ بینک روز اول سے یہ طے کر دے کہ میرے خزانے میں جمع ہونے والی کسی امانت کا حساب تجارت دو ماہ سے پہلے شروع نہ ہوگا

دو ماہ کی مدت صرف ایک اندازہ ہے ورنہ تجارتی حالات اور لوگوں کی توجہ کے اعتبار سے اس مدت میں کمی زیادتی بھی کی جا سکتی ہے۔

دو ماہ کے بعد جس کا مال بینک میں رہ جائے گا اس کے فائدہ کا حساب کیا جائے گا

اور اگر دو ماہ گزرنے کے بعد نکالا ہے تو حسب حصہ فائدہ دیا جائے گا یعنی ایسے شخص کے فائدہ کا حساب شروع ہوجائے گا لیکن یہ یاد رہے کہ چار ماہ کے بعد مال برآمد کرنے والے کو صرف دو ہی ماہ کا فائدہ دیا جائے گا چار ماہ کا نہیں دو ماہ تو بینک پہلے ہی مستثنیٰ کر چکا ہے اس کے شمار کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا دو ماہ کے بعد سے حساب اس لئے شروع ہوجائے گا کہ بینک کو مال کے صرف کرنے اور اچھے کاروبار میں لگانے کی معقول مہلت دی جا چکی ہے اب صاحب مال کو اپنے اموال کی منفعت کا فیصدی حصہ طلب کرنے کا قطعی حق پیدا ہو چکا ہے۔ یہ طریقہ کار بینک کے مشکلات کو بھی حل کر دے گا اور اسلامی مضاربہ سے بھی دور نہ ہونے پائے گا۔ رہ گیا اس دو ماہ کے استثنا کرنے کا فقہی جواز تو اس کی صورت یہ ہے کہ بینک مضاربہ طے کرتے وقت ہی اصحاب ثروت یہ شرط طے کر لے گا کہ انہیں اپنے واقعی حصہ منفعت میں سے دو ماہ تک بینک کے حق میں واگذار کرنا پڑے گا۔ اب اگر مال دو ماہ کے بعد ہی کام میں لگا ہے تو یہ شرط صرف ایک شرط رہ جائے گی ورنہ اصل دقیق حساب سے نجات دلانے کا بہترین ذریعہ بن جائے گی۔

مثال کے طور پر زید اور خالد دونوں نے ایک ایک مساوی رقم بینک کے حوالے کی اور بینک نے دونوں رقوم کو کاروبار میں لگا دیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ زید کی رقم دوسرے مہینے کی ابتدا میں لگی اور خالد کی رقم چوتھے مہینے کے آغاز میں لگی۔ ظاہر ہے کہ کہ سال تمام ہونے پر زید کے مال سے حاصل ہونے والا فائدہ خالد کے فائدہ سے زیادہ ہوگا لیکن بینک اپنے حساب کو مرتب رکھنے کے لئے یہ شرط کر چکا ہے کہ اس کے مقررہ منافع کی مقدار سے زائد جو حصہ بھی اصحاب مال کا ہوگا وہ انہیں بینک کے حق میں واگزار کرنا ہوگا اس لئے تقسیم کا مسئلہ بھی آسان رہے گا اور اموال کے حساب کرنے میں بھی دشواری نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بینک کے سارے منافع مال کی مقدار اور امانت کی مدت کے اعتبار سے تقسیم ہوں گے اور ان میں سے وہ زمانہ منہا کر دیا جائے گا جسے کاروبار سے پہلے کا زمانہ فرض کیا جا چکا ہے۔

تکمیل مقصد کے لئے یوں فرض کیا جائے کہ سال کے اندر تمام معاملات سے حاصل ہونے والی فائدہ کی رقم بیس ہزار روپیہ ہے اور اصل سرمایہ دس لاکھ روپیہ تھا اب بینک کو چاہیئے کہ بیس ہزار کی رقم دو حصوں میں تقسیم کر دے پہلے دس ہزار کو پورے سرمایہ پر مساوی طور سے تقسیم کر دیا جائے اور اس میں مدتوں کی کمی زیادتی کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے اور دوسرے دس ہزار کو مدتوں پر تقسیم کیا جائے جس کا مال جتنی مدت تک بینک میں رہا ہے اسی اعتبار سے اس کا حصہ دیا جائے صرف ابتدا کے دو مہینے حسب قرارداد الگ کر دیئے جائیں لیکن اس تقسیم میں صرف زمانہ دیکھا جائے گا۔ رقم کی مقدار پر کوئی نظر نہ کی جائے گی۔ [1]

پہلے دس ہزار کو جب دس لاکھ پر تقسیم کیا جائے گا تو ہر روپیہ کی منفعت کی مقدار ایک بٹا سو روپیہ ۱۰۰/۱ ہوگی اس کے بعد ہر امانت کے حصے کا الگ الگ حساب کیا جائے گا اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ امانت کی مقدار کو ایک بٹا سو ۱۰۰/۱ میں ضرب دے دیا جائے گا حاصل ضرب اس امانت کی منفعت کا حصہ ہوگا۔

دوسرے دس ہزار کا حساب یہ ہے کہ پوری رقم کو دو مہینے الگ کر کے پوری مدت پر تقسیم کر دیا جائے گا اور ایک ماہ، ایک ہفتہ، پندرہ دن یا ایک دن کا حصہ نکال لیا جائے گا اور اس کو معیار بنا کر رقم کے بینک میں رہنے کی مدت میں ضرب دے دیا جائے گا۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ معیاد طے کرتے وقت ایسی مدت کا لحاظ کیا جائے جس میں عام طور سے فائدے کے امکانات پائے جاتے ہوں جیسے کہ ایک ماہ پندرہ دن ایک

---

[1] یاد رہے کہ اس تقریب کا مقصد یہ نہیں ہے کہ فائدہ میں زمانہ کی مقدار کو شامل کر کے مضاربہ کے فائدے کو سود سے قریب تر بنا دیا جائے اس لئے کہ یہ بیان صرف ایک طریقہ تقسیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس میں تاجر کی قرارداد کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا ہے جب کہ مضاربہ کی روح یہی قرارداد ہے اور فائدہ کی مقدار پلانٹ سے حاصل ہونے والے فائدے کے اعتبار سے طے ہوگی اس کا قبل سے کوئی تعین ہی نہیں ہوسکتا۔ مضاربہ کا یہی لحاظ سود اور منفعت کو الگ الگ کر دے گا سود میں قرارداد معیار نہیں ہوتی زمانہ معیار ہوتا ہے اور مضاربہ میں قرارداد ہی پر سارا دارومدار ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ ساری منفعت کی رقم کے الگ الگ امانتوں پر تقسیم کرنے میں مقدار اور زمانہ دونوں کا لحاظ کیا جائے گا اور اس کا سود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (مولف)۔

ہفتہ وغیرہ اوراس سے کم مدت کا کوئی حصہ نہ رکھا جائے۔ ورنہ صرف ایک دن یا آدھے دن کو معیار بنانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس قلیل مدت میں عام طور سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوا کرتا۔ معیار طے کرنے کے بعد تقسیم کا طریقہ بالکل واضح ہے مثال کے طور پر اگر معیار ہفتہ کو بنایا گیا ہے اور مال کے رہنے کی مجموعی مدت ساڑھے تین ہفتے ہے تو تین ہفتہ کا حصہ نکال لیا جائے گا اور آدھے ہفتے کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ آدھے فائدے کو امانتوں کی مقدار اور آدھے فائدے کو امانتوں کی مدت پر تقسیم کرنے کے بعد جو حاصل تقسیم ہو۔ اسے اصل امانت کی مقدار اور مدت میں ضرب دے دیا جائے تو ہر امانت کے فائدہ کی صحیح مقدار معلوم ہوسکتی ہے رہ گیا کل فائدے کے بینک اور اصحاب ثروت کے درمیان تقسیم کا مسئلہ تو اس کا حل حسب ذیل ہے۔

گذشتہ بیانات میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ ضمانت شدہ سرمایہ کی اجرت کی ادنیٰ حد مقرر کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ سودی بازاروں میں ایسے سرمایہ کا سود دریافت کرنے کے بعد اسے نقصان کے احتمال میں ضرب دے دیا جائے اور صورت حساب یہ ہوگی۔

$$55/1000=10/100x5/100+5/100$$

اس کے بعد اسی رقم کو بینک کے توقعات کے مطابق نسبت میں تبدیل کر دیا جائے جس کو سابق میں بیس فیصدی فرض کیا گیا تھا اور نتیجہ میں طے پایا تھا کہ فائدہ میں ہر امانت کا حصہ 27.5 فیصد ہوگا۔

ان بیانات کی روشنی میں اولاً بینک اپنے تمام منافع کو مقدار و مدت کے اعتبار سے مجموعی مقدار پر تقسیم کر دے گا اور اس میں سے ہر امانت کا حصہ نکال لے گا اور صاحب امانت کو مضاربہ کی قرارداد کے مطابق دے دے گا اور باقی نسبت اپنے لئے محفوظ کر لے گا لیکن یہ بھی واضح رہے کہ اب تک صاحب مال کا جو فیصدی حصے طے کیا گیا ہے۔ اس کا حساب پورے سرمائے کے مجموعی فائدے کے اعتبار سے کیا گیا ہے اس میں بینک اور صاحب مال کے حصہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے اب اگر یہ لحاظ بھی کرنا چاہتے ہیں تو نسبت کو اس

طرح منقلب کرنا پڑے گا۔

فرض کیجئے کہ صاحبان اموال اور بینک کے مجموعی فائدہ کی نسبت جو عام بازاروں میں ایسے سرمایہ کی اجرت کے برابر ہوتی ہے جس کے نہ قیمت کی کوئی ضمانت ہو اور نہ فائدہ کی ستر فیصد ہے اور بینک کے حق المحنت نے یہ ضروری قرار دے دیا ہے کہ اس فائدہ کی مقدار کم کی جائے تاکہ بینک کا مستقل حق المحنت نکالا جا سکے تو اس طرح فائدے کی مقدار ۶۵ فیصد ہو جاتی ہے جسے بینک اور ارباب ثروت دونوں پر تقسیم ہونا ہے اور گزشتہ حساب کی بنا پر ۵.۷۲ فیصد صاحب مال کا ہوگا اور بینک کا حق المحنت پانچ فیصد ہوگا اب اگر یہ معلوم کرنا ہے کہ بینک کے مستقل حق المحنت کو فائدہ میں فیصدی نسبت کی طرح کس طرح منقلب کیا جائے تاکہ اسے غیر ضمانت شدہ سرمایہ کی اجرت کی فیصدی نسبت سے کم کیا جا سکے اور تاجروں کو عمومی اجرت (سود) سے زیادہ کی زحمت نہ کرنا پڑے تو اس کا طریقہ یہ ہے۔

فرض کیجئے کہ بینک کا مستقل حق المحنت ایک فیصد ہے اور اصل سرمایہ ہزار روپیہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حق المحنت کی مقدار دس روپیہ ہوگی جو دونوں قسم کے سودی اور تجارتی فائدوں کی تفاوت کی مقدار ہے۔

اب فرض کیجئے کہ کاروبار سے حاصل ہونے والا فائدہ ۲۰ فیصد ہوگا یعنی ۲۰۰ روپیہ تو ایسی صورت میں حق المحنت کی نسبت اصل فائدے کے اعتبار سے 100 / 10 ہو جائے گی جو اصل سرمایہ کا ۵ فیصد ہے اور اس طرح ارباب ثروت اور دونوں کا مشترکہ حصہ یہ ہے ۷۰ فیصد ۵ فیصد ۶۵ فیصد۔

اگر بینک کو سرمایہ کی ضرورت پڑ جائے؟

کبھی کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ بازار میں کاروبار کی رفتار تیز ہو جانے اور کاروبار کرنے والے بینک سے زیادہ سے زیادہ مال کا مطالبہ کریں جو موجودہ صورتحال میں بینک کے پاس نہیں ہے۔

ایسے حالات میں بینک کو ضرورت ہوگی کہ وہ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ امانتیں حاصل کرے تا کہ لوگوں کے مطالبات پورے کر سکے اور اس کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ بینک امانت رکھنے پر جعالہ کا اعلان کردے اور اس کی طرف سے اعلان عام ہو جائے کہ جو شخص بھی اپنا مال مضاربہ کی غرض سے بینک کے حوالے کرے گا اور اس راہ میں بینک کے خدمات اور اس کی وساطت کو قبول کرے گا اسے بینک مقررہ فائدے کے علاوہ ایک مخصوص رقم بھی پیش کرے گا۔

اس جعالہ کی شرعی صحت یہ ہے کہ بینک کا وساطت کے فرائض انجام دینا ایک عمل ہے اور اس وساطت کو قبول کر کے بینک کا وکیل بنانا خود بھی ایک عمل محترم ہے جس پر اجرت دی بھی جاتی ہے اور لی بھی جا سکتی ہے اب اگر بینک اسے وکیل بنانے پر اجرت دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جو کتنی بڑی رقم میں وکیل بنا کر اختیار دے گا وہ اتنی ہی زیادہ اجرت کا حقدار ہوگا۔ اس اجرت کی ادائیگی کا ذریعہ وہ حق المحنت ہے جو بینک اپنے متعلقین سے حاصل کیا کرتا ہے جس طرح کہ سودی بینکوں میں مال جمع ہونے کی تاریخ سے سود کا حساب ان فوائد میں سے کیا جاتا ہے جو بینک اپنے متعلق افراد سے لیا کرتا ہے۔

واضح رہے کہ اس اجرت کو سود کا نام نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ وکالت خود ایک عمل محترم ہے اور اس کی اجرت دی جا سکتی ہے لیکن اس کے باوجود میری ذاتی رائے یہ ہے کہ غیر سودی بینک اس طریقہ کار کو اختیار نہ کرے اور لوگوں سے اموال جذب کرنے کے لئے دوسرے وسائل سے کام لے۔ یہ طریقہ کار سود سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے اور اس طرح غیر سودی بینک کے بدنام ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ خود شرح منفعت بڑھا دی جائے۔ اس لئے کہ اگر تاجر کی طرف سے مال کا مطالبہ زیادہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تجارت کے حالات بہت زیادہ سازگار ہیں اور بازار میں منافع کے امکانات زیادہ ہیں اور یہ حالات جہاں تاجر کو مال لینے پر آمادہ کر سکتے ہیں وہاں اصحاب ثروت کو مال دینے پر بھی آمادہ کر سکتے ہیں بینک کا فرض ہے کہ لوگوں کو ایسے حالات سے

باخبر کرے اور انہیں بتادے کہ یہ موسم منافع کے لئے بہت زیادہ سازگار ہے تاکہ اس اطلاع کے بعد جو لوگ براہ راست تجارت کرنے پر قادر نہیں ہیں وہ خود بینک کی طرف رجوع کریں اور اسے واسطہ بنا کر اپنے اموال کو ترقی دیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

امانت توفیر (سیونگ اکاؤنٹ)

ثابت امانتوں کے مقابلے میں غیر سودی بینک کے موقف کی تجدید کرنے کے بعد ضرورت ہے کہ سیونگ امانتوں کے مقابلہ میں بھی غیر سودی بینک کے موقف کی تعین کر دی جائے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ امانتیں خود بھی ثابت امانتوں کی طرف مضاربہ میں شامل کی جاتی ہیں اور ان کے ذریعے کاروبار کیا جاتا ہے لیکن ان دونوں قسموں میں دو طرح کے فرق ہوتے ہیں۔

ا۔ثابت امانتوں میں غیر سودی بینک کو یہ اختیار ہے کہ وہ اصحاب امانت کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ چھ مہینے سے پہلے اپنے اموال کو برآمد نہیں کر سکتے لیکن ان امانتوں میں بینک کو اختیار نہیں ہے۔ ان میں ابتدا ہی سے یہ شرط ہوتی ہے کہ صاحب مال وقت ضرورت اپنے مال کو برآمد کر سکتا ہے اور بینک کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے گویا اس اعتبار سے اس مال کا حساب متحرک امانتوں جیسا ہوتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ یہ مال مضاربہ میں شامل کیا جاتا ہے اور اس سے گزشتہ تمام حقوق و شرائط کی روشنی میں کاروبار بھی کیا جا سکتا ہے۔

سوال صرف یہ ہے کہ اگر مال کو مضاربہ میں شامل کرنے کے بعد صاحب مال نے مطالبہ کر لیا تو کیا ہوگا؟ اس کا حل یہ ہے کہ بینک ابتدا ہی سے یہ طے کر لے گا کہ صاحبان مال کو اپنے اموال میں سے صرف ایک جز و نکالنے کا اختیار ہے اور اس سے زیادہ مقدار کو

بینک میں رکھنا پڑے گا۔

اب اگر بینک سے برآمد ہو سکنے والی رقم کی مقدار ۱۰/۱ ہے تو بینک کا فرض ہے کہ وہ پوری امانت میں سے ۱۰/۱ کو الگ کر کے کرنٹ اکاؤنٹ قرار دے دے اور بطور قرض اپنے پاس نقدی کی شکل میں محفوظ رکھے تا کہ بروقت مطالبہ کو پورا کیا جا سکے اور اس ۱۰/۱ میں فائدہ کا کوئی سوال نہیں۔ اس لئے کہ یہ مال مضاربہ میں لگا یا نہیں گیا اور غیر سودی بینک میں قرض کے فائدے کا کوئی سوال نہیں ہے۔

مذکورہ شرط کے بعد کوئی دشواری نہیں رہ جاتی مال کا ایک حصہ اصحاب مال کے مطالبات کو پورا کرنے کے لئے الگ کر لیا گیا ہے اور اسے ان امانتوں میں شمار ہی نہیں کیا گیا ہے وہ جس وقت بھی اپنے مال کا تقاضا کریں گے انہیں فوراً دے دیا جائے گا اور خود بینک مضاربہ میں ان کا قائم مقام بن جائے گا۔

متحرک اموال

بینک کے جن اموال سے کرنٹ اکاؤنٹ تشکیل پایا ہے ان میں گزشتہ طریقہ کار کا اختیار کرنا آسان نہیں ہے بلکہ سخت مشکل ہے۔ اس لئے کہ یہ اموال برابر حرکت میں رہتے ہیں اور ان کو کسی وقت قرار نہیں ہوتا ان کا مضاربہ میں لگانا تقریباً ناممکن ہے کہ مضاربہ ثبات چاہتا ہے کہ کرنٹ اکاؤنٹ سیلان وحرکت کا متقاضی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ ان اموال کو بعنوان قرض لینا چاہئے اور بینک کو دوسرے سودی بینکوں کی طرح روز اول سے اپنی ملکیت سمجھنا چاہئے۔ اس شرط کے ساتھ کہ جس وقت بھی صاحب مال تقاضا کرے گا اس کے مال کی قیمت ادا کر دی جائے گی یہ اور بات ہے کہ اس مال پر فائدہ نہیں دیا جا سکتا لیکن یہ کوئی تکلیف دہ بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ سودی بینک بھی ایسی رقموں پر سود نہیں دیا کرتے۔

سوال صرف یہ ہے کہ بینک کے پاس ان اموال کا مصرف کیا ہوگا؟ تو اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ بینک اپنی عمومی سیاست کی بنا پر اسے چند حصوں پر تقسیم کر دے گا۔

ایک حصہ اپنے پاس سیال شکل میں محفوظ رکھے گا تا کہ کرنٹ اکاؤنٹ کا سلسلہ قابو میں رہے اور ہر وقت لوگوں کی طلب کا جواب دیا جا سکے اور ان لوگوں کی طلب کا جواب بھی دیا جا سکے جن کی امانت متحرک نہیں ہے لیکن برآمد کرنے کی مدت پوری ہو چکی ہے اور مال مضاربہ میں لگا ہوا ہے۔ اس حصہ کی مقدار کیا ہوگی؟ اس کا کوئی قانون نہیں ہے۔ یہ بینک کے اختیار کی بات ہے وہ اپنے حالات اور مطالبات کا جائزہ لے کر بقدر ضرورت رقم

محفوظ کرسکتا ہے۔

دوسرے حصہ کومضاربہ کے عنوان سے کسی کاروبار کرنے کے حوالے کردے گا اور اس کاروبار میں وہ خود صاحب مال ہے کسی کا وکیل نہیں ہوگا۔ اس لئے جو کچھ بھی بطور منفعت حاصل ہوگا اسے ارباب ثروت پر تقسیم کرنے کے بجائے اپنی تنہا ملکیت قرار دے گا۔

تیسرے حصہ کو اپنی متعلق پارٹیوں کو قرض دینے کے لئے محفوظ رکھے گا اور اس قرض کا سیاسی فلسفہ یہ ہوگا کہ اس سے متعلقین کے لئے سہولتیں فراہم کی جائیں گی تا کہ ان کا رشتہ بینک سے مستحکم تر ہو سکے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ہر سہولت مضاربہ کی بنیاد پر فراہم نہیں کی جاسکتی بلکہ بعض اوقات قرض ہی دینا پڑے گا اب اگر بینک نے یہ طے کرلیا کہ مال صرف مضاربہ کے عنوان سے دے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب ضرورت سے رشتہ ٹوٹ جائے گا اور وہ اپنا دوسرا راستہ اختیار کرلیں گے۔

غیر سودی بینک کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات کو مضاربہ کی بنیاد پر منافع میں شرکت کے اصول پر چلائے تا کہ بازار میں ایسے معاملات کی شہرت ہو اور کاروباری لوگ اس قسم کے معاملات کی عادت پیدا کریں لیکن کبھی کبھی حالات ایسے بھی ہو جاتے ہیں کہ مضاربہ کی بنیاد پر وہ سہولت فراہم نہیں کی جاسکتی جس کا مطالبہ کاروباری آدمی کر رہا ہے تو اس کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر وہ اپنے کسی قرض کو ادا کرنا چاہتا ہے یا اپنے کاروبار میں کام کرنے والوں کی اجرت یا تنخواہ دینا چاہتا ہے یا اس قسم کی کوئی اور ضرورت ہے جس میں مضاربہ کا امکان نہیں ہے تو اس کی سہولتوں کا بہر حال خیال رکھنا پڑے گا۔ یہ اور بات ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود بینک کو یہ لحاظ رکھنا پڑے گا کہ ارباب اعمال کے روابط برقرار رہیں اور قرض کی راہ سے انہیں اتنی سہولتیں نہ مل جائیں کہ وہ مضاربہ کا کام ہی بند کردیں اور صرف قرض ہی پر کام چلاتے رہیں۔

شرائط قرض:۔

گذشتہ حالات میں قرض دینے کے لئے بینک کو قرضدار میں حسب ذیل شرائط

کالحاظ کرنا ہوگا۔

۱۔قرض وار امین ہواور سابق تعلقات ومعاملات کی روشنی میں اس کا طرزعمل صحیح وصالح رہا ہووہ بازار میں اچھی شہرت رکھتا ہواور کم سے کم دوآدمی اس کے امانتدار ہونے کی گواہی دیں۔

۲۔مالی اعتبار سے قرض کے ادا کرنے پر قادر ہوجس کا اندازہ بینک قرضدار کے مالیاتی اورتجارتی مرکز کے جائزے کے ذریعہ کرسکتا ہے۔

۳۔قرض کی مدت ۳ماہ سے زائدنہ ہو۔

۴۔قرض کی مقدار اس اعلیٰ حد سے زیادہ ہو جسے بینک نے اپنے متعلقین کی سہولت کے لئے فراہم کیا ہے۔

۵۔قرض کے لئے کوئی رہن بھی رکھا جائے تاکہ ہرحالت میں ادائیگی کی طرف سے اطمینان رہے۔

شرط نمبر ۳و ۴ کا مقصد یہ ہے کہ اگر مبلغ زیادہ ہےاور مدت طولانی ہےتو معاملہ کو مضاربہ کی طرف منتقل کرنے کا بھی امکان رہے گا۔

فائدہ میں سود کا خاتمہ

سودی بینک مختلف کاروبار والوں کوقرض دے کر جو فائدہ وصول کرتا ہے اس کے بارے میں غیرسودی بینک کے موقف کی وضاحت کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے سرمایہ دارانہ اقتصاد میں اس فائدہ کی جڑوں کا پتہ لگایا جائے اوراس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ غیرسودی بینک اس فائدہ سے بے نیاز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سرمایہ دار اقتصاد میں فائدے کے تین ارکان ہوتے ہیں۔

۱۔وہ رقم جسے بینک مردہ قرضوں کے معاوضہ کے نام پر وصول کرتا ہے کہ بینک کے اعداد وشمار کے مطابق اس کے اکثر قرضے ہضم ہوجاتے ہیں اورانہیں قرضدار ادانہیں کرتے۔اب ضرورت ہے کہ بینک کے پاس ایک ایسی رقم بھی رہے جس سے ایسے

نقصانات کی تلافی کی جا سکے۔

۲۔ وہ رقم جو بینک اپنے اخراجات، ملازمین کی تنخواہ وغیرہ کے نام پر لیتا ہے۔

۳۔ خالص سرمایہ کا سود

پہلے عنصر کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیر سودی بینک کو ایسے کسی معاوضہ کی ضرورت نہیں ہے وہ شروع ہی سے شخصی اعتماد کی بجائے مال کی ضمانت طلب کرتا ہے اور مکمل اطمینان کے بغیر کسی شخص کو کوئی رقم نہیں دیتا۔ اس کے قرضوں کے ہضم ہو جانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور اگر یہ فرض ہی کر لیا جائے کہ ایسے قرضوں کا حساب کرنا ہی پڑے گا اور کمال اختیار کے بعد بھی کچھ ایسے افراد پیدا ہو جائیں گے جو قرض ادا نہیں کریں گے تو اس کا بہترین راستہ یہ ہے کہ قرضدار سے ضمانت طلب کی جائے اور اس کے قرضہ کو انشورڈ (INSURED) کرا دیا جائے انشورنس کمپنی جس طرح خارجی اشیا کو انشورڈ کرتی ہے اسی طرح قرضوں کا انشورنس بھی کیا کرتی ہے اس انشورنس کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔

ایک شکل تو یہ ہے کہ خود بینک اپنے دیئے ہوئے قرضہ کو انشورڈ کرائے اور انشورنس کے تمام اخراجات خود برداشت کرے کہ بسا اوقات مردہ قرضوں کے نقصان کی تلافی سے بہتر یہی ہوا کرتا ہے کہ بینک انشورنس کے مصارف برداشت کر لے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ بینک قرض مانگنے والی پارٹی سے شرط کر دے کہ وہ انشورنس کمپنی کی طرف سے اس قرضہ پر ضمانت دے یہ ایک جائز مطالبہ ہے جو ہر صاحب مال کر سکتا ہے اور صاحب مال کو بہر حال یہ کہنے کا حق ہے کہ جب تک قرض کی ادائیگی کی کوئی ضمانت نہ ہوگی وہ قرض نہ دے گا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صاحب مال بغیر اضافہ لئے ہوئے قرض دینے سے انکار کر رہا ہے کہ اسے سود قرار دے کر حرام کر دیا جائے بلکہ یہ ایک شرعی مطالبہ ہے جس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔

ایسے حالات میں اگر بینک انشورنس کمپنی سے ضمانت کی شرط کر دے تو پارٹی کا

فرض ہے کہ وہ اس کمپنی سے براہ راست یا بواسطہ بینک رابطہ پیدا کرے اور اپنے قرض کی ضمانت دلوا کر اس کا خرچہ خود برداشت کرے اس لئے کہ ضمانت دینے کی ذمہ داری پارٹی کی ہے بینک کی نہیں ہے اور جو اپنی غرض کے تحت کسی سے کام لے گا اسے اس کے کام کا خرچ بھی برداشت کرنا پڑے گا چاہے اس کا ذریعہ بینک ہی کیوں نہ ہو۔

اس لئے بینک اپنے قرض کا فائدہ نہیں لے رہا ہے بلکہ کمپنی کی اجرت لے رہا ہے اور اس کا مقصد صرف کمپنی تک پہنچا دینا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ بینک کے لئے ایک عظیم دشواری مقروض کے انشورنس کے خرچ کا تخمینہ لگانا بھی ہے کہ انشورنس کمپنی سارے قرضوں کا ایک ساتھ بیمہ کرتی ہے اور سب کا خرچ یکمشت وصول کرتی ہے اور ایک ایک قرض کے بیمہ کا کیا خرچ آئے گا اس کی تعین بے حد مشکل ہے؟

دوسرے عنصر:۔ کے بارے میں غیر سودی بینک کا موقف یہ ہے کہ وہ ایسی تمام اجرتوں کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اس کا شرعی جواز یہ ہے کہ شریعت نے قرضوں کا اصول بیان کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ قرضوں کو لکھ لینا چاہئے اور ظاہر ہے کہ جو شخص بھی لکھا پڑھی کرے گا اسے اجرت مانگنے کا حق ہوگا۔ کتابت ایک محترم عمل ہے اس پر اجرت کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور ہر شخص کو یہ کہنے کا حق ہے کہ میں مفت میں یہ خدمت انجام نہیں دوں گا۔

وہ گیا یہ سوال کہ اس کتابت کا خرچ قرض خواہ کے ذمے ہوگا یا قرضدار کے ذمہ؟ تو اس کا جواب واضح ہے کہ غرض مند قرضدار پارٹی ہے بینک نہیں ہے۔ بینک کو یہ کہنے کا اختیار ہے کہ میں اس خرچ کو برداشت نہیں کروں گا۔ آپ کی غرض ہو تو برداشت کریں اور اس طرح بینک کو عام کاتبوں کی جیسی اجرت کا حق پیدا ہو جائے گا اور وہ اس اجرت کے عوض تمام قرضوں کو درج کر کے اس کے حساب کو محفوظ رکھے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ غیر سودی بینک اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے پارٹی کی امانتوں کو محفوظ رکھا ہے لہٰذا اس کا حق بھی ملنا چاہئے (جیسا کہ سودی بینکوں میں ہوتا ہے اور اس زحمت کا حصہ تاجر سے لے کر

بطور سود اصحاب ثروت کو دے دیا جاتا ہے) اس لئے کہ اسلام میں یہ ایک فرض ہے کوئی خدمت نہیں ہے اور فرض کی اجرت کا کوئی جواز نہیں ہے۔

تیسرے عنصر:۔ کے بارے میں غیر سودی بینک کا موقف بالکل واضح ہے کہ یہ فائدہ خالص سود ہے اور سود اسلام میں بہر حال حرام ہے اس کا کوئی گزر غیر سودی بینک میں نہیں ہوسکتا۔

یہ ضرور ممکن ہے کہ غیر سودی بینک اپنے کاروبار میں ایسی روش اختیار کرے جو اسے پہلے اور دوسرے عنصر سے بھی بے نیاز بنا دے۔ اس روش کی بنیاد یہ ہوگی کہ بینک اپنے ہر قرضدار سے قرض دیتے وقت یہ شرط کردے گا کہ وہ جس دن قرض ادا کرنے آئے گا اس دن سے اسے اتنی مقدار میں رقم پانچ سال کے لئے بینک کو قرض دینا پڑے گا جتنی مقدار مال کا پہلے اور دوسرے عنصر کو لغو قرار دینے میں خسارہ ہوا ہے اور اس میں کوئی شرعی مانع بھی نہیں ہے [1]

بلکہ یہ ممکن ہے کہ اس شرط کو عقد لازم کے ذیل میں طے کرے تاکہ اس کا پورا کرنا واجب ہو جائے اور اس طرح بینک کو اتنی ہی مقدار میں ایک رقم بطور قرض مل جائے جتنی مقدار کا خسارہ پہلے اور دوسرے فائدے کو ترک کرنے میں ہوا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بینک اس رقم کا بلا معاوضہ مالک نہ ہوگا۔ اس کا معاوضہ بھی دینا پڑے گا۔ اب غیر سودی بینک کے امکان میں یہ بات بھی ہوگی کہ وہ قرض سے حاصل ہونے والی اس رقم کو پانچ سال کے لئے کسی ایسے بینک کے حوالے کردے جو سود دینے کا عادی ہے اور پانچ سال کے بعد پوری رقم برآمد کر کے صاحب مال کو دے دے اور فائدہ خود رکھ لے اس طرح غیر سودی

---

[1] مثال کے طور پر بینک نے دس ہزار روپیہ قرض دیا اور پہلے اور دوسرے عنصر کو معاف کر دیا جس کی مجموعی رقم دوسو روپیہ ہوتی ہے۔ اب اسے اختیار ہے کہ قرض لینے والے سے یہ شرط کرلے کہ جس دن قرض ادا کرنے آئے گا اس دن دس ہزار کی ادائیگی کے ساتھ دوسو روپیہ کو پانچ سال کے لئے بطور قرض دینا پڑے گا تاکہ بینک نے جو نقصان اٹھایا ہے اس کی تلافی کا انتظام کرلے۔ (جوادی)

بینک خود سود جیسے حرام کاروبار سے بچ جائے گا اور اتنی مقدار میں فائدہ بھی مل جائے گا جتنی مقدار میں نقصان ہوا ہے۔ یہ طریقہ کار سودی بینکوں سے کاروبار رکھنے والوں پر کوئی غلط اثر نہیں ڈال سکتا بلکہ اس کا اچھا ہی اثر ہوگا اس لئے کہ سودی بینکوں میں اتنا اضافہ دینے کی عادت تمام پارٹیوں کو پہلے ہی سے پڑ چکی ہے۔ اب اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ جو رقم ڈوب جایا کرتی تھی وہ پانچ سال کے بعد سہی واپس آسکتی ہے تو مزید حوصلہ افزائی ہوگی۔ اور میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ طریقہ کار غیر سودی بینک کی طرف ایک عجیب وغریب توجہ پیدا کرائے گا اور قرض لینے والی پارٹیاں اس کی طرف حیرت انگیز طور پر متوجہ ہوں گی۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اس بینک سے قرض لینے کو ترجیح دے گا جو وقت ادائیگی ایسی رقم کا مطالبہ کرے جو پانچ سال کے بعد واپس ہو جائے اور اس بینک کو نظر انداز کر دے گا جو وقت ادائیگی اسی مقدار میں رقم وصول کرے اور تا حیات واپس نہ کرے۔ اور جب ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ لوگ شدت سے قرض کا مطالبہ کرنے لگیں گے تو بینک مزید حکمت عملی یہ استعمال کرے گا کہ اپنی پارٹیوں کو دو حصوں پر تقسیم کر دے گا پہلا گریڈ اور دوسرا گریڈ۔

پہلے گریڈ میں ان لوگوں کو رکھے گا جو سابق میں اپنے قرضوں کو بغیر کسی تساہلی کے ادا کرتے رہتے ہیں اور انہوں نے وقت ادائیگی قرض دینے کے بجائے اتنی ہی رقم بطور امداد بینک کو دے دی ہے۔

دوسرے گریڈ میں اس کے علاوہ دوسرے افراد کو قرار دے گا۔

اس تقسیم کا طریقہ یہ ہوگا کہ بینک پہلے ہی سے یہ اعلان کر دے گا کہ پہلے گریڈ کے لوگوں کو مقدم کیا جائے گا اور گریڈ کی حد بندی سابق تجربات اور قرض کے بجائے بینک کو امداد دینے کی بنیاد پر ہوگی۔ جن لوگوں نے بینک کو مفت رقمیں دی ہیں انہیں پہلے قرض دیا جائے گا اور اس کے بعد اگر رقم بچ گئی تو دوسرے افراد کو بھی دی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ بینک کے اس اعلان کا مقصد قرض میں فائدہ کی شرط نہیں ہے کہ

اسے سود کا نام دے دیا جائے بلکہ یہ محض احسان ہے جس پر کسی قانون میں پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اسلام میں سود حرام ہے لیکن احسان سے وہاں بھی نہیں روکا جا سکتا۔ اور جب حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے اور بینک انہیں لوگوں کو مقدم کرے گا جنہوں نے سابق میں اس کی مفت امداد کی ہے تو لوگوں میں یہ جذبہ بھی پیدا ہوگا اور بینک کو مفت ہدیہ بھی دیں گے یا کم از کم حسب شرائط قرض ہی دیں گے۔

اب اگر کسی شخص نے قرض لیا اور عین وقت پر مفت امداد نہ کی تو بینک کو اس سے کچھ کہنے کا بھی حق نہ ہوگا۔ اس لئے کہ بینک کی بنیاد غیر سودی ہے اور غیر سودی بینک میں سود کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بینک کی اس حکمت عملی کا نام ''سیاست اشتراط قرض'' یا سیاست تبدیلی ''قرض بعطیہ'' ہے۔

اور بینک کو یہ مکمل اختیار ہے کہ وہ اپنی تازہ سیاست کی بنا پر بقدر عنصر اول دوم قرض کی شرط کر لے اور اس کے بعد ان لوگوں کو ترجیح دے جو قرض کے بجائے تحفہ اور ہدیہ دیا کرتے ہیں اور انہیں پہلے گریڈ میں شمار کرے کہ اس طرح دونوں عنصر لغو بھی قرار پا جائیں گے اور غیر سودی بینک کا کوئی نقصان بھی نہ ہوگا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

ملاحظات

(۱)

(۱)۔ میری نظر میں غیر سودی بینک کے ذاتی سرمایہ کو سودی بینکوں کے سرمایہ سے کہیں زیادہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اصلی سرمایہ ہی بینک کے تمام نقصانات کی تلافی کرتا ہے اور وہی خساروں کا سامنا کرنے کی قوت فراہم کرتا ہے۔ ان باتوں کا کوئی تعلق ارباب ثروت یا عمال سے نہیں ہوا کرتا۔

اصل سرمایہ بینک کی اہمیت اور اس کے اعتبار کا تحفظ کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے ہر شخص کے لئے اس کے دروازے کھلتے ہیں۔

نقصانات کی تلافی اور ذاتی سرمایہ کا یہی گہرا رابطہ ہے جس کی وجہ سے حکومتوں نے یہ قانون مقرر کر دیا ہے کہ کسی بھی شخص کو دیئے جانے والے قرض اور اصل سرمایہ میں ایک مخصوص نسبت ہونی چاہئے بلکہ جمع ہونے والی امانتوں اور اصل سرمایہ میں بھی نسبت کا محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جب سرمایہ اصلی کی اتنی زیادہ اہمیت ہے اور اس سے اتنے اہم اغراض وابستہ ہیں تو جس قدر بینک کی ذمہ داریاں زیادہ ہوں گی اور خسارہ کا احتمال قوی ہوگا اسی قدر سرمایہ کا زیادہ ہونا ضروری ہوگا تا کہ ایسے حالات میں یہ سرمایہ بطور سند کام آسکے۔

غیر سودی بینک پر خساروں کی ذمہ داری زیادہ سے زیادہ ہے کہ وہ جملہ امانتوں کی قیمتوں کی بھی ضمانت لیتا ہے۔اسے خسارہ کے ان احتمالات پر بھی نظر کرنا پڑے گی اور اپنے موقف کے تحفظ کے لئے مزید سرمایہ کا سہارا لینا پڑے گا۔لیکن یہ یادرہے کہ سرمایہ کی زیادتی کی بھی ایک حد کا معین ہونا ضروری ہے تاکہ بینک کے اعمال میں فائدہ کی غرض محفوظ رہے ورنہ اگر بینک کا سرمایہ اتنا زیادہ ہوگیا کہ وہ بینک کا کام کرنے کے بجائے خود ذاتی سرمایہ سے تجارت کرنے پر تیار ہو گیا تو اس کی مصرفی حیثیت ختم ہو جائے گی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بینک کی آمدنی کی ترتیب خاص ذاتی سرمایہ ثابت امانت وغیرہ ہی سے بینک کے منفعت آمیز کام کی تحدید ہوتی ہے اور اس کی آخری حد طے کی جاسکتی ہے اور وہ اس طرح کہ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ بینک کی ثابت امانتیں اصلی سرمایہ سے دس گنا زیادہ ہو گئی ہیں تو بینک کو یہ طے کرنا پڑے گا کہ اس کے لئے غیر سودی بینک کے انداز سے وساطت کا فرض انجام دینا ہی زیادہ مفید ہے یا اپنے ذاتی سرمایہ سے براہ راست کاروبار کے میدان میں کود پڑنا زیادہ مناسب ہے؟ اور اس کا صحیح طریقہ یہ ہوگا کہ پہلے کل مال میں فائدہ کی ایک تخمینی نسبت فرض کرے۔اس کے بعد یہ دیکھے کہ اپنے ذاتی سرمایہ سے کاروبار کرنے میں جو فائدہ حاصل ہوسکتا ہے اس کا اندازہ کیا ہے؟ اور ثابت امانتوں کے ذریعے واسطہ بن کر بینک کی طرح فیصدی شرح پر کام کرنے سے فائدہ کا اندازہ کیا ہوگا۔

پھر ان دونوں فائدوں کا مقابلہ کرنے کے بعد یہ اندازہ کرے کہ بینک کے عنوان پر کام کرنے میں فائدہ کی شرح فیصدی ذاتی کاروبار سے کس قدر زیادہ ہے۔جس قدر یہ فائدہ زیادہ ہوگا اسی قدر وساطت کا کام زیادہ مفید ہوگا۔اور یہ طے کرنا آسان ہوگا کہ ذاتی سرمائے کی زیادتی اس حد کے اندر رہنی چاہئے کہ ثابت امانتوں سے واسطہ بن کر کام کرنے کا فائدہ ذاتی کاروبار سے زیادہ سودمند رہے گا ورنہ اگر یہ نسبت منقلب ہوگئی اور امانتوں کی مقدار سرمایہ کے برابر یا ذرا کم وبیش ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ذاتی کاروبار وساطت سے زیادہ مفید ہوگا اور بینک کا مقصد فنا ہوجائے۔گا بینک کا کام مضاربہ کے عنوان

پرواسطہ بننا ہے نہ کہ ذاتی سرمایہ سے کاروبار کرنا۔

ذاتی سرمایہ اور ثابت امانتوں کے فوائد کی نسبت طے کرتے وقت چند باتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے کہ بہت ممکن ہے کہ ان دونوں کے باہمی مقابلے میں ذاتی سرمایہ کی اہمیت زیادہ نہ ہو لیکن دیگر جہات کا لحاظ کرنے کے بعد بینک کا کام کمزور پڑ جائے۔

مثال کے طور پر ان فوائد کا بھی حساب کرنا پڑے گا جو غیر سودی بینک کو وساطت کے کام میں بطور اجرت وعطیہ مل جایا کرتے ہیں اور براہ راست میدان تجارت وصنعت میں کود پڑنے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

ثابت امانتوں کے فائدے کی نسبت کے ساتھ ان فوائد کا لحاظ بھی کرنا پڑے گا جو ذاتی سرمایہ کے ایک جزو اور متحرک امانتوں سے مضاربہ کرنے میں حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ بینک کے ذمہ داروں کی ذاتی صلاحیتوں کا بھی جائزہ لینا پڑے گا کہ ان میں کاروبار کی صلاحیت کس قدر ہے اور وہ تجارت یا صنعت کے میدان میں کس قدر حصہ لے سکتے ہیں۔

ان تمام خصوصیات کا لحاظ کرنے کے بعد یہ دیکھنا پڑے گا کہ وساطت زیادہ مفید ہے یا کاروبار، اگر ذاتی کاروبار زیادہ مفید دکھائی دے تو اصلی سرمایہ کو گھٹانا پڑے گا تاکہ بینک کی صحیح حیثیت محفوظ رہ سکے۔

میرا خیال یہ بھی ہے کہ ''غیر سودی بینک'' مذکورہ فارمولے کی بنا پر ملک کے ترقی پذیر معاشیات کو بے حد کمک پہنچا سکتا ہے اور گونا گوں اداروں کی حقیقی ضرورتوں کے پورا کرنے میں پوری پوری مدد بھی فراہم کر سکتا ہے۔ اس بینک کی صلاحیت دوسرے سودی بینکوں سے کہیں زیادہ ہے یہ بینک صرف اس بنا پر قرض نہیں دیتا کہ قرض لینے والے میں قرض واپس کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور اس نے ایسی ضمانت دے دی ہے کہ مال ضائع نہیں ہونے پائے گا بلکہ یہ اس وقت قرض دیا کرتا ہے جب ان تمام اعمال کا جائزہ لے لیتا ہے جنہیں قرضدار انجام دینے والے ہیں اور پھر انہیں کاروبار کی طرف صحیح رہنمائی بھی کر دیتا ہے۔ دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ سودی بینک کو اپنی رقم سے دلچسپی ہوتی ہے

کاروبار کی ترقی یا ملک کے ارتقا سے کوئی دل بستگی نہیں ہوتی لیکن غیر سودی بینک کو عمومی معاشیات اور ملک کی ترقی کی بھی فکر ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ غیر سودی بینک قرض کی واپسی کے ساتھ کاروبار کی منفعت پر بھی نظر رکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کاروبار کا نقصان اپنے ہی اوپر اثر انداز ہوگا یا اپنے ہی منافع میں تخفیف کر دے گا وہ اپنے اموال کو ان کاروباروں کے لئے نہیں دیتا جن میں فائدہ کی امید نہیں ہوتی یا کاروبار اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ اصلی سرمایہ کو بھی چوس لینے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔[1]

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

[1] مقصد یہ ہے کہ ملک کی ترقی کا اہتمام کرنا ہے تو غیر سودی بینک کا سہارا لینا پڑے گا سودی بینک خود غرض ہوتے ہیں انہیں عوامی مفاد یا ملکی اقتصاد سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔(جوادی)

داخلی تنظیم

داخلی انتظامات کے اعتبار سے سودی اور غیر سودی بینک میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں میں ایک مجلس ادارت ہوگی۔ دونوں کے مختلف مدیر ہوں گے۔ دونوں میں حساب، اشخاص، قرض، اعداد و شمار اور تحقیقات کے الگ الگ ادارتی شعبے ہوں گے لیکن غیر سودی بینک میں حسب ذیل باتوں کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

۱۔ایک مخصوص شعبہ مضاربات کے عنوان سے ہونا چاہئے جو اصحاب مال اور تجار کے درمیان وساطت کا کام کرے اور اس شعبہ میں بینک کی عملی سیاست کے نفاذ کا انتظام کرے یہ شعبہ بینک کے تمام شعبوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس کی وادارت کا کام اصل مدیر (جنرل) منیجر کو کرنا چاہئے۔

۲۔غیر سودی بینک اپنی رفتار میں مختلف تجارتی اور صنعتی اعمال کے فوائد سے تعلق رکھتا ہے۔اس لئے اس کے ادارتی اسٹاف اور بڑے افسروں میں بلکہ متوسط افسروں میں بھی ایسی صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے جو ان تمام اعمال کی نگرانی کے لئے کافی ہوں اور مدیر عام کو بازار سے قریب تر کاروباری لوگوں سے مربوط اور حالات و رفتار تجارت و صنعت سے مکمل طور پر باخبر ہونا چاہئے۔

۳۔غیر سودی بینک کے ادارتی کاروبار کے لئے حتی الامکان ان افراد کا انتخاب ہونا چاہئے جو دیانتدار اور غیر سودی بینک کے نظریہ کے لئے کشادہ دل ہوں۔انہیں اس نظریہ کی اہمیت کا اندازہ ہو اور اس کی روح سے مکمل اتفاق ہو تا کہ بانیان بینک کے ساتھ

مسئولیت کے احساس میں شریک ہوسکیں اور بلند مقاصد کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

یہ انداز نظر سیرعمل کو درست کر دے گا اور ہمیشہ کام کی رفتار کو زندہ رکھے گا بلکہ اگر ملازمین میں یہ احساس بیدار ہو گیا کہ غیر سودی بینک کی تھیوری کو کامیاب ہونا چاہئے تو وہ تمام کاروباری لوگوں کو راضی رکھیں گے اوران سے لطف و مدارات کے ساتھ معاملت کریں گے۔

ذمہ دار افراد میں ایسی پاکیزہ سیرت اور اخوتی روح پیدا ہو جائے گی تو ارباب اعمال خود بخود کھنچنے لگیں گے اور بینک کے تعلقات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔

دوسری منزل

بینک کے بنیادی فرائض فکر جدید کی روشنی میں

غیر سودی بینک کا فارمولا پیش کرنے کے بعد یہ بات آسان ہوگئی ہے کہ عالمی بینکوں کے بنیادی فرائض پر نظر ڈال کر یہ طے کرلیا جائے کہ غیر سودی بینک کا یہ موقف کیا ہونا چاہئے؟ اس مہم کے لئے بینکوں کے فرائض کو چند قسموں پر تقسیم کیا جائے گا۔

۱۔ بینک کے عام خدمات جنہیں بینک اپنے متعلقین کے فائدے کے لئے انجام دیتا ہے اوران سے خدمت کے عوض اجرت لیتا ہے۔

۲۔ کاروباری اداروں کو دیئے جانے والے قرضوں پر لئے جانے والے فوائد۔

۳۔ بینک کی آمدنی کے ایک حصہ کا مالیاتی کاغذات کے لئے کاروبار میں لگانا

آئندہ بحثوں میں انہیں عنوانات کے تفاصیل پر روشنی ڈالی جائے گی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

قرائض کی قسم اول مصرفی خدمات

عصر حاضر میں بینک چند قسم کے خدمات انجام دیتا ہے۔ وہ مختلف قسم کی امانتیں قبول کرتا ہے انہیں امانتوں کی بنیاد پر چیک حاصل کرتا ہے حوالے لیتا ہے، پرونوٹ وغیرہ قبول کرتا ہے اور اس کے علاوہ اپنے متعلقین کے لئے فائدہ بخش اور نتیجہ خیز خدمات انجام دیتا ہے۔ مالیاتی کاغذ بونڈ (BOND) کی خرید وفروخت کرتا ہے استنادی کاغذات لیٹر آف کریڈٹ کا کاروبار کرتا ہے کفالتوں کے معاملات قائم کرتا ہے اور اگر ان کاغذات پر خطوط کے بارے میں یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ بقدر مال نہیں ہیں بلکہ مال سے زیادہ ہیں تو یہی خدمت مصرفی سہولت میں داخل ہوجائے گی۔

انشاء اللہ ہم عنقریب ان تمام مسائل سے اجمالی بحث کریں گے لیکن پہلے قبول امانت کے بنیادی مسئلہ کو چھیڑ کر اس کے سلسلے میں انجام پانے والی خدمتوں اور زحمتوں کا جائزہ لیں گے۔

مصرفی امانتیں

دور حاضر میں بینک اپنے متعلقین سے جو امانتیں وصول کرتا ہے انہیں صاحبان مال کے واپسی کر لینے کے اختیار کے اعتبار سے دو حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے!

ایک ''کرنٹ اکاؤنٹ'' جہاں امانت زیر طلب رہتی ہے اور ہر وقت نکال لینے کا اختیار رہتا ہے۔

اور دوسرے فکسڈ ڈیپازٹ جہاں معینہ مدت تک امانت کا رہنا ضروری ہوتا ہے اور اسی سے متعلق ایک قسم سیونگ بینک اکاؤنٹ کی بھی ہے۔

سودی بینکوں میں امانت کی مختلف شکلوں سے مراد وہ نقد مال ہے جو کسی نہ کسی ذریعے سے بینک کے سپرد کیا جاتا ہے اور اس کے بعد بینک حسب قرارداد صاحبان اموال کو براہ راست یا ان کے حکم کے مطابق وقت طلب یا بعد اختتام مدت مال واپس کر دیتا ہے ان خصوصیات کا تعلق اس قرارداد سے ہوتا ہے جو صاحبان امانت اور بینک کے درمیان طے پاتی ہیں۔

بینک ڈیپازٹ (BANK DEPOSIT) عام طور سے ان مصرفی امانتوں کو ناقص امانت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے کہ یہاں نقد رقم اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہتی اور نہ بینک اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وقت طلب بعینہ وہی رقم واپس کرے گا اس کی ذمہ داری صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ وقت ضرورت اتنی ہی مقدار میں وہ سکے دے دے جو رائج الوقت ہوں اور اس پر مالکین کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سودی بینکوں میں رکھی جانے والی ان امانتوں کو اسلامی فقہ کی رو سے امانت کہا ہی نہیں جا سکتا۔ نہ ناقص اور نہ کامل۔

یہ ایک قسم کا قرض ہے جس کا ادا کرنا وقتاً فوقتاً یا ایک مخصوص وقت میں واجب ہوتا ہے۔ ان اموال پر سے مالکین کی ملکیت کے آثار یکسر زائل ہو جاتے ہیں اور بینک کو تصرف کرنے کا مکمل اختیار ہوتا ہے۔ امانت اس آزاد تصرف کو برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ قرض ہی کا خاصہ ہے کہ شے اپنی ملکیت میں آ جاتی ہے اور پھر انسان کو اختیار ہوتا ہے کہ جس طرح چاہے تصرف کرے۔

ان اموال کو امانت اس لئے کہا جاتا ہے کہ بینک کی تاریخ کی ابتدا میں ان کی حیثیت امانت ہی کی تھی اس کے بعد جیسے جیسے تجربات آگے بڑھتے گئے، ان اموال کی نوعیت میں فرق آتا گیا اور اب یہ طے ہو گیا ہے کہ انہیں قرض کی حیثیت دے دی جائے

چاہے ان کا اصلی نام باقی ہی کیوں نہ رہے۔ اس لئے کہ قرض کے بغیر بینک کا کام نہیں چل سکتا۔ غیر سودی بینک کا موقف ان اموال کے بارے میں اسی وقت واضح ہو سکے گا جب مال دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔

زیر طلب امانتوں کو بینک بطور قرض قبول کرتا ہے اور اس کا کوئی بھی فائدہ نہیں دیتا۔ ثابت امانتوں کو بھی امانت کی طرح قبول کرتا ہے۔ لیکن اس انداز سے نہیں کہ بینک کو صرف حفاظت کا ذمہ دار بنا دیا جائے اور مال کا جامد رہنا ضروری ہو بلکہ اس طرح کہ بینک کو وقت امانت ہی وکیل بنا دیا جائے کہ وہ عقد مضاربہ کے ذریعے اس مال سے کاروبار کرے اور فائدہ میں دونوں حسب حصہ شریک ہوں۔ گویا کہ غیر سودی بینکوں میں امانتوں کا حکم حرکت ثبات کے اعتبار سے مختلف ہو گا۔ متحرک امانتیں قرض بنیں گی اور ثابت امانتیں امانت ودیعت۔ پہلی قسم میں کوئی فائدہ نہ ہوگا اور دوسری قسم میں مضاربہ کے قوانین کے مطابق فائدہ میں فیصدی شرح کے اعتبار سے شرکت ہوگی۔

متحرک امانت یا کرنٹ اکاؤنٹ

بینک کے موجودہ نظام کے اعتبار سے کرنٹ اکاؤنٹ ان متقابل قرضوں کا نام ہے جو صاحب حساب اور بینک کے درمیان برابر چلا کرتے ہیں اور بینک اپنے کاغذات میں درج کرتا رہتا ہے۔ امانت کا کام اس سند کا ہوتا ہے جس کی بنا پر مال برآمد کرنے میں کوئی زحمت نہیں ہوتی اور برآمد ہونے والی رقم اس قرض کی حیثیت رکھتی ہے جو بینک موجودہ رقم کے اعتماد پر دے دیا کرتا ہے اور اس کی وجہ سے صاحب حساب بینک کا مقروض ہو جاتا ہے۔ [1]

مغرب کی ''اقتصادی فقہ'' کے اعتبار سے کرنٹ اکاؤنٹ اس قرارداد کا نام ہے جہاں بینک اپنے امانت گزار سے یہ طے کرتا ہے کہ آپ کی نقد رقم سکے کے تمام خصوصیات کو

---

[1] واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ رقم کا بینک میں جمع کرنا مالک بینک پر قرض ہے اور رقم کا بینک سے برآمد کرنا بینک کا مالک پر قرض ہے اور یہ دونوں قرض یوں ہی چلتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ حساب ختم ہو جائے اور رشتہ منقطع ہو جائے۔ (جوادی)

کھو بیٹھے گی اور اس کی حیثیت حسابی عنصر کی ہو جائے گی جو نتیجہ میں متفقہ مدت کے ختم ہونے پر ایک سند قرض کی حیثیت کی حامل ہوگی اور اس کا ادا کرنا واجب ہوگا جس کی وجہ سے کرنٹ اکاؤنٹ قابل تجزیہ نہیں ہے۔

ان امانتوں کے بارے میں غیر سودی بینک کا موقف بھی تقریباً یہی ہے کہ جو سودی بینکوں کا ہے۔اس لئے کہ وہ بھی متحرک امانتوں کو بطور قرض قبول کرتا ہے اور مالکین کو کوئی فائدہ نہیں دیتا بلکہ صرف یہ اختیار دیتا ہے کہ بینک میں ایک حساب کھول دیا جائے۔ جس کے دو خانے ہوں۔ایک میں داخل ہونے والی رقم درج ہو اور دوسرے میں نکلنے والی رقم کا اندراج ہوتا رہے یہ اور بات ہے کہ اسلامی شریعت میں جاری حساب ''چالو کھاتہ'' کی فقہی نوعیت مغربی فقہ سے بالکل مختلف ہے۔

مغربی فقہ میں ''جاری حساب'' ایک مستقل قرار داد ہے جہاں انفرادی حقوق اپنی حیثیت کھو بیٹھتے ہیں اور اس بنیاد پر اس کا تعلق دو قرضوں میں باہمی مقاصہ کے مسئلہ سے ہو جاتا ہے جس کے بارے میں مغربی فقہ کا خیال ہے کہ اس مقاصہ کو قضاوتی عنوان بھی حاصل ہونا چاہئے۔یعنی یہ مقاصہ اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک عدالت کے سامنے مسئلہ پیش نہ ہو اور قاضی مقاصہ کے بارے میں اپنا فیصلہ نہ سنا دے۔

لیکن دھیرے دھیرے مقاصہ کی یہ فکر بڑھتی گئی اور اس میں عدالتی کارروائی کا جزو نکال دیا گیا، یہ اور بات ہے کہ اس کے بعد بھی مغرب میں دو مکتب خیال پیدا ہوئے ہیں۔

ایک مکتب خیال یہ ہے کہ مقاصد کے لئے پہلے سے اعلان ہونا چاہئے کہ دونوں قرضوں میں باہمی حساب و کتاب ہو جائے گا اور دوسرا مکتب خیال یہ ہے کہ اس کی قانونی شکل ہونی چاہئے چاہے عام نظام کے تحت نہ ہو اور کم از کم اتنا ہونا چاہئے کہ جس کی مصلحت ہو وہ مقاصہ کا سلسلہ شروع کرے اور اس کی تحریک کرے۔

مقاصہ کے بارے میں مغربی فقہ کے ان تصورات کی بنا پر انفرادی حقوق کی ذاتی حیثیت کا گم ہو جانا اور کرنٹ اکاؤنٹ کے نتیجہ میں سکوں کی شخصیت کا فنا ہو جانا کسی نہ کسی

شکل میں ایک قرار داد کا محتاج ہے جس کے بغیر طرفین کے قرضوں میں باہمی مقاصہ [1] نہیں ہوسکتا۔

اسلامی فقہ کی رو سے طرفین کے حقوق کے ذاتی خصوصیات کے فنا ہوجانے کے بعد ''حساب جاری'' کی تفسیر کے لئے کسی نئے معاہدہ کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ جب صاحب حساب کے رقم برآمد کرنے کو بینک کا قرض فرض کرلیا گیا اور بینک میں رقم جمع کرنا بھی ایک قسم کا قرض ہے تو دونوں طرف سے قہری طور پر متقابل قرض پیدا ہوجائیں گے اور ایسے حالات میں مقاصہ قہری ہوجائے گا اور کسی جدید معاہدہ کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

علماامامیہ اور علما حنفیہ وغیرہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مقاصہ اپنے شرائط کے فراہم ہوجانے کے بعد قہری طور پر ہوا کرتا ہے اس کے لئے طرفین سے کسی قرارداد کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ طرفین اس حق کو ساقط بھی کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے یہ ان کے اختیار کی بات نہیں ہے کہ جب تک چاہیں حق کو باقی رکھیں اور جب چاہیں ختم کردیں۔

ایسے حالات میں حساب جاری کی روشنی میں انفرادی حقوق کی خصوصیت کے ختم ہوجانے کے بعد صاحب مال اور بینک کے باہمی قرضوں کا مسلسل ٹکراؤ اور سقوط ہوتا رہے گا اس کے لئے کسی معاہدہ یا اتفاق کی ضرورت نہ ہوگی اتنا ضرور ہوگا کہ ایک مرتبہ جس کو قرض خواہ کہیں گے دوسری مرتبہ اسی کو قرضدار کہیں گے اور اس کے علاوہ کوئی فرق نہ ہوگا یہ تمام باتیں اس وقت ہیں جب صاحب مال کے رقم برآمد کرنے کو قرض لینے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دونوں کاموں کو متقابل قرض فرض کیا جاتا ہے لیکن اگر متقابل قرض کے بجائے رقم نکالنے کو قرض کی ادائیگی فرض کرلیا جائے اور یہ کہا جائے کہ صاحب مال کی رقم کے ہوتے

---

[1] مقاصہ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں قرضوں کے حقوق خود بخود ٹکرا کر گر جائیں۔ مثال کے طور پر زید نے دس روپے عمرو سے لئے اور عمرو نے دس روپے زید سے لئے اب اگر روپیہ کی خصوصیت باقی رہے گی تو دونوں کو الگ الگ رقم ادا کرنا پڑے گی لیکن اگر خصوصیت معطّل قرار دے دی گئی ہے تو دونوں کا حق مطالبہ خود بخود ختم ہوجائے گا اور کسی کو کسی سے مطالبہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اسی کا نام مقاصہ تقاص تہاتر، تساقط وغیرہ ہے (جوادی)۔

ہوئے جو پیسہ بینک سے برآمد کیا جاتا ہے وہ اپنے قرض کی وصول یابی ہے جدید قرض نہیں ہے تو کرنٹ اکاؤنٹ میں دو قرض کے خانے نہ ہوں گے بلکہ دو ایسے دفتر (رجسٹر) ہوں گے جن میں سے ایک میں صاحب مال کے بینک پر قرضے درج کئے جائیں گے اور دوسرے میں ان قرضوں کی تدریجی وصول یابی کا اندراج کیا جائے گا۔ میری نظر میں رقم کے برآمد کرنے کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے اور سابق رقم کے موجود ہونے کی صورت میں غیر سودی بینک کے ہر اخراج (DRAW) کو وصولیابی کا نام دینا چاہئے ہاں اگر بینک میں پہلے سے بقدر طلب رقم نہیں ہے اور بینک رقم نکالنے والے کا مقروض نہیں ہے اور وہ قرض کے طور پر رقم نکال رہا ہے تو اسے وصول یابی کا نام نہیں دیا جاسکتا اور اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ ایک نئے قرض کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے جس میں بینک قرض خواہ ہے اور رقم لینے والا قرضدار میرے اس تصور کو ترجیح دینے کے اسباب بعد میں واضح ہوں گے۔ جب یہ معلوم ہوگا کہ جدید قرض کی ایجاد کے تصور پر بہت سی شرعی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں جن پر قابو پانے کے لئے اس تفسیر کا سہارا لینا بے حد ضروری ہے۔

کرنٹ اکاؤنٹ کھولنا

کرنٹ اکاؤنٹ کھولتے وقت بینک کو کچھ صوری کارروائی کرنا پڑتی ہے کہ مختلف کاغذات پر صاحب مال کے دستخط لئے جاتے ہیں اور انہیں محفوظ رکھا جاتا ہے کہ وقت ضرورت دستخط ملایا جاسکے اور غلط چیک نہ بھنایا جاسکے۔

ظاہر ہے کہ اس کارروائی میں کوئی شرعی مضائقہ نہیں ہے اور ہر آدمی کو اس احتیاط کے برتنے کا حق ہے۔ کرنٹ اکاؤنٹ کا یہ سلسلہ ان حقوق سے شروع ہوتا ہے جو بینک اور صاحب مال کے درمیان قائم ہو جایا کرتے ہیں اور ان کی ابتدا کبھی اس امر سے ہوتی ہے کہ صاحب مال بینک میں متحرک امانت جمع کر کے اس کا قرض خواہ بن جاتا ہے اور بینک کو اپنا مقروض بنالیتا ہے اور کبھی اس سے ہوتی ہے کہ بینک بلا مطالبہ سابق کسی آدمی کو رقم دے دیتا ہے اور وہ آدمی بینک کا مقروض ہو جاتا ہے۔

موجودہ بینکوں میں ایک کاروبار یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی آدمی مختلف کرنٹ اکاؤنٹ کھول لیتا ہے اور ہر اکاؤنٹ کو ایک مخصوص کام کے لئے استعمال کرتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ اس مختلف قسم کے حساب کھولنے کا مقصد کیا ہے؟ اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ صاحب حساب ہر کاروبار کی مستقل مقدار اور اس پر وارد ہونے والے قرض کی مقدار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر حساب دوسرے حساب کے مقابلے میں اپنے شخصی خصوصیات کو باقی رکھے اور صاحب حساب کا ایک حساب دوسرے حساب سے مستقل اور جداگانہ طور پر فرض کیا جائے کہ باہمی مقاصہ بھی ممکن نہ ہو تو انتہائی مہمل بات ہے اس لئے کہ مقاصہ جبری ہوتا ہے اس کے ساقط کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اس کے لئے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ صاحب مال یا بینک یہ شرط کر لے کہ ایک حساب کے قرضوں کا مقاصہ دوسرے حساب کے قرضوں سے نہیں ہو سکتا۔

مقاصہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک دونوں حساب ایک آدمی کی طرف منسوب رہیں گے اور دونوں مال ایک شخص کی ملکیت سمجھے جائیں گے سودی بینکوں میں بڑی بڑی پارٹیوں کو اپنا حساب کھولنے ہی پر فائدے دیئے جاتے ہیں اور مال کو ودیعت فرض کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن غیر سودی بینک میں یہ بات ممکن نہیں ہے وہ قرض کے اوپر کوئی فائدہ نہیں دے سکتا یہ اور بات ہے کہ پارٹیوں کی ترغیب کے لئے دوسرے وسائل اختیار کرے اور انہیں ہمیشہ بلا سود قرضہ دے لیکن کوئی ایسا امکان نہیں ہے جس میں سود کا سوال پیدا ہو جائے۔

امانت گزاری

ڈیپازٹ (DEPOSIT) کسی حساب میں رقم جمع کرنے کے مختلف وسائل ہوا کرتے ہیں۔ سب سے اہم وسیلہ نقد رقم جمع کرنے کا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب مال بذات خود یا اپنے وکیل کے ذریعہ کوئی رقم بینک کے خزانہ میں جمع کر دے اور اس سے ایک رسید لے لے کہ قرض دینے کے خانے میں اس رقم کا اندراج ہو گیا ہے دوسرا وسیلہ یہ

ہے کہ صاحب حساب بینک کے پاس ایسے چیک لے کرآئے جو اسی بینک کے نام لکھے گئے ہیں یا اس کی طرف منتقل کر دیئے گئے ہیں اور بینک سے یہ خواہش کرے کہ وہ اس چیک کو کیش کر کے اس کی رقم حامل چیک کے حساب میں درج کر دے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ دو آدمی ہیں ایک قرض خواہ ہے اور ایک قرضدار۔قرضدار اپنے قرض کو ادا کرنا چاہتا ہے اس نے قرض کی رقم کے برابر بینک کے نام ایک چیک لکھ دیا اور اپنے قرض خواہ کے حوالے کر دیا، قرض خواہ وہ چیک لے کر بینک کے پاس آیا اور اس سے یہ مطالبہ کیا اس کی قیمت کے برابر رقم اس کے حساب میں درج کر دے اس کام کا مطلب یہ بھی ہوگا کہ صاحب چیک نے اپنے حساب میں یہ رقم جمع کرا دی فرق صرف یہ ہے کہ نقد کے بجائے چیک کا ذریعہ اختیار کیا ہے۔جمع کرنے کے اس طریقہ کا تعلق چیک لکھنے والے کے حساب سے رقم برآمد کرنے سے بھی ہے اور درحقیقت یہ اسی کی ایک فرع ہے اس لئے اس کی بحث اسی وقت کی جاسکتی ہے۔جب شرعی اعتبار سے چیک کیش کرانے کے مسائل پر گفتگو ہو اور ہم رقم نکالنے کی شرعی حیثیت طے کر رہے ہوں یہ اور بات ہے کہ نتیجے میں یہ طریقہ بھی صحیح ثابت ہوگا اور اس میں کوئی شرعی اشکال نہ ہوگا تیسری شکل یہ ہے کہ بینک ان حفاظتی کاغذات پرونوٹ کو کیش کرلے جنہیں صاحب حساب نے کیش کرنے کے قوانین کے ساتھ بینک کے پاس جمع کر دیا ہے اور پھر کاغذ کی قیمت برابر رقم صاحب حساب کے رجسٹر میں درج کر دے یا اگر کاغذ لکھنے والے مقروض کا حساب بھی بینک میں موجود ہے تو نقد کیش کرانے کے بجائے اس کے حساب سے کاغذ کی مقدار بھر رقم کاٹ دے اور قرض خواہ کے حساب میں درج کر دے یہ بھی رقم جمع کرنے کی ایک شرعی صورت ہے جس میں کوئی اشکال نہیں ہے شرط صرف یہ ہے کہ اس کاغذ سے فائدہ اٹھانے والا اس امر کی اجازت دے دے۔

ان وسائل کے علاوہ اندراج کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں جن میں بینک صاحب حساب کے رجسٹر میں رقم درج کر دیا کرتا ہے اور اسے اس وقت تک خبر نہیں ہوتی جب تک حساب کا چارٹ یا کوئی مخصوص اطلاع نامہ اس تک نہ پہنچ جائے یہ کام عموماً اس وقت ہوتا

ہے جب بینک کے پاس صاحب حساب کے نام کوئی ڈرافٹ داخل ملک یا خارج سے آجاتا ہے اور وہ کسی تجارت کی قیمت وغیرہ کا ہوتا ہے یا کوئی اور رقم ہوتی ہے اور بینک اس حوالہ کی قیمت حوالہ دینے والے کے اکاؤنٹ سے کاٹ کر صاحب حساب کے حساب میں درج کر دیتا ہے اور صاحب حساب کے مال کی مقدار خود بخود بڑھ جاتی ہے اور اس کی ساکھ میں اضافہ ہو جاتا ہے یہ کام شرعی اعتبار سے جائز ہے لیکن اس میں شرط یہی ہے کہ بینک کو صاحب حساب کی طرف سے حوالوں کے قبول کرنے کی اجازت حاصل ہو۔ تاکہ وہ اس اجازت کی بنا پر وکالتاً حوالہ قبول کرے اور حوالہ کی قیمت کو مقروض کے حساب سے کاٹ کر مستفید (جس کے نام کا حوالہ) ہے کے اکاؤنٹ کی طرف منتقل کر سکے اور اس طرح ڈیپازٹ کی ایک نئی شکل وجود میں آجائے۔

ان بیانات سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ رقم کے جمع کرنے کے لئے جہاں صاحب حساب کا براہ راست اقدام صحیح ہے وہاں اس کے حق میں بینک کے اقدامات بھی جائز اور مشروع ہیں۔

اخراج رقم

DRAW حساب سے رقم برآمد کرنے کے بھی مختلف وسائل ہوا کرتے ہیں۔ اہم ترین وسیلہ یہ ہے کہ صاحب حساب اپنے دستخط سے چیک بینک کو دے دے اور بینک مطلوبہ رقم نکال کر اس کے حوالے کر دے۔

دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ صاحب حساب بینک کو اپنے دستخط کے ساتھ خط لکھ دے کہ میرے حساب میں سے اتنی رقم فلاں بینک یا فلاں مقام کی طرف منتقل کر دی جائے چاہے وہ جگہ ملک کے اندر ہو یا باہر۔

ایسی حالت میں بینک جس مقدار میں رقم خرچ کرے گا اس کی اطلاع صاحب حساب کو بھیج دے گا اور اس کا نام ایڈوائس ہوگا۔

ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ صاحب حساب بینک کو تحریری حکم بھیج دے کہ میرے

حساب میں سے اتنی مقدار میں بانڈ وغیرہ خرید لئے جائیں یا یہ کہ اگر میرے دستخط سے کوئی پرونوٹ بینک کے پاس آئے اور اس میں یہ لکھا ہو کہ عندالاستحقاق بینک سے لیا جا سکتا ہے تو اسے میرے جاری حساب میں دے دیا جائے اس طرح جو بھی رقم صاحب تحریر کو دے دی جائے گی وہ بھی برآمد ہی شمار کی جائے گی۔

اس وقت ہماری بحث کا تعلق اہم ترین وسیلہ یعنی چیک سے ہے۔ تحویل کے ذریعہ اخراج کی بحث اس وقت ہوگی جب بینک کے خدمات میں حوالہ کا تذکرہ کیا جائے گا اور بانڈ وغیرہ خریدنے کے حکم کی گفتگو بینک کے اس قسم کے خدمات کے ذیل میں ہوگی رہ گیا پرونوٹ کے ذریعے اخراج تو اس کی بازگشت بینک کے نام اس حوالے کی طرف ہے جس کی مدت معین کردی گئی ہے اور اس کی بحث حوالے کے ذیل میں بالتفصیل کی جائے گی۔

مال کے اخراج کے موقع پر چیک کا استعمال عام طور پر ادائے قرض کے انداز پر ہوتا ہے گویا کہ چیک لکھنے والا مقروض ہوتا ہے اور اس سے استفادہ کرنے واا قرض خواہ قرضدار بینک کے نام چیک لکھتا ہے کہ اس کے حساب میں سے رقم نکال کر قرض خواہ کے حوالے کردی جائے ایسے چیک لکھنے والے مقروض کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

ایک مقروض وہ ہوتا ہے جس کا اکاؤنٹ بقدر ضرورت بینک میں جمع ہوتا ہے اور وہ اسی اکاؤنٹ کے اعتماد پر چیک ایشو کرتا ہے اور ایک مقروض وہ ہوتا ہے جس کے اکاؤنٹ میں مطلوبہ رقم نہیں ہوتی ہے اور وہ اوورڈرافٹ کے طور پر چیک لکھتا ہے ہمیں یہاں پر دونوں قسم کے افراد اور دونوں قسم کے حالات سے بحث کرنا پڑے گی۔

پہلی قسم۔ جہاں بینک میں بقدر چیک اکاؤنٹ جمع ہوتا ہے اور چیک لکھنے والا چیک کے ذریعے اپنی رقم برآمد کرنا چاہتا ہے یعنی بینک سے اپنے قرض کو وصول کرنا چاہتا ہے تو اس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ اس عمل کی دو تفسیریں ممکن ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ اسے استیفائے قرض قرار دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اس طرح صاحب مال اپنے قرض کو وصول کر رہا ہے۔

اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اسے بینک کی طرف سے ایک قرض شمار کیا جائے جس کے نتیجے میں خود بخود طرفین قرض خواہ اور قرضدار بن جائیں۔

پہلی تفسیر کی بنا پر چیک کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایک مقروض نے اپنے قرض خواہ کو حوالہ دے کر بینک کے پاس بھیج دیا ہے کہ میرے قرض کو وصول کر کے اپنے قرض کا تدارک کرلو اور یہ قسم شرعاً بالکل صحیح ہے۔ جس کے نتیجہ میں مقروض کا ذمہ بری ہو جائے گا اور بینک چیک کیش کرنے کے بعد صاحب حساب کے مقابلے میں اپنا ذمہ بھی بری کرلے گا۔

غیر سودی بینک کے لئے ہم نے چیک کے اسی مفہوم ''استیفا'' قرض کو ترجیح دی ہے اور اس کے اسباب بھی ظاہر کر دیئے ہیں۔

دوسری تفسیر کی بنا پر چیک ایک قسم کا قرض ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں طرفین سے متقابل قرضے پیدا ہو جاتے ہیں یہاں اسلامی قوانین کو منطبق کرنے کے لئے قرض کے قواعد کا لحاظ کرنا پڑے گا اور اسلام میں قرض کے بارے میں یہ شرط ہے کہ اسے خود صاحب قرض یا اس کا نائب و وکیل اپنے قبضے میں لے قبضہ کے بغیر قرض صحیح نہیں ہوتا۔ ایسے حالات میں اگر چیک کو بینک سے لئے جانے والا قرض قرار دیا جائے گا تو اس کا قبض کرنا ضروری ہوگا چاہے خود صاحب مال قبض کرے یا کم از کم بینک یا قرض خواہ کو اپنا نائب وکیل بنا دے اس کے بغیر قرض کی صحت کا کوئی امکان نہیں ہے اور موجودہ نظام کی بنیاد یہ ہے کہ بینک وغیرہ کو قبض کا کوئی وکیل نہیں بنا تا بلکہ اکثر اوقات صرف حساب کو اس کے دفتر سے دوسرے دفتر میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ بنابریں اس معاملہ کی صحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ قرض کے شرائط مفقود ہیں اور قرض غیر صحیح ہے اور جب قرض ہی غیر صحیح ہے تو چیک لکھنے والے کے ذمے کے بری ہونے کا بھی کوئی سوال نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے بینک سے مال برآمد کرنے کو ''استیفا قرض'' قرار دیا تھا اور جدید قرض کی تھیوری سے اختلاف کیا تھا کہ جدید قرض میں قبض کی ضرورت ہوگی اور قبضہ تمام حالات میں ممکن نہیں ہے۔

دوسری قسم:۔ جہاں پہلے سے بقدر ضرورت اکاونٹ نہیں ہوتا اور صاحب غرض

بینک کے نام چیک لکھ دیتا ہے اور قرض خواہ وہ چیک لے کر بینک کے پاس آتا ہے کہ اس سے رقم لے کر اپنے قرض کو وصول کرے یا بینک رقم نکالنے کے بجائے چیک لکھنے والے کو اپنا ریون لکھ کر اتنی رقم قرض خواہ کے اکاونٹ میں منتقل کر دیتا ہے اور اس کے مالکانہ حساب کا جزو بنا دیتا ہے اس منزل پر بھی اسی صعوبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے (جس کی طرف سابق میں اشارہ کیا جا چکا ہے) کہ اگر بینک سے رقم نکالنا قرض لینے کے مترادف ہے تو اس میں قبضہ کرنے کی شرط ہے اور یہاں قبضہ کا کوئی سوال نہیں ہے اور اگر چیک کا مطلب مقروض کی طرف سے قرض خواہ کو بینک کے نام حوالہ کرنا ہے جیسا کہ پہلی قسم میں بتایا جا چکا ہے تو یہ حوالہ صحیح ہے۔ یہ اور بات ہے کہ پہلے حوالے میں بینک صاحب حوالہ کا مقروض تھا اور اسی قرض پر حوالہ دیا گیا تھا اور اس حوالے میں بینک مقروض نہیں ہے (جس کا نام شریعت کی اصطلاح میں ''حوالہ علی البری'' ہے) لیکن اس حوالے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے اور اس حوالے کے قبول کر لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ جو رقم مقروض کے ذمہ تھی اس سے مقروض بری الذمہ ہو گیا اور اس کی جگہ پر بینک مقروض ہو گیا اور بینک کی طرف سے چیک لکھنے والا مقروض قرار دیا گیا۔ چیک لکھنے والے کے مقروض ہونے کی بنیاد بینک سے قرض لینا نہیں ہے کہ اس میں قبضہ کی ضرورت ہو۔ بلکہ اس کی بنیاد بینک کے حوالے کو قبول کر لینا ہے جو قرض سے الگ ایک چیز ہے اور چونکہ بینک ابتدا سے بری الذمہ تھا اس لئے حوالہ قبول کرنے کے بعد وہ مشغول الذمہ ہو جائے گا اور اسے بقدر حوالہ رقم ادا کرنا پڑے گی۔ اور اس کے نتیجہ میں صاحب چیک بینک کا مقروض[1] شمار کیا جائے گا۔

یہاں تک یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ حوالہ کی بنیاد پر قرض ادا کرنے کے لئے چیک کا استعمال کرنا شرعاً صحیح ہے۔ چاہے اپنے موجودہ اکاونٹ کی بنا پر لکھا جائے یا بغیر

---

[1] اگر اس فقہی مسئلہ کو قبول کر لیا جائے کہ حوالہ لکھنے والا لکھتے ہی دوسرے کا مشغول الذمہ ہو جاتا ہے ورنہ اگر ضمانت کا معیار یہ ہے کہ حوالہ لکھنے والے نے حوالہ کے ذریعے دوسرے کا مال تلف کیا ہے تو یہ ضمانت اس وقت تک پیدا نہ ہوگی جب تک بینک مال حوالہ نہ کر دے (مولف)۔

مطلوبہ اکاؤنٹ کے ابتدائی طور پرلکھ دیا جائے۔ اس کے علاوہ صاحبان حساب کے ذمے کچھ اور بھی قرضے ہوتے ہیں جنہیں ان کی اطلاع کے بغیر ان کے حساب میں درج کر دیا جاتا ہے جیسے مختلف کاموں کی اجرتیں۔ ڈاک کے مصارف اور کاغذات کی ترتیب کے اخراجات وغیرہ۔ یہ قرضے شرعی اعتبار سے صحیح ہیں اس لئے کہ جب بینک صاحب حساب کے صریحی یا ضمنی حکم کی بنا پر سارے خدمات انجام دیتا ہے اور اس کے کاغذات مرتب بذریعہ ڈاک اطلاعاً بھیجتا رہتا ہے تو صاحب حساب کی ذمہ داری ہے کہ اس کے اخراجات کو برداشت کرے اور اس کے عمل محترم کی وہ اجرت ادا کرے جو عام طور سے ایسے اعمال پر ملا کرتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بینک مطالبات کو نقد وصول نہیں کرے گا بلکہ قہری مقاصہ کی بنا پر صاحب حساب کے اکاؤنٹ میں سے کم کر دے گا۔

اجتماع صفات

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے بینک کے نام چیک لکھنے میں ایک ہی شخص میں مفید اور مستفید دونوں حیثیتیں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ اس طرح کہ صاحب حساب اپنے ہی کام کے لئے چیک لکھتا ہے اور اس کی حیثیت رقم نکالنے والے کی بھی ہوتی ہے اور استفادہ کرنے والے کی بھی۔ اس عمل کا فقہی مفہوم یہ ہے کہ صاحب حساب اپنے قرض میں سے بقدر قیمت چیک رقم وصول کرنا چاہتا ہے اور چیک صرف اس لئے لکھ دیا ہے کہ بینک کے پاس بطور سند محفوظ رہے اور وہ یہ ثابت کر سکے کہ اس سے کس قدر قرضہ واپس لیا جا چکا ہے۔

اسی عمل کی دوسری شاخ یہ ہے کہ چیک خود بینک کے لئے لکھا جائے جہاں بینک ہی بیک وقت برآمد کرنے والا بھی ہو اور مستفید بھی اور اس کی شرعی تفسیر یہ ہو کہ رقم نکالنے والا کسی نہ کسی سبب سے بینک کا مقروض ہو گیا ہے اور بینک کی سابق مقروضیت اور اس جدید قرض خواہی حیثیت میں مقاصہ ہو جائے اور کوئی شے کسی کے ذمہ باقی نہ رہے۔

چیک کا فائدہ یہ ہے کہ وہ مقاصد کے واقع ہونے کا ثبوت بن جائے گا اور یہ ظاہر کرے گا کہ فلاں مقدار میں بینک اور صاحب حساب میں قہری مقاصہ ہو چکا ہے اور یہ

ایک شرعی عمل ہے جس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

فلسڈڈپازٹ (FIXED DEPOSIT)

یہ وہ رقمیں ہیں جن کے بینک میں رہنے کا مقصد صرف فائدہ کا حاصل کرنا ہوتا ہے اور مستقبل قریب میں مالک کو ان کی کوئی احتیاج نہیں ہوتی۔

اس رقم کا اس وقت تک بینک سے نکالنا جائز نہیں ہے جب تک وہ مقررہ وقت نہ آجائے جس کے بارے میں بینک اور پارٹی کے درمیان معاہدہ ہوا ہے۔

مدت کے پوری ہو جانے کے بعد طرفین کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہیں تو مدت میں مزید اضافہ بھی کر سکتے ہیں اور آئندہ کے لئے ایک نیا معاہدہ بھی کر سکتے ہیں۔

درحقیقت یہی امانتیں سودی قرض کہی جاتی ہیں اور انہیں کو قبول کرنے سے غیر سودی بینک عاجز ہے۔ لیکن غیر سودی بینک نے اپنی عملی سیاست کی بنا پر انہیں قرض سے نکال کر مضاربہ کی راہ پر لگا دیا ہے اور باقاعدہ طور پر امانت کا مفہوم دے دیا ہے گویا صاحب امانت یہ رقمیں بینک کے حوالے کرتا ہے تاکہ وہ انہیں کام میں لگا کر مضاربہ کے عنوان سے ان سے فائدہ حاصل کرے اور پھر اس فائدہ کو حسب قرارداد تقسیم کر لیا جائے جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

سیونگ اکاؤنٹ (SAVING ACCOUNT)

اس سے مراد وہ حساب ہے جو ایک مخصوص پاس بک میں لکھا رہتا ہے اور ہر درآمد برآمد کے موقع پر اسے پیش کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی ذخیرہ اندوزی والی امانت ہے یہ اور بات ہے کہ عام طور پر اس کے مالکین کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ بروقت یا مخصوص شرائط کے تحت رقم برآمد کر سکتے ہیں۔

غیر سودی بینک ان رقموں کو بڑی کشادہ دلی سے قبول کرتا ہے اور ان کے مالکین کو سودی بینکوں کی طرح رقم برآمد کرنے کا مکمل اختیار بھی دیتا ہے اور مضاربہ نے انداز سے

دوسری امانتوں کی طرح کاروبار میں لگا کر استفادہ بھی کرتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ غیر سودی بینک میں فکسڈ ڈپازٹ اور سیونگ اکاؤنٹ میں دو قسم کے فرق پائے جاتے ہیں جن کی طرف اشارہ بھی کیا جا چکا ہے اور ان کا اجمالی خاکہ یہ ہے:۔

ا۔ سیونگ اکاؤنٹ ہر وقت برآمد کیا جا سکتا ہے لیکن فکسڈ ڈپازٹ کے لئے بینک کو پارٹی سے شرط کرنا پڑے گی کہ کم از کم چھ مہینہ مال بینک کی تحویل میں رہے گا۔ اس کے بعد نکالنے کا اختیار پیدا ہوگا۔

۲۔ غیر سودی بینک سیونگ اکاؤنٹ میں سے ایک حصہ جدا کر کے اسے بطور قرض محفوظ رکھے گا اور اسے مضاربہ میں شامل نہ کیا جائے گا تا کہ اس کے ذریعے وارد ہونے والے ہر خسارے کا مقابلہ کیا جا سکے۔

حقیقی امانتیں

یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں ان کے مالک محفوظ رکھنا چاہتے ہیں لیکن چوری، آتش زدگی اور بربادی وغیرہ کا خطرہ محسوس کرتے ہیں اور ان خطرات سے بچنے کے لئے بینک کے حوالے کر دیتے ہیں تا کہ جس وقت ضرورت ہو ان کو اصلی حالت میں بینک سے واپس لے لیا جائے۔ بینک ان اشیا کی حفاظت کے لئے مختلف صندوق مہیا کرتا ہے اور انہیں پارٹی کو بطور کرایہ دے کر ان سے اجرت وصول کرتا ہے۔

درحقیقت انہیں امانتوں کو فقہی اصطلاح میں باقاعدہ امانت کہا جا سکتا ہے۔ جہاں اصلی مال کے ساتھ اصلی شکل کی حفاظت بھی ضروری ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر بینک کو حفاظت کی اجرت لینے کا حق بھی ہوتا ہے چاہے اس اجرت کو صندوقوں کا کرایہ قرار دیا جائے یا صندوقوں کی حفاظت کا خرچ تصور کیا جائے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

مصرفی امانتوں کی اقتصادی اہمیت

ان بیانات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ مصرفی امانتیں اقتصادی دنیا میں بے حد اہمیت کی مالک ہیں اور ان کی اہمیت کو حسب ذیل تین نکات میں جمع کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ یہ امانتیں:۔

بینک کے کاغذات میں اندراج سے زیادہ اہمیت نہ رکھنے کے باوجود ادائیگی رقم کا اہم وسیلہ شمار کی جاتی ہیں اور ان کے گرد بینک کے اعتبار اور اس کی ساکھ کی بے شمار ضمانتیں ہوتی ہیں اور یہی ضمانتیں ہوتی ہیں اور یہی ضمانتیں ان کی اہمیتوں کو بیش از بیش کر دیا کرتی ہیں چاہے حکومتی قانون نقدی حیثیت سے ان کی کسی اہمیت کا قائل نہ ہو اور ان کاغذات کو کوئی حیثیت نہ دیتا ہو۔ قانون کے قبول نہ کرنے کا صرف یہ اثر ہے کہ ان کاغذات کا اثر کی ادائیگی میں قبول کرنا کوئی ضروری نہیں ہے اور صاحب قرض نقد کا مطالبہ کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی معاملاتی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی ملکیت چیک کے ذریعہ برابر منتقل ہوتی رہتی ہے اور ملک کا تجارتی اور صنعتی کاروبار روبہ ترقی رہتا ہے۔

۲۔ مصرفی امانتیں:۔

زیادہ حصہ ان اموال کی نمائندگی کرتی ہیں جو ملک میں بیکار پڑے رہتے ہیں اور بینک میں داخل کرنے کے ذریعے انہیں پیداوار اور منافع کے راستے پر لگا دیا جاتا ہے

صاحبان تجارت وصنعت بطور قرض لیتے ہیں اور کاروبار کر کے ملکی اقتصاد کو تجارت وصنعت کی راہ میں آگے بڑھاتے ہیں۔

۳۔ یہ امانتیں:۔

بینک میں یہ طاقت پیدا کر دیتی ہیں کہ وہ ان امانتوں سے زیادہ سے زیادہ اعتبار پیدا کر سکے اور پھر اس اعتبار کے ذریعے مزید امانتیں جذب کر سکے۔اس طرح امانت سے اعتبار پیدا ہوگا اور اعتبار سے امانت۔نتیجہ میں وسائل کی ترقی میں اضافہ ہوگا اور تجارتی حرکت کی رفتار تیز ہو جائے۔گی ضرورت ہے کہ ان نکات کے بارے میں اسلامی شریعت کا نقطہ نظر واضح کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ ان مقامات پر غیر سودی بینک کا موقف کیا ہوگا؟

مصرفی امانت وسیلہ ادائیگی ہے

مصرفی امانتوں کے ذریعہ قرض وغیرہ کی ادائیگی کا بہترین ذریعہ چیک کا استعمال ہے اور چونکہ اصلی ادائیگی کا ذریعہ مصرفی امانت ہے چیک نہیں ہے چیک صرف اس امانت کے اخراج کا ذریعہ ہے جو بینک کے ذمے صاحب مال کے قرض کی حیثیت سے محفوظ ہے اس لئے مصرفی امانتوں کو ذریعہ ادائیگی بنانا انہیں حالات میں جائز ہوسکتا ہے جہاں قرض کا نقد کے بدلے استعمال کرنا اور اسے ادائیگی کا ذریعہ بنانا جائز ہوگا اور یہ مسئلہ خود قابل تحقیق ہے کہ قرض کی ادائیگی کا ذریعہ کن حالات میں بنایا جا سکتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرض کے ذریعہ معاملت کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔قرض کو دوسرے قرض کی ادائیگی کا ذریعہ بنایا جائے اور قرض کی بنیاد پر حوالہ دیا جائے یعنی ایک مقروض اپنے قرض خواہ کو اپنے سابق مقروض کے حوالے کر دے کہ وہ اس سے اپنا قرض وصول کر لے اور چیک کو ادائیگی کے وسیلہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اس مسئلہ میں کوئی شرعی اشکال نہیں ہے اور اس طرح امانت کو وسیلہ ادا بنایا جا سکتا ہے۔

۲۔قرض کو اصل عقد ومعاملت کا مرکز بنایا جائے اور اسی کی بنیاد پر معاملہ کیا

جائے یعنی اس قرض کے عوض جو کسی کے ذمے ہے کوئی مال خریدا جائے یا اسے دوسرے شخص کو ہبہ کر دیا جائے ایسا معاملہ بعض حالات میں صحیح ہوگا اور بعض حالات میں باطل تفصیل یہ ہے کہ اگر قرض سے خریدی جانے والی جنس خود ادھار نہیں ہے اور سامنے موجود ہے کہ جنس نقد ہے اور قیمت ادھار (قرض) تو معاملہ میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر جنس بھی موجود نہیں ہے تو معاملہ باطل ہے اس لئے کہ شریعت کی رو سے قرض کا قرض سے سودا جائز نہیں ہوتا اور دو میں سے ایک طرف کا نقد ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح صاحب قرض کا اپنے قرض کو ہبہ کر دینا شرعاً صحیح ہے لیکن شرط یہی ہے کہ اس کے نام ہبہ کرے جس کے اوپر قرضہ ہے ورنہ اگر دوسرے کو ہبہ کر دیا ہے تو یہ ہبہ ان فقہا کے نزدیک باطل ہو جائے گا جو ہبہ میں مستفید کے قبض کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جس کے نام پر ہبہ کیا جائے اسے قبضہ بھی کرنا چاہئے اور اس مقام پر کوئی دوسرا آدمی قبضہ نہیں کر سکتا اس لئے اس کے نام ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے کو وکیل بنا دے اور وہ قبضہ کر لے تو کوئی حرج نہیں ہے (چاہے وہ دوسرا خود مقروض ہی کیوں نہ ہو۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ چیک کو وسیلۂ ادا بنا کر استعمال کرنے میں کسی قسم کا کوئی شرعی مضائقہ نہیں ہے اور اس سے اس طرح معاملہ کرنا کہ اصل قیمت چیک نہ ہو بلکہ مصرفی امانت اور بینک کی موجودہ رقم ہو، کبھی معاملہ کو صحیح رکھتا ہے اور کبھی باطل بنا دیتا ہے لیکن مستقل طور پر اسے موضوع عقد بنانا اور مصرفی امانت کو یکسر نظر انداز کر دینا معاملہ کو مکمل طور پر باطل بنا دیتا ہے بشرطیکہ چیک دینے والے کا بینک میں اکاؤنٹ نہ ہو، اس لئے کہ اس طرح جس چیز سے مال خریدا جا رہا ہے اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے خالی بینک میں قرضہ کا درج ہو جانا کوئی شئے نہیں ہے۔ اس کا قبضہ بھی ضروری ہے او وہ فی الحال حاصل نہیں ہے البتہ واضح رہے کہ بینک کی عمومی زندگی میں چیک کا استعمال صرف وسیلۂ ادا ہی کے طور پر ہوتا ہے اور اس میں کوئی شرعی اشکال نہیں ہے اور غیر سودی بینک بھی اسے باقاعدہ طور پر استعمال کر سکتا ہے۔

غیر سودی بینک اور معطل اموال

بحث کا دوسرا نقطہ یہ ہے کہ ملک میں معطل پڑے ہوئے اموال کو جمع کرنے اور انہیں کاروبار میں لگانے کے لئے غیر سودی بینک کا طریقہ کار کیا ہوگا؟

بظاہر اس مسئلہ میں سودی اور غیر سودی بینک میں کوئی خاص فرق نہیں ہے دونوں ہی مال جذب کرتے ہیں اور دونوں ہی کاروبار میں لگاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ سودی بینکوں میں کاروباری حضرات کو قرض دیا جاتا ہے اور غیر سودی بینک میں منفعت میں شرکت کے عنوان سے مال دیا جاتا ہے۔

امانت سے زیادہ اعتبار

تیسرا نقطۂ بحث یہ ہے کہ سودی بینکوں میں امانتوں کی مقدار سے زیادہ اعتبار پیدا کرلیا جاتا ہے اور قرضوں کی ذمہ داری لے لی جاتی ہے۔ غیر سودی بینک کا موقف اس سلسلے میں کیا ہوگا؟ کیا یہ بینک بھی اپنے اموال کی موجودہ مقدار سے زیادہ قرض دے سکتا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ غیر سودی بینک بھی انہیں امور کو انجام دے سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی شرعی سبب ہونا چاہئے شرعی سبب کے بغیر ایسا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ شرعی اور غیر شرعی اسباب کی تفریق کے لئے حسب ذیل تین صورتوں پر غور کرنا ہوگا۔

پہلی صورت یہ ہے کہ بینک کے پاس امانتوں کی موجودہ مقدار ہزار روپیہ کے برابر ہے اور دو آدمی ایک ایک ہزار روپیہ بطور قرض مانگنے کے لئے آگئے اب اگر بینک کو یہ معلوم ہے کہ دونوں قرض لینے والے اپنے اپنے قرضہ کو دوبارہ بینک میں جمع کردیں گے اور ایک ساتھ واپس نہ لیں گے تو بینک کے لئے بہت آسان ہے کہ دونوں کے لئے ایک ایک ہزار روپیہ کا قرضہ کا التزام کرلے اور اس طرح دو ہزار روپیہ کا قرض خواہ بن جائے اور اس کے خزانے میں ایک ہزار سے زیادہ کچھ نہ ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بینک کے پاس امانتوں کی موجودہ مقدار ہزار روپیہ ہے

اور ایک شخص ہزار روپیہ قرض مانگنے آ گیا اور بینک نے وہ ایک ہزار اسے دے دیا۔ اس نے رقم لے کر اپنے قرض خواہ کو دی اور اس قرض خواہ نے دوبارہ بینک میں جمع کر دی تھوڑی دیر کے بعد دوسرا آدمی ایک ہزار کا قرضہ مانگنے کے لئے آ گیا اور بینک نے وہی رقم اٹھا کر اسے دے دی کہ اصل سرمایہ ایک ہزار ہے لیکن دیئے ہوئے قرضوں کی مقدار دو ہزار روپیہ ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ امانتوں کی رقم ایک ہزار ہے اور دو آدمیوں کے ایک ایک ہزار کے ایسے حوالے آ گئے جن کا کوئی مال بینک میں نہیں ہے لیکن بینک کو یہ اندازہ ہے کہ اگر دونوں کے حوالے قبول بھی کر لے گا تو بیک وقت ادائیگی کی زحمت میں نہیں پڑے گا ایسی حالت میں اگر قبول بھی کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں حوالہ کرنے والوں پر ایک ایک ہزار قرض بھی ہو گیا اور اپنا سرمایہ ایک ہزار سے زیادہ بھی نہیں ہوا۔ ان تینوں حالات کا مکمل تجزیہ بتاتا ہے کہ پہلی صورت میں ہزار کے سرمایہ پر دو ہزار کا قرضہ صرف دو آدمیوں کے لئے قرضہ کے التزام اور وعدہ سے پیدا ہوا ہے۔ کسی آدمی نے قرض اپنے ہاتھ میں نہیں لیا صرف اپنے حساب میں درج کرا دیا ہے۔ حالانکہ اسلام میں قرض کے لئے رقم پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ قبضہ کے بغیر قرض باطل ہو جائے گا اور بینک صرف اتنی ہی مقدار کا قرض خواہ فرض کیا جائے گا جتنی مقدار مقروض کے قرضہ میں آ گئی ہے۔

دوسری صورت میں بھی بینک کی قرض خواہی دو قرضوں سے پیدا ہوئی ہے لیکن یہاں دونوں قرض قبضہ میں آ گئے ہیں اور دونوں نے اپنے اپنے قرضہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے دوبارہ بینک کو ان کے مالکان قرض نے دیا ہے انہوں نے نہیں دیا اس لئے یہ دونوں قرض صحیح ہوں گے اور بینک دو ہزار کا قرض خواہ کہا جائے گا۔

تیسری صورت میں بینک کی دو ہزار کی بالادستی حوالوں کو قبول کرنے سے پیدا ہوئی ہے قرض کا کوئی سوال نہیں ہے اور حوالہ اپنے مقام پر صحیح ہے اس لئے بینک دونوں حوالہ کرنے والوں پر ایک ایک ہزار کا حق پیدا کر لے گا جب کہ خود اس کی رقم ایک ہزار سے زائد نہیں ہے۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ موجودہ مقدار سے زیادہ رقم کے لئے بینک کا ذمہ

دار بن جانا شرعی اعتبار سے ایک جائز امر ہے بشرطیکہ اس کے شرعی اسباب موجود ہوں۔ بایں معنی کہ یا قرض ہو اور قبضہ میں لے لیا جائے (جیسا کہ دوسری صورت میں فرض کیا گیا ہے) یا حوالہ کا عنوان ہو (جیسا کہ تیسری صورت میں طے ہوا ہے۔)

لیکن اگر شرعی اسباب موجود نہیں ہیں اور قرضہ پر قبضہ نہیں کیا گیا ہے یا حوالہ نہیں دیا گیا ہے (جیسا کہ پہلی صورت میں فرض کیا گیا ہے) تو اس صورت کی صحت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

بینک کا اپنے کاغذات میں درج کر کے دو آدمیوں پر ہزار ہزار روپیہ کا حق پیدا کر لینا اور اپنے سرمایہ میں ایک ہزار سے زائد کا نہ ہونا قرض پیدا کر سکتا ہے نہ قرضدار نہ قرض خواہ، اس مقام پر یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ پہلی صورت میں قبضہ نہ ہونے کی بنا پر قرض کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبضہ کے لئے روپیہ کو بینک سے باہر نکال لیا جائے اور اس کے قبضہ سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا جائے بلکہ اس کا امکان بھی ہے کہ ایک ہزار قرض کا مانگنے والا ''صاحب حساب'' اتنی رقم کو بینک سے قبض کرے اور پھر دوبارہ اسی بینک میں داخل کر دے اگر چہ اس مسئلہ پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ دوبارہ بینک میں جمع کر دینا بینک کو قرض دینے کے مترادف ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جمع کرنے والا بینک کا قرض خواہ بن جائے اور قرض طرفینی ہو جائے پہلے بینک صاحب حاجت کا قرض خواہ بنے اس کے بعد صاحب حاجت بینک کا قرض خواہ بن جائے اور نتیجہ میں دونوں قرض ٹکرا کر ساقط ہو جائیں اور بینک کی مالکانہ حیثیت ختم ہو جائے، جس کے بعد یہ کہنے کا امکان بھی نہ رہ جائے کہ ایک ہزار کی مالیت پر بینک دو ہزار کا حقدار بن گیا ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ بینک سے براہ راست یا بالواسطہ قرض لینے والا بہر حال بینک کا مقروض ہو جاتا ہے اب اگر اس نے دوبارہ رقم بینک میں جمع بھی کر دی اور بینک پر ایک ہزار کا حق پیدا بھی کر لیا تو بھی دونوں قرضوں میں ٹکراؤ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ باہمی مقاصہ کا کوئی امکان ہے اس لئے کہ صاحب ضرورت نے جو قرض بینک سے لیا ہے وہ عموماً ''مدت'' دار ہوتا ہے اور بینک کو کرنٹ اکاؤنٹ میں جو قرض دیا جاتا ہے اس کی کوئی مدت نہیں ہوتی وہ ہر

وقت زیر طلب رہتا ہے اور اس طرح ایک قرض موجل ہوتا ہے اور ایک معجّل اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسے قرضوں میں باہمی سقوط کا کوئی امکان نہیں ہے باہمی سقوط کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں قرض ایک نوعیت کے ہوں اور جب ایسا نہیں ہے تو بینک کی ایک ہزار کی قرض خواہی بھی سلامت رہے گی اور صاحب ضرورت مقروض بھی کہا جائے گا یہاں تک کہ اس قرض کی

مدت پوری ہو جائے اور دونوں قرض ٹکرا کر برابر ہو جائیں اور حساب صاف ہو جائے۔

تصفیہ حساب (CLEARANCE OF ACCOUNT)

بینک کا مختلف قسم کی امانتوں کو قبول کر لینا ایک ایسا کام ہے جس کے بعد حساب کے صاف کرنے کی متعدد قسم کی ذمہ داریاں خود بخود آ جاتی ہیں چاہے وہ ان کی اجرت لے یا مفت کام کرے اس کا فرض ہے کہ وہ قرضوں کا کلیرنس کرے حسابات ٹرانسفر کرے اور بڑی بڑی رقموں کے بجنسہ منتقل کرنے کی زحمت سے بچ جائے۔ نہ بوجھ اٹھانا پڑے نہ زحمت کرنا پڑے، نہ چوری اور بربادی کے خطرات کا سامنا کرنا پڑے۔

بینک میں تصفیہ حساب کی چند شکلیں ہوتی ہیں۔ چیک کیش کرانا، پرونوٹ کیش کرانا اعتمادی کاغذات کا وصول کرنا اور چیک اور پرونوٹ وغیرہ کا قبول کرنا وغیرہ۔

چیک کیش کرنا

کرنٹ اکاؤنٹ کی بحث کرتے ہوئے یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ بینک میں امانت جمع کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ صاحب حساب بینک کی کسی پارٹی سے اپنے فائدے کے لئے چیک لکھوائے اور اسے بینک میں جمع کر دے اور پھر بینک اس کی رقم صاحب چیک کے اکاؤنٹ سے کاٹ کر حامل چیک کے اکاؤنٹ میں جمع کر دے۔ ابتدائی طور پر چیک کی ظاہری تصدیق ضروری ہے اور یہ دیکھنا لازم ہے کہ چیک لکھنے والے کا کوئی

اکاؤنٹ بینک میں ہے یا نہیں۔

چیک کبھی اسی مرکزی بینک میں یا اسی شاخ کے نام ہوتا ہے جہاں سے کیش کیا جا رہا ہے اور کبھی دوسری شاخ کے نام ہوتا ہے اور کبھی دوسرے بینک ہی کے نام ہوتا ہے۔

پہلی صورت میں چیک کیش کرانے میں صرف ایک عمل ہے کہ چیک لکھنے والے نے اپنے قرض خواہ کو اس بینک کے حوالے کر دیا ہے جس میں اپنا حساب پہلے سے جمع ہے۔

دوسری صورت میں بھی ایک ہی حوالہ ہے اس لئے کہ بینک اپنی تمام شاخوں کے ساتھ ایک ہی شمار ہوتا ہے اور شاخ کی ذمہ داری گویا مرکزی ذمہ داری ہی ہوتی ہے۔

تیسری صورت میں مقروض نے حوالہ اپنے بینک کا دیا ہے اور چیک کا کیش کرنے والا دوسرا بینک ہے۔ اب اگر یہ فرض کیا جائے کہ دوسرا بینک پہلے بینک سے چیک کی قیمت اس طرح وصول کرنا چاہتا ہے کہ اس نے بقدر قیمت قرضہ پہلے بینک کے حساب میں درج کر دیا ہے اور بعد میں مقاصہ کے ذریعہ تصفیۂ حساب کرنا چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چیک لکھنے کی وجہ سے پہلا بینک حامل چیک کا مقروض ہو گیا ہے اور اس نے قرض کی ادائیگی کے لئے دوسرے بینک کو ضمناً یا اجارۃً ذمہ دار بنایا ہے کہ وہ ہمارے چیک کو کیش کر دے اور اصل معاملہ دو حوالوں میں تمام ہو۔ پہلے حوالہ میں مقروض نے چیک لکھ کر اپنے بینک کے سپرد کیا اور دوسرے حوالہ میں ضمنی طور پر اس بینک نے دوسرے بینک کے حوالے کر دیا۔ دوسرے بینک کے حوالے کرنے کا تصور اس لئے پیدا ہوا ہے کہ اگر وہ بینک ضمنی قرارداد نہ رکھتا ہوتا تو دوسرا بینک اس کے نام ایشو ہونے والے چیک کو قبول ہی نہ کرتا اور اس کی رقم حامل چیک کے حوالے ہی نہ کرتا۔

اس معاملہ میں ایک امکان یہ بھی ہے کہ اسے دو حوالوں کے بجائے ایک حوالہ اور ایک فروخت کی شکل دے دی جائے اور اس کی صورت یہ ہو کہ صاحب چیک نے اپنے مستفید کو اپنے بینک کے حوالے کیا اور اس حوالے کی بنا پر حامل چیک بینک کے ذمہ بقدر چیک رقم کا مالک ہو گیا۔ اس کے بعد حامل چیک نے اپنی اس قیمت کو جو بینک کے ذمہ

حوالہ سے ثابت ہوگئی ہے دوسرے بینک کے ہاتھ بیچ دیا اور اب چیک کیش کرانے کے نام پر گویا اپنے قرضہ کی قیمت وصول کر رہا ہے بہر حال مسئلہ کو دو حوالوں کی شکل دی جائے یا ایک حوالہ اور ایک بیع بنایا جائے۔ دونوں صورتیں شرعی اعتبار سے جائز ہیں اور ان میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے بینک ان تمام صورتوں میں چیک کیش کرانے کی اجرت وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے گزشتہ تینوں صورتوں پر پھر ایک بار نظر ڈالنا پڑے گی۔

تیسری صورت میں اجرت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ یہاں کام دوحوالوں میں تمام ہوا ہے اور دوحوالوں کا مطلب یہ ہے کہ چیک کو کیش کرنے والے بینک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رقم کی قیمت اس بینک سے وصول کرے جس کے نام چیک ایشو کیا گیا ہے اور یہ خود ایک زحمت ہے جس کے لئے اجرت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جس طرح کہ خود حامل چیک اصلی بینک میں جاتا تو اسے اجرت خرچ کرنا ہوتی۔

پہلی صورت کی دو قسمیں ہیں یہاں چیک لکھنے والا آدمی کبھی اس مقدار میں چیک لکھتا ہے جتنی رقم بینک میں جمع ہے اور کبھی اس سے زیادہ رقم کے لئے چیک لکھتا ہے۔ اگر اتنی ہی رقم کے اندر چیک لکھا ہے جتنے کا حق بینک کے اوپر ہے تو حوالہ اپنے مقروض کے نام ہوگا اور مقروض کے نام حوالہ میں قبول کرنے کی شرط نہیں ہے بلکہ اسے قبول کرنا ہی پڑے گا اور چیک ایشو ہوتے ہی بینک حامل چیک کا مقروض ہو جائے گا اور اب جو بینک سے چیک کیش کرائے گا تو گویا اپنا قرضہ وصول کر رہا ہے یا اپنے حساب میں درج کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں بینک کو اجرت مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس اجرت کا تو مطلب یہ ہے کہ مقروض اپنے قرض کی ادائیگی کی اجرت مانگے جو کسی قانون میں جائز نہیں ہے ہاں اجرت لینے کا ایک جواز نکل سکتا ہے کہ بینک روز اول ہی صاحب حساب سے یہ طے کرلے کہ قرض کی ملکیت کو بطور حوالہ منتقل کرنے کے لئے بینک سے اجازت لینا ضروری ہے اور اجازت کے بغیر منتقل کئے جانے والے قرضہ کی اجرت دینا پڑے گی۔

اس قرارداد کے بعد بینک کو مکمل اختیار ہے کہ وہ حوالہ قبول کرنے کی اجرت لے کر اپنی شرط کو ساقط کردے لیکن اگر چیک لکھنے والے کا اتنا ڈپازٹ بینک میں نہیں ہے جتنے اماؤنٹ کا چیک لکھا ہے تو اس چیک کا مفہوم ایک بری الذمہ کی طرف حوالہ کرنا ہے جو شرعاً صحیح ہے لیکن غیر ذمہ دار ادارہ کو مکمل اختیار ہے کہ وہ حوالہ کی ذمہ داری قبول کرنے کی اجرت کا مطالبہ کرے اور بغیر اجرت کے یہ کام انجام نہ دے اس اجرت کو سود کا نام نہیں دیا جاسکتا کہ سود اس رقم کا نام ہے جسے قرض خواہ قرض دار سے طلب کرتا ہے اور یہاں کی اجرت وہ رقم ہے جس کا مطالبہ قرض دار قرض خواہ سے کر رہا ہے تاکہ اس کے نتیجے میں قرض داری قبول کرسکے اور حامل چیک کا مقروض بن جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ چیک کیش کرانے کی اجرت کا مطالبہ دوصورتوں میں جائز ہے۔

ا۔ وہ صورت جہاں چیک کے برابر رقم بینک میں ہو اور رقم اوورڈرافٹ کے طور پر ادا کی جائے۔ اس کے علاوہ اگر بینک وہی بینک ہے اور رقم پہلے سے موجود ہے تو بینک کو قرض ادا کرنے کی اجرت مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے جب تک پہلے سے یہ شرط نہ کرلی جائے کہ دوسرے کے نام چیک لکھنے پر اجرت دینا پڑے گی۔ یہاں تک دوصورتوں کا حکم بیان کیا جاچکا ہے وہ صورت جہاں چیک اسی بینک یا اس کی کسی شاخ سے کیش کرایا ہے جس بینک یا شاخ کا وہ چیک تھا اور وہ صورت جہاں کیش کرنے والا بینک دوسرا تھا اور چیک ایشو کرنے والا بینک دوسرا اور کام حوالہ کے طور پر انجام پایا تھا۔ رہ گئی دوسری صورت جہاں چیک بینک کی ایک شاخ سے ایشو ہوا ہے اور دوسری شاخ میں کیش کرایا جارہا ہے مثلاً کراچی یا کلکتہ کی شاخ کا چیک ہے اور اسلام آباد یا الہ آباد میں کیش کرایا جارہا ہے تو ایسی صورت میں بینک کیش کرنے کی اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ یہ ایک مسئلہ ہے اور مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بینک جب متعدد شاخیں کھولتا ہے تو ان تمام شاخوں کو ایک ہی جہت کا وکیل قرار دیتا ہے اور ہر شاخ کے معاملہ کو مرکز کا معاملہ تصور کرتا ہے کہ اگر کسی شخص نے کلکتہ کی شاخ میں کوئی رقم جمع کی ہے تو صرف اس شاخ پر حق قرض نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اس

مرکزی جہت کومقروض بنالیا ہےجس کے تحت یہ تمام شاخیں کام کررہی ہیں اور جب کراچی کلکتہ کی شاخ کوئی چیک ایشوکرتی ہےتواس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کہ اس کی ادائیگی کی ذمہ داری صرف اسی شاخ پر ہے بلکہ اس کا واقعی مفہوم یہ ہے کہ پورا بینک اس چیک کے کیش کرنے کا ذمہ دار ہے یہ اور بات ہے کہ مرکزی ادارہ اس بات کا ذمہ دار نہیں ہے کہ وہ رقم کو ہرشاخ سے ادا کرے بلکہ اس کے اختیار میں ہے کہ جس شاخ سے چیک ایشو ہوا ہے وہیں سے کیش کرائے اوراس پرکوئی اعتراض کا حق نہ ہوگا۔اب اگرحامل چیک کراچی یا کلکتہ کے چیک کواسلام آباد یا الہ آباد کی شاخ میں کیش کرانا چاہتا ہےتواس شاخ کومکمل اختیار ہے کہ وہ حامل چیک سے کراچی یا کلکتہ شاخ کےقرضہ کی ادائیگی کی اجرت وصول کرے اس لئے کہ یہ اجرت وہاں ناجائز ہوتی ہے جہاں حق کسی کے ذمہ ثابت ہوتا ہےاوروہ واجب الادا حق کو ادا کرنا چاہتا ہے لیکن جہاں کسی شخص یا جہت پر شخصی ذمہ داری نہیں ہوتی وہاں دوسرے کی ذمہ داری قبول کرنے کی اجرت بہرحال لی جاسکتی ہے۔

تحصیل اسناد

جب بھی کوئی شخص کسی مال کوغیرمقام کے لئے ایکسپورٹ کرتا ہےتواس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ امپورٹ کرنے والا کوئی ضمانت داخل کرے تاکہ اس کے اعتماد پر مال ایکسپورٹ کیا جائے لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایکسپورٹ کرنے والا امپورٹر کے ذاتی اعتبار پرضمانت طلب کرنے کے بجائے اس وعدہ کو کافی سمجھ لیتا ہے کہ جب بھی مال کے کاغذات پہنچ جائیں گے رقم ادا کردی جائے گی اور ایکسپورٹ کرنے والا ان کاغذات کو اپنے اورامپورٹر کے درمیان طے شدہ بینک کے حوالے کردیتا ہے اور یہ بینک اس شہر میں دوسرے بینک کو کاغذات بھیج دیتا ہے کہ امپورٹ کرنیوالے سے رقم لے کر کاغذات اس کے حوالے کردے زائدرقم حاصل کرنے کے بعداس بینک کا فرض ہوتا ہے کہ وہ پہلے بینک کواس امر کی اطلاع کردے کہ آپ کی رقم مل گئی ہےاورآپ کے کرنٹ اکاؤنٹ میں درج کردی گئی ہے۔ یہ ایک جائز خدمت ہے جسے بینک تجارتی سہولتوں کے لئے انجام دیتا ہے

اوراس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرے بینک کے ذریعہ تجارتی کاغذات واسناداس مقام تک پہنچا دیئے جائیں اور وہاں سے رقم حاصل کی جائے اور چونکہ حاصل ہونے والی رقم کو وہاں کا بینک یہاں کے بینک کے حساب میں درج کرتا ہے اس لئے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایکسپورٹر کا بینک دوسرے بینک کے ذریعے ایکسپورٹر کا مقروض ہوگیا اور اب اس مطالبہ کو نقد قیمت یا اکاؤنٹ میں اندراج کے ذریعہ ادا کرنا چاہتا ہے۔

بینک کو اس درمیانی خدمت کے انجام دینے اور کاغذات کو دوسرے ملک میں پہنچا کر وہاں سے رقم منگانے پر اجرت لینے کا مکمل اختیار ہے بلکہ ان تمام اخراجات کو بھی حساب میں درج کرنے کا حق ہے جو اس ذیل میں پیش آئے ہیں جیسے ڈاک وغیرہ کا خرچ کہ یہ تمام اخراجات ایکسپورٹ کرنے والے کی اجازت سے کئے گئے ہیں اور جو اخراجات دوسرے کی اجازت اور اس کے اشارہ پر ہوتے ہیں ان کی ذمہ داری کا حکم دینے والے پر ہوتی ہے اسی طرح وہ تمام فوائد جن کو عام طور سے رقم وصول کرنے والا بینک نہ ایکسپورٹ کرنے والے بینک کے لئے اس وقفہ بھر کو برداشت کرتا ہے جس میں یہاں سے مال اکسپورٹ ہوتا ہے اور وہاں امپورٹر کے سپرد کیا جاتا ہے۔انہیں بھی امپورٹر کے ذمہ ڈالنا چاہے تو کوئی ہرج نہیں ہے اس لئے کہ ان فوائد کے اسباب کتنے ہی غیر شرعی کیوں نہ ہوں۔ جب وساطت کی بنا پر دوسرے ملک کے بینک کے ذمے آجاتے ہیں تو اس بینک کو یہ اختیار ہے کہ وہ ایسی وساطت کو اس وقت تک قبول نہ کرے جب تک امپورٹ کرنے والا اس بات کی ذمہ داری نہ لے لے کہ اس سلسلے میں جتنے نقصانات ہوں گے انہیں بذات خود برداشت کرے گا اور بینک پر کوئی بوجھ نہ ڈالے گا۔

داخلی حوالے

اگر ایک شہر کا رہنے والا انسان دوسرے شہر کے باشندے کا مقروض ہو جائے تو اسے یہ بھی اختیار ہے کہ ڈاک سے چیک بھیجنے کے بجائے بینک کے حوالے کا راستہ اختیار کرے اور بینک کے نام ایک تحریر بھیج دے کہ میرے اکاؤنٹ میں سے اتنی رقم فلاں شخص

کوفلاں جہت میں دے دی جائے اور وہ شاخ یا بینک متعلقہ شخص کو اطلاع دے گا کہ آپ کی اتنی رقم ہمارے پاس محفوظ ہے اسے آ کر وصول کر لیں یا اگر اس کا کوئی حساب بینک میں ہے تو اس کے حساب میں درج کر کے اسے اطلاع دے دے گا۔

فقہی اعتبار سے اس کاروبار کی چند توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ یہ صاحب حساب کی طرف سے بینک سے اپنے قرضہ کے وصول کرنے کا ایک ذریعہ ہو کہ وہ فوری طور پر نقد رقم کا مطالبہ کرنے کے بجائے بینک کو یہ حکم دیتا ہے کہ یہ قیمت متعلق شخص کو دے کر میرے قرض سے سبکدوشی حاصل کر لی جائے اور اس طرح میں بھی اس شخص کے قرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔

۲۔ یہ خود بینک کا اقدام ہو کہ متعلق شخص کے قرضہ کو اپنی پارٹی کے سر سے اتار دیا جائے اور اپنی شاخ یا متعلق بینک کے ذریعہ قرض کی قیمت ادا کر کے اس کو سبکدوش بنا دیا جائے یہ اور بات ہے کہ اس کام کی تحریک خود صاحب حساب نے اپنے حکم سے کی ہے اس لئے بینک جس قدر بھی رقم ادا کرے گا اس کا یہ خود بھی مقروض ہو جائے گا اور دونوں کے قرضوں میں باہمی تصفیہ حساب ہو جائے گا۔ بینک کے ذمہ سے اس کا قرضہ ختم ہو جائے گا اور اس کے ذمہ سے بینک کا قرضہ تمام ہو جائے گا۔

۳۔ اس معاملہ کو سیدھے سیدھے شرعی حوالہ بنا دیا جائے اور اس کی توجیہہ اس طرح کی جائے کہ تحویل کا حکم دینے والا مقروض ہے اور اس سے مستفید ہونے والا قرض خواہ اور مقروض شخص اپنے قرض کی ادائیگی کو بینک کے حوالے کرتا ہے جو خود بھی اس شخص کا مقروض ہے اور یہی شرعی حوالہ ہے کہ ایک مقروض اپنے قرض کی ادائیگی میں صاحب قرض کو اپنے مقروض کے حوالے کر دے۔ اس کے بعد چونکہ بینک حوالہ قبول کرتے ہی مستفید شخص کا مقروض ہو جائے گا اس لئے وہ اپنے قرض خواہ یعنی مستفید کو دوسرے بینک کے حوالے کرتا ہے کہ وہ اس کے ذمہ کا قرض اس سے وصول کر لے اور یہ دوسرا حوالہ ہو جائے گا۔ البتہ بینک نے جس بینک کے حوالے کیا ہے وہ دوسرے شہر میں اسی بینک کی کوئی شاخ

ہے تو اسے دوسرا حوالہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ بینک اپنی تمام شاخوں کے ساتھ ایک جہت شمار کیا جاتا ہے اور ایک جہت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو شرعی حوالہ کر سکے۔ ظاہری طور پر تو یہ حوالہ ہی معلوم ہوگا لیکن حقیقتاً حوالہ نہیں ہے۔

۴۔ معاملہ کو شرعی حوالہ ہی فرض کیا جائے لیکن حوالہ دینے والا صاحب حساب کو نہ فرض کیا جائے بلکہ خود بینک کو فرض کیا جائے کہ وہ صاحب حساب کا مقروض ہونے کے اعتبار سے دوسرے بینک کے ذریعہ اپنے قرض کو ادا کرنا چاہتا ہے بینک کے حوالے کرنے کے بعد دوسرا بینک خود بھی صاحب حساب کا مقروض ہو جائے گا اور اب وہ اپنے قدیم قرض خواہ کو قرض کی وصول یابی کے لئے اس بینک کے حوالے کر دے گا اور اس اپنے بینک کو مامور قرار دے گا کہ یہ اس بینک کو اطلاع کر دے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ ان چاروں تفسیروں میں جو تفسیر دور حاضر کے حالات پر منطبق ہوتی ہے وہ تیسری تفسیر ہے باقی توجیہات صرف ایک فرض کی حیثیت رکھتی ہیں اور بس۔ اس لئے کہ پہلی اور دوسری تفسیر میں تحویل سے فائدہ اٹھانے والے کا دوسرے شہر کے بینک پر کوئی حق نہیں پیدا ہوتا اور نہ بینک اس کا مقروض فرض کیا جاتا ہے صرف اسے اتنا اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنے قرضے بھر رقم اس بینک سے وصول کر لے اسے یہ اختیار بھی نہیں ہے کہ بغیر قبضہ کئے ہوئے اپنے حساب کی طرف منتقل کر سکے۔ اس لئے کہ اختیار وصول کرنے کا دیا گیا ہے، منتقل کرنے کا نہیں۔

تیسری تفسیر میں یہ نقص نہیں ہے، وہاں دوسرے شہر کا بینک مستفید کا مقروض فرض کیا گیا ہے اور مقروض کے سلسلے میں دونوں اختیار ہیں کہ اس سے نقد رقم بھی لی جا سکتی ہے اور حساب میں منتقل بھی کرائی جا سکتی ہے۔

چوتھی تفسیر کے لئے یہی نقص کافی ہے کہ اگر دوسرا بینک پہلے بینک کی شاخ نکل آیا تو یہ سارا حوالہ اور سارا معاملہ باطل و بیکار ہو کر رہ جائے گا۔ اس میں شک نہیں ہے کہ چاروں تفسیروں کی بنا پر اصل کام صحیح ہے اور شرعی اعتبار سے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

اجرت تحویل

رہ گیا یہ سوال کہ بینک اس تحویل کی اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سابقاً اس مسئلہ کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ اگر بینک دوسرے بینک یا دوسری شاخ کے چیک کو کیش کردے تو اسے اجرت لینے کا مکمل اختیار ہے لیکن اگر اپنے ہی ذمہ قرضہ کا چیک کیش کرنا ہے تو اسے کسی اجرت کا حق نہیں ہے علاوہ ان مخصوص حالات کے جہاں پہلے سے یہ شرط کرلی جائے کہ بینک کی اجازت کے بغیر دوسرے آدمی کو چیک دینے کا کوئی حق نہیں ہے ورنہ اس چیک کے کیش کرنے پر اجرت دینا پڑے گی۔ اس مسئلہ کی روشنی میں تحویل کی کوئی بھی توجیہہ وتفسیر کی جائے شرعی اعتبار سے اس کی اجرت وصول کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ اگر بینک اپنی پارٹی کے قرض خواہ کو رقم دلا کر پارٹی کے قرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے جیسا کہ پہلی تفسیر میں فرض کیا گیا ہے تو بھی اسے اجرت لینے کا حق ہے اس لئے بینک صاحب حساب کا مقروض ضرور ہے اور قرض دار کو قرض کی ادائیگی پر اجرت لینے کا حق نہیں ہے لیکن یہ بھی اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ صاحب قرض جہاں بھی قرض لینے کا مطالبہ کرے وہ وہیں رقم حاضر کردے۔ بنابریں صاحب حساب نے وہیں رقم کا مطالبہ کیا ہوتا جہاں داخل کیا تھا تو بینک کو اجرت مانگنے کا حق نہیں تھا لیکن اب دوسری جگہ منتقل کرانا چاہتا ہے تو بینک کو اس تحویل کی اجرت مانگنے کا مکمل اختیار ہے اور اگر مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ بینک خود اپنے صاحب حساب کی گردن سے مستفید کے قرضہ کو اتارنا چاہتا ہے جیسا کہ دوسری تفسیر میں بیان کیا گیا ہے تو یہ ایک بڑی خدمت ہے جسے بینک اپنے صاحب حساب کے حق میں انجام دے رہا ہے اور اسے حق الخدمت لینے کا حق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس حق الخدمت کا وزن صرف یہ ہوگا حکم دینے والے کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا، اس کا قرضہ ادا ہوجائے گا اور اسے صرف دوسری جگہ ادا کرنے کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا حالانکہ اگر وہ خود جا کر قرض ادا کرنا چاہتا تو مختلف قسم کے اخراجات کا زیر بار

ہونا پڑتا۔اور اگر مسئلہ کو شرعی حوالے کی شکل میں دیکھا جائے جیسا کہ تیسری تفسیر میں ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حکم دینے والے نے دوسرے شہر میں رہنے والے قرض خواہ کو اپنے بینک کے حوالے کر دیا ہے اب اس حوالے کی چند قسمیں ہوں گی یا یہ حوالہ اتنی مقدار رقم پر ہوگا جس مقدار میں رقم کا بینک میں وجود نہیں ہے یا پہلے سے بینک میں حساب چل رہا ہے اور رقم موجود ہے۔ یا حوالہ کرتے وقت ہی بینک میں رقم جمع کر رہا ہے تا کہ تحویل کا حق پیدا کر لے اور بینک کے راستے رقم کو منتقل کرا سکے۔

اگر حوالہ کا تعلق پہلی قسم سے ہے تو یہ ایک بری الذمہ کے سر حوالے ہوگا اور اگر دوسری قسم سے ہے تو ایک مقروض کے ذمے حوالہ ہوگا لیکن دونوں صورتوں میں بینک کو اجرت لینے کا حق ہے۔اس لئے کہ مقروض بھی کسی خاص مقام پر قرض ادا کرنے پر مامور نہیں ہے اس کی ذمہ داری صرف اس مقام پر قرض ادا کرنے کی ہے جہاں قرض لیا ہے اب اگر اس سے ہٹ کر وصول کرنا چاہتا ہے تو اس نقل وانتقال کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔

رہ گئی تیسری رقم جہاں حکم دینے والا پہلے رقم ادا کرتا ہے اس کے بعد حق پیدا ہوتے ہی بینک کو تحویل کا مکلف بنا دیتا ہے۔

تو اس صورت میں بینک کو جمع کرتے وقت ہی یہ شرط کر لینے کا حق ہے کہ آپ اپنے کسی بھی قرض خواہ کو بینک کی طرف بغیر بینک کی اجازت کے تحویل نہیں کر سکتے اور اگر ایسا کریں گے تو بینک کو حوالہ قبول کرنے کی اجرت لینے کا حق ہوگا اور یہ شرط شرعاً صحیح ہے اس لئے کہ اس میں قرضدار کی مصلحت ہے قرض خواہ کی نہیں ہے اور سود وہاں حرام ہوتا ہے جہاں قرضدار کی مصلحت ہوتی ہے۔اور اگر تحویل کی بنیاد چوتھی تفسیر پر ہے جہاں ''بینک مامور'' خود صاحب حساب کو دوسرے شہر کے بینک کے حوالے کر دیتا ہے تو وہاں بھی اجرت لینے کا حق ہے اس لئے کہ بینک صاحب حساب کا مقروض ضرور ہے لیکن اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ قرضہ کی رقم دوسرے شہر میں ادا کرے یہ ایک زائد مطالبہ ہے جس کی اجرت لینے کا شرعاً اختیار ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔(تفصیل ملحقات میں

ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔)

اپنے حق میں تحویل

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شہر میں ایک رقم کی ضرورت محسوس کرتا ہے اوراپنے شہر کے بینک میں اتنی ہی مقدار میں رقم نقد جمع کر دیتا ہے تا کہ دوسرے شہر میں اسی بینک کی دوسری شاخ یا دوسرے متعلقہ بینک سے وصول کر لے۔

اس مقام پر تحویل کرنے والا وہ بینک ہے جو نقد رقم وصول کرنے کے بعد اس شخص کا مقروض ہو گیا ہے اوراب اپنا قرض دوسرے شہر میں ادا کرنا چاہتا ہے اس تحویل کی دو صورتیں ہوں گی۔اس لئے کہ یا تو بینک اپنی ہی کسی شاخ کی طرف تحویل کرے گا یا کسی دوسرے بینک کی طرف۔

اگر تحویل کا تعلق اپنی ہی شاخ سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرض ادا کرنے کی ایک خاص شکل ہے اوراس کے علاوہ کچھ نہیں ہے گویا جدید صاحب قرض نے یہ طے کرلیا ہے کہ یہ قرض فلاح شاخ کے ذریعہ ادا ہوگا اوراسے حوالہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

لیکن اگر تحویل کا تعلق دوسرے بینک سے ہے تو صاف صاف شرعی حوالہ ہے اور گویا بینک نے اپنے صاحب قرض کو دوسرے بینک کے حوالے کر دیا ہے کہ اگر وہ بینک پہلے بینک کا مقروض ہے اوراس کا کوئی اکاؤنٹ وہاں ہے تو مقروض کے نام حوالہ ہوگا۔ورنہ بری الذمہ کے نام حوالہ ہوگا اور دونوں صورتوں میں بہر حال صحیح رہے گا اور بینک کو اس حوالہ کی اجرت مانگنے کا بھی حق ہوگا۔ بلکہ یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ شروع ہی سے یہ شرط کر لی جائے کہ حوالہ کی اجرت بھی دینا پڑے گی۔اس لئے کہ یہ شرط مطابق شرع ہے اوراس پر عمل کرنا شرط کرنے والے کی شرعی ذمہ داری ہے۔

تحویل برائے غیر قرض خواہ

تحویل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دوسرے شہر میں رہنے والے کسی شخص کے نام

اسے مقروض بنانے کے لئے یا فقط فی سبیل اللہ کوئی حوالہ بھیج دیا جائے اور وہ خود پہلے سے قرض خواہ نہ ہو یعنی اس کا کوئی حساب بینک میں نہ ہو۔ یہ تحویل بھی شرعاً صحیح ہے۔ صاحب تحویل رقم وصول کرنے سے پہلے اس رقم کا مالک نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ حوالہ بھی فقہی معنی میں حوالہ نہیں ہے۔

حوالہ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ جس کے نام حوالہ دیا جائے اسے صرف ''مبلغ حوالہ'' میں تصرف کرنے کا اختیار دیا جائے اور بس اس صورت میں حوالہ کی رقم حوالہ دینے والے کی ملکیت سے خارج نہ ہو۔ صرف اتنا ہو کہ اس شہر کا بینک دوسرے شہر کے بینک کو یہ اطلاع دے دے کہ فلاں شخص کو اتنی مقدار میں رقم دے دی جائے اور وہ بینک اپنی قرارداد کے مطابق اس پر عملدرآمد کرے۔

پرونوٹ کا کیش کرنا۔

مذکورہ بالا خدمات کے علاوہ بینک اپنے صاحبان حساب کے لئے ایک خدمت اور بھی انجام دیتا ہے کہ جس کا نام ہے ''پرونوٹ کا کیش کرنا''۔

عام طور سے پرونوٹ کی مدت پوری ہونے سے چند دن پہلے بینک مقروض آدمی کو نوٹ کے نمبر اور تاریخ کی اطلاع دے دیتا ہے اور قیمت وصول ہو جانے پر اسے قرض خواہ کے حساب میں درج کر دیتا ہے اور اپنے اخراجات منہا کر لیتا ہے اس خدمت کا تعلق اگر صرف کاغذات کے کیش کرنے سے ہے اور اس کے پیچھے کوئی سودی کاروبار نہیں ہے تو یہ ایک جائز خدمت ہے جس کی شرعاً اجرت لی جاسکتی ہے چاہے رقم کی تحصیل کا مطلب نقد وصول کرنا ہو یا نوٹ لکھنے والے کے اکاؤنٹ سے قرض خواہ کے اکاونٹ کی طرف ٹرانسفر کرنا ہو کہ گویا نوٹ لکھنے والا اپنے صاحب قرض کو بینک کے حوالے کر رہا ہے۔ اسی انداز کا وہ پرونوٹ بھی ہے جو صاحب حساب کے دستخط سے بینک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور اس میں یہ لکھا جاتا ہے کہ وقت استحقاق اسے بینک میں پیش کر کے اتنی مقدار میں رقم برآمد کی جاسکتی ہے اور گویا نوٹ لکھنے والا اپنے صاحب قرض کو بینک کے حوالے کرتا ہے کہ وہ اپنے

قرض کو میرے بینک کے اکاؤنٹ سے وصول کرے یہ اور بات ہے کہ پہلے نوٹ اور اس نوٹ میں یہ فرق ہے کہ پہلا نوٹ معیاد پوری ہونے پر آیا ہے اور یہ نوٹ پہلے سے محفوظ ہے صرف اس نوٹ کا استحقاق مدت کے ساتھ مشروط ہے لیکن اس سے اصل حوالہ کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بینک کے لئے اس پرونوٹ کے کیش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اتنی رقم صاحب حساب کے حساب سے وضع کر کے قرض خواہ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دے یا اسے نقد ادا کر دے لیکن پرونوٹ کی ان دونوں قسموں میں فرق کرنا بھی ضروری ہے۔

جس قسم میں استفادہ کرنے والا بینک کے پاس کاغذ لے کر آتا ہے اور وہ کاغذ ابتدائی طور پر بینک کے حوالے نہیں ہوتا بلکہ مستفید اسے کیش کرانا چاہتا ہے اس قسم میں بینک کو اجرت لینے کا حق ہے۔ اس لئے کہ وہ رابطہ پیدا کر کے اس سے ادائے قرض کا مطالبہ کرتا ہے چاہے نقد رقم کے ذریعہ ہو یا بینک ٹرانسفر کے ذریعے، لیکن جہاں استفادہ کرنے والا اس نوٹ کو لے کر آتا ہے جو ابتدائی طور پر بینک ہی کے حوالہ کیا جاتا ہے اور اسے ہدایت دی جاتی ہے کہ مقروض کے اکاؤنٹ سے ادا کر دے یہاں بینک خود ہی مستفید کا مقروض ہو جاتا ہے اور اس میں قبول کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ لکھنے والے کا اکاؤنٹ موجود ہے اور اسے حوالہ کرنے کا حق ہے اور جب بینک مقروض ہو گیا تو مقروض کو ادائے قرض کی اجرت لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ایسے نوٹ کے کیش کرنے میں اجرت لینے کا اسی وقت تک حق ہے جب تک اس کا حوالہ براہ راست بینک ہی کے نام نہ ہو ورنہ ادائے قرض میں اجرت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ممکن ہے کہ بینک روز اول سے صاحبان حساب سے یہ طے کر لے کہ اس کی اجازت کے بغیر انہیں حوالہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ورنہ اس شرط کو ساقط کرنے کی اجرت بھی ادا کرنا پڑے گی۔

پرونوٹ اور چیک کی توثیق

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پرونوٹ (سرخط) لکھنے والا مقروض اپنے اس تجارتی

کاغذ کو بینک کی توثیق اوراس کی قبولیت اور دستخط سے باوزن بنانا چاہتا ہے اوراس توثیق کی دوصورتیں ہوتی ہیں۔

پہلی صورت توثیق کی ہے جہاں بینک خود استفادہ کرنے والے کے مقابلے میں مسئول بن جاتا ہے۔

اور دوسری قسم اس تصدیق کی ہے جہاں بینک پر کوئی مسئولیت اور ذمہ داری نہیں ہوتی اور وہ صرف اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ نوٹ لکھنے والے کا حساب بینک میں موجود ہے اور وہ کسی وقت بھی اس رقم سے اس قیمت کوادا کرسکتا ہے یہ بحث بالترتیب دونوں قسموں سے متعلق ہوگی۔

ا۔ بینک کااس طرح پرونوٹ وغیرہ قبول کرنا کہ اس سے استفادہ کرنے والے کے مقابلہ میں خود مسئول بن جائے، ایک جائز امر ہے اوراس کی بنیاد قرض کی ضمانت نہیں ہے بلکہ یہ ذمہ داری ہے کہ مقروض اپنے قرض کوادا کردے گا اوراس کا شرعی اثر یہ ہے کہ اگر مقروض نے قرض ادانہیں کیا تو مستفید کو حق ہے کہ وہ بینک کی طرف رجوع کرکے اپنی قیمت وصول کر لے۔ اگر چہ اس کے آمادہ ہونے کی صورت میں بینک سے مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ بینک نے قرض اپنے ذمے نہیں لیا بلکہ ادا کردینے کی ذمہ داری لی ہے۔

۲۔ بینک کا اس طرح پرونوٹ قبول کرنا کہ اس پر ادائیگی کی کوئی ذمہ داری نہ رہے اور وہ صرف بینک میں قابل ادا اماؤنٹ کے موجود ہونے کی تصدیق کرے تو یہ بھی ایک امر جائز ہے جس سے بینک پر کوئی ذمہ داری نہیں آتی۔ بینک کا کام صرف کاغذ کو باوزن اور قیمتی بنادینا ہے اوراسے حق ہے کہ اس خدمت کے لئے اجرت کا مطالبہ کرے اور بغیر اجرت کے اس عمل کو انجام نہ دے اس لئے کہ پرونوٹ لکھنے والا بہرحال اس تصدیق سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ بینک رقم کو ادا کرے یا نہ کرے پرونوٹ ہی کی طرح چیک قبول کرنے کی بھی دوقسمیں ہیں۔

ا۔ بینک چیک لکھنے والوں کے چیک کواسی طرح قبول کرے کہ اپنے دستخط سے

ان کا وزن بڑھادے اور اس بات کی ذمہ داری لے لے کہ جو شخص بھی ادائیگی قرض کے طور پر اسے استعمال کرے گا، بینک اسے قبول کرلے گا یعنی بینک ہر وقت اس کام کے لئے آمادہ ہے کہ صاحب چیک کے حوالہ کو قبول کرلے چاہے وہ کسی ایک معین شخص کے نام ہو یا بغیر نام کے دستخط شدہ ہو۔ایک شخص کے نام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بینک اس شخص خاص کے مقابلے میں مسئول ہے اور گویا اس نے قسم اول کا پرونوٹ قبول کیا ہے لہٰذا اس کے اثرات بھی مثل اول ہوں گے۔لیکن غیر معین چیک کا مطلب ایک غیر محدود جماعت کے مقابلہ میں مسئول ہونے کا ہے جس پر کسی بینک کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔چیک کا اس معنی میں قبول کرنا کہ بینک پر کوئی ذمہ داری نہ ہو اور وہ صرف اس بات کی تصدیق کردے کہ ایشو کرنے والے کا اکاؤنٹ بینک میں موجود ہے اور وہ کسی وقت بھی اس کی قیمت دے سکتا ہے یہ بھی ایک جائز کام ہے۔اس کا تعلق فرد خاص سے ہو یا نامعلوم جماعت سے اور بینک کو مثل سابق اس کام کی اجرت لینے کا حق ہے۔اس نے ایک محترم خدمت انجام دی ہے اور خدمت محترم پر اجرت ملنی چاہیئے۔

مالیاتی کاغذات اور بینک کے خدمات

مالیاتی کاغذات سے مراد ہے شیئرز اور سند(SHARE & CERTIFICATE)

شیئر:۔

مشترک کمپنی کے ایک حصہ سرمایہ کی نشانی ہے اور سند وہ چیک ہے جو حکومت یا کسی رسمی یا غیر رسمی ادارہ کے قرضوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

یہ مالیاتی کاغذات کسی برائے نام قیمت سے صادر کئے جاتے ہیں اور اس کے بعد ان کی قیمت بازار کے دوسرے اجناس کی طرح بدلتی رہتی ہے لوگ ان کی خریداری کی طرف اس لئے توجہ کرتے ہیں کہ ان سے قیمت خرید اور قیمت فروخت کے درمیانی فرق کا فائدہ ہو جاتا ہے بعض اوقات خود بینک بھی یہ خرید و فروخت کرتا ہے اور اس کے ذریعے کافی

نفع کما تا ہے یہ کاغذات ایک قسم کے نقد کا کام بھی دیتے ہیں اوران سے فائدہ بھی ہوتا ہے اس نکتہ کی بحث بینک کے استفادوں کے ذیل میں ہوگی۔ اس وقت صرف بینک کے وساطتی خدمات سے بحث ہورہی ہے اور یہ دیکھا جارہا ہے کہ بینک اپنے متعلقین کی خواہش کی بنا پر کس طرح ان کاغذات کی خرید وفروخت کرسکتا ہے۔صورتحال یہ ہے کہ صاحبان کاغذ ان کاغذات کی تجارت کرنے کے لئے انہیں بینک کے سپرد کردیتے ہیں اور بینک سارے معاملات کا جائزہ لینے کے بعد دستخط وغیرہ کی تصدیق مالکانہ اکاؤنٹ دیکھ کر یا مقروض ہونے کی سند دیکھ کر اپنی تحویل میں لے لیتا ہے۔اس سلسلہ میں ماہرین سے تعلق پیدا کر کے بازار کی قیمت کا اندازہ کرتا ہے اوراس کے بعد مناسب قیمت دیکھ کر خرید یا فروخت کا عمل درجہ تکمیل تک پہنچادیتا ہے۔اس کا ذریعہ اس کام کے ماہرین ہوتے ہیں یا بینک کا مستقل نمائندہ جواس فرض کوانجام دیتا ہے بینک کی اس وساطت کا تعلق براہ راست ان کاغذات کی خرید وفروخت سے ہے اس میں اس رقم کی تحویل یا بیع وشرا کا کوئی سوال نہیں ہے جواس کے پیچھے پوشیدہ ہے اس لئے یہ معاملہ اسی صورت میں صحیح ہوسکتا ہے جس صورت میں اس قسم کے کاغذات کی خرید وفروخت جائز ہو ورنہ معاملہ بھی باطل ہے اوراجرت کا لینا بھی ناجائز ہے اجرت جائز کاموں کے لئے ہوتی ہے۔حرام کام کی اجرت حرام ہے رہ گیا یہ مسئلہ کہ ان کاغذات کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ تواس کی شرعی بحث بینک کے ذاتی کاروبار کے ذیل میں آئے گی جہاں یہ بتایا جائے گا کہ بینک وساطت کے علاوہ ان اوراق کا کاروبار بھی کرتا ہے اورانہیں ذریعہ آمدنی بھی قرار دیتا ہے۔

مالیاتی اوراق کی حفاظت

کبھی کبھی بینک سے متعلق افراد اپنے کاغذات کو بینک کے سپرد کردیتا ہے کہ وہ ان کی حفاظت بھی کرے اوران کے دیگر خدمات بھی انجام دے۔

اس سلسلہ میں بینک بڑے بڑے مستحکم صندوق تیار کراتا ہے اور ان میں کاغذات کومحفوظ کردیتا ہے اور اس کے بعد محفوظ کرانے والوں سے حفاظت کی اجرت

وصول کرتا ہے۔

اجرت کے علاوہ بینک کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگوں سے تعلقات بڑھتے ہیں اور لوگ برابر اپنے اموال کو بینک میں جمع کرتے رہتے ہیں ان اوراق کی حفاظت ایک امر جائز ہے اس لئے بینک کی اجرت وصول کرنے کا بھی حق ہے اس سلسلے کے تمام خدمات اوراق کی ضمانت جن کی مدت ختم ہوگئی ہے ان کا کیش کرانا، نئے نئے کاغذات خریدنا وغیرہ سب ہی جائز کام ہیں اور سب کی اجرت وصول کی جاسکتی ہے۔

ان اوراق کے سلسلے میں بینک کی ایک خدمت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے متعلقہ افراد کے لئے کوپن بھی خریدتا ہے۔

اب اس خدمت کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا تعلق کوپن کے فائدے کے جواز سے ہے۔ اگر کوپن کا فائدہ تجارتی فائدہ ہے جس طرح شیئر وغیرہ میں ہوتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر یہ فائدہ تجارتی ہونے کے بجائے سودی فائدہ ہے جیسا کہ اسناد کے قرضوں کا فائدہ ہوتا ہے تو ناجائز اور حرام ہے۔ بینک مالیاتی اوراق کے کوپن خریدنے کے علاوہ کمپنیوں کی نیابت میں ان کی رقم بھی ادا کرتا ہے اور اکثر کمپنیاں بینک سے یہ قرار داد کر لیتی ہیں کہ حصہ داروں کا فائدہ بینک تقسیم کردے گا اور اس کے بعد کمپنی تمام کوپنوں کی نقد رقم بینک میں جمع کردے گی یا اتنی رقم اپنے اکاؤنٹ سے منہا کرادے گی۔

کمپنی کی نیابت میں بینک کا کوپن کی رقم ادا کرنا ایک امر جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کا فائدہ بھی جائز ہو جس طرح کہ ان کمپنیوں کی رقم وصول کرنا جائز تھا جنہیں متعلقہ افراد نے بینک کے پاس جمع کردیا تھا اور جب اصل عمل جائز ہے تو بینک کے لئے اجرت لینا بھی جائز ہے۔ اور اسے حق ہے کہ قیمتیں تقسیم کرنے پر کمپنی سے اجرت وصول کرے اس لئے کہ یا تو کمپنی کا حساب پہلے سے موجود ہے اور اسی حساب کی بنا پر اس نے کوپنوں کی تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے یا کمپنی اسی وقت قیمت ادا کر رہی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ اس مقام پر تقسیم بینک کے ذریعے ہو یا کمپنی کا مقصد یہ ہے کہ بینک ساری رقم بطور قرض ادا کردے اور کمپنی کے

اکاؤنٹ میں بطور قرض درج کر دے۔

پہلی صورت میں بینک کو اجرت لینے کا بنیادی حق نہیں ہے۔ وہ صاحب مال کے حوالہ پر قرض ادا کرنے کا مکلف ہے لیکن اگر اس نے شروع سے شرط کر لی ہے کہ بلا اجازت حوالہ کرنے کا اختیار نہیں ہے تو اسے ایسے حوالہ کے قبول کرنے پر اجرت لینے کا باقاعدہ حق ہے۔

اس کے علاوہ ایک صورت جواز یہ بھی ہے کہ اجرت کو ادائیگی رقم پر قرار نہ دے بلکہ ان زحمات کے مقابلہ میں طلب کرے جو ابتدائی طور پر بینک کو انجام دینا پڑتی ہیں جیسے صاحبان طلب کو اطلاع کرنا، انہیں جمع کرنا وغیرہ۔ مقروض ہونے کے رشتے سے بینک قرض ادا کرنے کا مکلف ہے قرض خواہوں کے جمع ہونے یا انہیں اطلاع کرنے کا مکلف نہیں ہے۔

دوسری صورت میں جہاں بینک فی الفور قیمت ادا کر کے بینک کے ذریعہ قیمتیں تقسیم کرانا چاہتا ہے وہاں بینک کو یہ اختیار ہے کہ اصل رقم کے قبول کرنے اور اس کے اور اس کے لوگوں تک پہنچانے کی اجرت وصول کر لے اگر کمپنی کا مقصد یہ ہے کہ بعینہ وہی رقم حصہ داروں تک پہنچائی جائے۔ اور اگر اس کا مقصد یہ نہیں ہے تو گویا بینک مقروض ہو گیا ہے اور کمپنی اپنے قرضہ کو ادا کرنا چاہتی ہے۔ اس صورت میں اجرت کا جواز صرف یہ ہے کہ بینک روز اول سے یہ طے کر لے کہ اجرت کے بغیر کوئی حوالہ قبول نہ کرے گا۔

تیسری صورت میں جہاں بینک سے قرض دلوا کر بعد میں رقم ادا کی جاتی ہے وہاں بھی بینک کے لئے اجرت وصول کرنا جائز ہے کہ بینک ایک مخصوص رقم کمپنی کے مقرر کرنے کے بعد پھر اس کی تقسیم کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے اور یہ ذمہ داری اس کے بنیادی فرائض میں نہیں ہے۔ قرض لینے والے کی ذمہ داری صرف قرض دینا ہے مقروض کے تعلیمات پر عمل کرنا نہیں ہے اور جب وہ غیر واجب اعمال انجام دے گا تو اس کی اجرت بھی لے گا۔

اندراج

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بینک بعض کمپنیوں کے حصوں کے اندراج میں

وساطت کا کام انجام دیتا ہے اور حصے صادر کرنے والی کمپنی سے یہ قرارداد کرتا ہے کہ وہ کمپنی کی نیابت میں حصے صادر کرے اس قرارداد کی دوصورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ بینک حصوں کو صادر کر دے اور اس کی کوئی ضمانت نہ لے۔ بایں معنی کہ جس قدر حصے فروخت ہوجائیں گے۔ بینک اس کا حق المحنت لے لے گا۔ اس کے بعد اس کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ سارے حصے فروخت ہی ہوجائیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حصوں کی فروخت میں بینک اس بات کی ضمانت بھی لے کہ جو حصے باقی رہ جائیں گے وہ خود بینک خرید لے گا۔

ظاہر ہے کہ ان اعمال میں ذاتی طور سے کوئی اشکال نہیں ہے (بشرطیکہ خود کمپنی میں کوئی شرعی اشکال نہ ہو۔) فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں بینک حصوں کے اندراج کا وکیل ہوگا اور کمپنی سے اپنی محنت کی اجرت لے کر الگ ہوجائے گا اور دوسری صورت میں یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ بینک کو حصے فروخت کرنے کا اجیر بنایا گیا ہے اور معاملہ کے ذیل میں یہ شرط کر لی گئی ہے کہ جو حصے فروخت نہ ہوں گے، اس کی ذمہ داری خود بینک پر ہوگی۔ شرعی اعتبار سے اس شرط میں کوئی اشکال نہیں ہے چاہے فریقین کو پہلے سے یہ اندازہ بھی نہ ہو کہ کس قدر حصے صرف ہوں گے اور کس قدر بچ جائیں گے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

ضمانتی تحریریں

LETTER OF GUARANTEE

گارنٹی لیٹر سے مراد بینک کی یہ قرارداد ہے کہ وہ بینک سے ضمانت دلوانے والوں کے مقررہ شرائط سے انحراف کرنے کی صورت میں معینہ رقم اس شخص کے حوالے کردے گا جس کے حق میں یہ ضمانت لی گئی ہے۔

ضمانتی خطوط: کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ابتدائی اور انتہائی

ابتدائی ضمانت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکومت یا غیر حکومت ٹھیکہ دیتے وقت یہ اعلان کردے کہ اس کام میں حصہ لینے والوں کو اتنی مقدار میں رقم پہلے جمع کرنا پڑے گی اور حصہ لینے والا اپنے شوق کی بنا پر رقم دینے کے بجائے بینک سے ضمانتی خط ایشو کرادے کہ اگر اس شخص نے حسب قرارداد حصہ نہیں لیا اور کام شروع نہیں کیا تو مقررہ رقم بینک ادا کردے گا۔

انتہائی ضمانت کا مطلب یہ ہے کہ ٹھیکہ لینے والے سے حکومت یا غیر حکومت یہ ضمانت طلب کرے کہ اگر مقررہ وقت کے اندر کام تمام نہیں ہوا تو اتنی مقدار میں رقم ادا کرنا پڑے گی اور ٹھیکہ دار نقد رقم دینے کے بجائے بینک سے ضمانتی خط لکھوادے کہ اس شخص کے بجائے بینک اس رقم کے ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔اس ضمانت کا نام انتہائی ضمانت اس لئے ہے کہ کام ٹھیکہ دار کے ذمہ آچکا ہے اور ضمانت کا تعلق کام کی انتہا اور اس کے ختم کرنے سے ہے۔ایسے خطوط کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ حکومت کسی پلانٹ پر ٹینڈر طلب کرنے یا کسی

مالک کو زیادہ سے زیادہ قیمت پر بیچنے کا ٹھیکہ دینے میں اس بات کی ضرورت محسوس کرتی ہے کہ کام میں حصہ لینے والے تمام افراد کوئی ضمانت داخل کریں کہ کام شروع کریں گے یا شروع کرنے کے بعد نامکمل نہیں چھوڑیں گے تا کہ حکومت کسی خسارے میں نہ پڑنے پائے اور اس کو مزید دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ حکومت پہلے اشتراک کرنے والے سے مطالبہ کرتی ہے اور اس کے بعد جس کے نام ٹینڈر نکل آتا ہے اس سے دوسری ضمانت لیتی ہے کہ وہ ٹھیکہ کی معقول فیصدی نسبت کے اعتبار سے نقد رقم جمع کردے اور اسے ان حالات کے لئے ضمانت بنادے۔ جب کام مکمل نہ ہو سکے اور حکومت کو کسی خسارہ کا سامنا کرنا پڑے۔

ٹھیکہ دار لوگ اپنی نقد رقم پھنسانے کے بجائے بینک سے ضمانت دلوا دیتے ہیں کہ اگر اس شخص نے حسب قرارداد کام مکمل نہ کیا تو جس قدر رقم طے ہوئی ہے وہ بینک ادا کردے گا اور حکومت کو خسارہ نہ ہوگا اسی ضمانت کا تحریر کا نام ایل جی (LETTER OF GUARANTEE) رکھا جاتا ہے اور یہ تحریر نقد رقم جمع کرنے کا کام کرتی ہے جس کے بعد ٹھیکہ دار عمل کو انجام دینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور انجام نہ دینے کی صورت میں حکومت بینک سے رقم لے لیتی ہے اور بینک ٹھیکیدار سے وصول کر لیتا ہے ہماری گفتگو کا سلسلہ ابتدائی ضمانت سے شروع ہوگا اور اس کے بعد انتہائی ضمانت کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

انتہائی ضمانتی تحریر LAST LETTER OF GUARANTEE

انتہائی ضمانت کے صادر ہوتے وقت پہلے ایک معاہدہ ضمانت سے استفادہ کرنے والی جہت اور اس شخص کے درمیان ہوتا ہے جس نے بینک سے ضمانتی خط لکھوایا ہے جس کے بعد ٹھیکیدار اس جہت کے صلاح میں کام کرنے کا عہد کر لیتا ہے اور جہت ٹھیکہ کی کل رقم میں سے ایک معقول فیصدی نسبت کی مالک ہو جاتی ہے بشرطیکہ ٹھیکیدار اپنے شرائط پر عمل نہ کرے اور اپنا کام انجام نہ دے۔ یہ شرط اگر اجارہ وغیرہ کے ذیل میں طے ہوئی ہے تو جائز بھی ہے اور واجب الوفا بھی ہے اور جہت کو ٹھیکیدار کی رقم میں سے مخصوص مقدار کا حق بھی پیدا کر دیتی ہے اور یہ حق تیسرے فریق کی طرف سے قابل توثیق و تصدیق بھی ہے۔

لہٰذا جس طرح مقروض کے قرض کی ادائیگی کی ضمانت لینا صحیح ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ صاحب شرط کے بارے میں شرط کو پورا کرنے کی ضمانت لی جائے۔

یہ ضمانت صحیح ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تیسرے آدمی کے قرض کی ضمانت کی طرح بینک اس بات کا ذمہ دار ہو گیا ہے کہ وہ ٹھیکیدار کے مطالبہ کو ادا کرے گا اور جس طرح قرضہ کی ضمانت میں ضامن سے مطالبہ کرنے کا حق ہے اسی طرح اس مقام پر مشروط کے شرط پر عمل نہ کرنے کی صورت میں بینک سے مطالبہ کرنے کا حق رہے گا۔

اور چونکہ بینک نے یہ ذمہ داری ٹھیکیدار کی خواہش کی بنا پر لی ہے اس لئے اس کی ذمہ داری ہے کہ بینک کے جملہ نقصانات کی تلافی کرے اور بینک کو اصلی ادا کردہ رقم کے علاوہ اپنی اجرت مانگنے کا بھی حق ہے کہ اس نے اپنے التزام سے ٹھیکیدار کے قول کی عظمت بڑھا دی ہے اور اس کے اعتبار میں اضافہ کر دیا ہے اور یہ ایک محترم عمل ہے جس کی اجرت لی جاسکتی ہے۔

ابتدائی ضمانتی تحریر FIRST LETTER OF GUARANTEE

ابتدائی ضمانت کا خط بھی بینک ایشو کرتا ہے لیکن اس عمل کے واجب ہونے کی کوئی شرعی صورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ضمانت طلب کرنے والے نے جہت کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کیا ہے کہ اس کے ڈیل میں کوئی شرط کر لی جائے اور وہ شرط واجب العمل ہو جائے۔

بلکہ یہ ایک ابتدائی ضمانت اور ابتدائی شرط ہے جس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے شرعی قانون کی رو سے شرط پر عمل اسی وقت واجب ہوتا ہے جب وہ کسی لازم عقد کے ذیل میں ہو کہ عقد کے لزوم کے ساتھ شرط بھی لازم ہو جائے ورنہ شرط کی کوئی حیثیت نہیں [1] ہے۔

---

[1] اخلاقی اعتبار سے انسان کو اس پر عمل کرنا چاہئے لیکن عمل نہیں کیا تو کوئی شرعی مواخذہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (جوادی)

اعتمادی کاغذ (LETTER OF CREDIT)

غیرملکی تجارت میں اعتمادی کاغذ رقم کی ادائیگی کا بہترین ذریعہ ہے۔

اعتمادی کاغذ کا مطلب یہ ہے کہ بینک خریدار کے تقاضے پر بیچنے والے کے لئے یہ ضمانت دے دے کہ آپ مال دیجئے اس کے بعد اگر خریدار قیمت ادانہیں کرے گا تو بینک ان کاغذات کو دیکھ کر پوری قیمت ادا کر دے گا۔

اعتمادی کاغذ کی دو قسمیں ہوتی ہیں

۱۔ ایکسپورٹ کا اعتماد اور ۲۔ امپورٹ کا اعتماد۔

امپورٹ کا اعتماد ایکسپورٹ کھولتا ہے تا کہ غیر ملک میں رہنے والے ایکسپورٹر کو اعتماد رہے اور بینک کے بھروسہ پر مال بھیجتا رہے

اور ایکسپورٹ کا اعتبار غیر ملک میں رہنے والا امپورٹر کھولتا ہے تا کہ اس کے نتیجے میں ملک کے اموال باہر جاتے ہیں۔

اعتماد کی دونوں قسموں میں صرف ایک نسبت کا فرق ہے ورنہ حقیقی اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بینک کا یہ التزام ہے کہ وقت ضرورت استفادہ کرنے والے کی رقم ادا کر دی جائے گی بینک کے اعتبار کا مصرف صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ خریدار کے ذمہ بائع کے قرضے کا ذمہ دار بن جاتا ہے اور بائع کو یہ قول دے دیتا ہے کہ اگر خریدار نے آپ کے مال کی قیمت ادانہیں کی تو بینک اس قیمت کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ اس التزام سے مشتری کے قول کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور بینک کا کام یہ ہوتا ہے کہ تجارت کے جملہ کاغذات وصول کر کے قیمت بائع کے حوالے کر دے۔ اگر بائع اور مشتری کے درمیان قرارداد یہ ہے کہ قیمت کا استحقاق مال کے روانہ کرتے ہی پیدا ہو جائے گا ورنہ اگر قرارداد کی شکل یہ ہے کہ مال وصول ہونے سے پہلے قیمت نہیں دی جا سکتی تو بینک اس وقت تک قیمت ادانہیں کرے گا جب تک خریدار یہ اطلاع نہ دے دے کہ مال وصول ہو گیا ہے۔

بینک کا ان تمام خدمات کو ادا کرتے ہوئے اعتمادات کا دروازہ کھولنا اور بائع

حضرات کی رقم کے فی الفور یا مال وصول ہوجانے کے بعد ادا کرنے کی ضمانت لینا ایک شرعی کام ہے۔ اور اس ضمانت کی بنا پر قیمت ادا کرنا بھی امر جائز ہے، چاہے مشتری کے اکاؤنٹ سے رقم ادا کی جائے یا اپنے ذاتی سرمایہ سے، اگرچہ دوسری صورت میں مشتری بینک کا مقروض ہوتا ہے اور اسے بقدر قیمت رقم بینک کو ادا کرنا پڑتی ہے۔ رہ گئے وہ فوائد جو بینک کو اعتمادات کا سلسلہ قائم کرنے سے حاصل ہوتے ہیں تو ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ فائدہ جو بینک کو التزام کی اجرت اور لوگوں سے رابطہ پیدا کر کے رقم ادا کرنے کے لئے حق المحنت کے طور پر ملتا ہے اور ایک وہ فائدہ ہے جو بینک ادا کردہ رقم کے بدلے مشتری سے وصول کرتا ہے اور اس کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ ہم نے آپ کا قرض اپنی طرف سے روانہ کر دیا ہے اور ہمارا پیسہ آپ کے کام میں اتنے دنوں تک پھنسا رہا ہے۔ لہٰذا اس کی اجرت ملنا چاہئے جو واقعی حیثیت سے سود ہے اور اس کا غیر سودی بینک کے اصول و قوانین کے سانچے میں ڈھلنا ضروری ہے۔

پہلے قسم کا فائدہ قطعاً جائز ہے اور دوسرے قسم کا فائدہ قطعاً حرام ہے۔ اس کے علاوہ ایک فائدہ اور ہے جو ایکسپورٹ کرنے والے کا بینک امپورٹ کرنے والے کے بینک کے ذمہ ڈالتا ہے اور وہ امپورٹ کرنے والے سے رقم وصول کرتا ہے یہ فائدہ اس رقم کا فائدہ ہے جو دوسرے ملک میں متعلقہ بینک سے رقم وصول ہونے کے درمیان گزرنے والی مدت سے متعلق ہوتا ہے۔

اس کی شرعی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ مال ایکسپورٹ کرنے والا خرید وفروخت کے عقد ہی میں امپورٹ کرنے والے سے یہ شرط کرلے کہ جب تک رقم وصول نہ ہوجائے آپ کو یومیہ اس قدر رقم دینا پڑے گی جس کے بعد مشتری اور اس کا بینک دونوں اس رقم کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوجائیں گے اور یہ سود نہ ہوگا۔ اس لئے کہ سود کے معنی قرض دے کر مدت کا فائدہ وصول کرنا ہے اور یہاں کوئی قرض نہیں ہے یہاں فائدہ تجارت کے ذیل میں طے ہوا ہے اور تجارت کے ذیل میں طے ہونے والی ہر شرط پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

تحفظ اجناس

بعض اوقات بینک یہ کام بھی انجام دیتا ہے کہ کسٹم کے باہر یا اندر بڑے بڑے گودام قائم کر کے مال کو محفوظ رکھتا ہے اور جب لوگ کاغذات لا کر دکھاتے ہیں تو ان کے حوالے کر دیتا ہے۔ عام طور سے یہ مال اسی وقت جمع ہوتا ہے جب منگانے والا وصول کرنے میں تاخیر کرتا ہے یا قبول کرنے ہی سے انکار کر دیتا ہے۔ بینک متعلقین کے فائدے کے لئے مال کو محفوظ رکھتا ہے اور ان کی ہدایات کا انتظار کرتا رہتا ہے بینک ان احوال کو بھی محفوظ رکھتا ہے جن کے کاغذات کو دیکھ کر قیمت ادا کرنے کا التزام کر چکا ہوتا ہے اگر چہ یہ تحفظ مشتری کے حق میں ہوتا ہے اس کے متعلق نہیں جس نے کاغذات دکھلا کر اپنی قیمت وصول کر لی ہے۔

پہلی صورت میں بینک کا مال کو محفوظ رکھنا ایک امر جائز ہے جس کی اجرت لی جاسکتی ہے بشرطیکہ بینک یہ کام صاحب معاملہ کے صریحی یا ضمنی حکم کی بنا پر انجام پائے۔

دوسری صورت میں بھی مال کا محفوظ رکھنا جائز ہے اور بینک مشتری سے اجرت وصول کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ مشتری کے مطالبہ سے ہو۔ یا اس سے ضمنی طور پر اعتماد کھولتے وقت ہی طے ہو چکا ہو کہ بینک مال کے آنے پر اس کی حفاظت کرے گا اور مشتری سے اجرت وصول کرے گا۔

غیر ملکی سکوں کی تجارت

ظاہر ہے کہ جس طرح ایک ملک کے دو باشندوں میں ایک کا قرض یا مطالبہ دوسرے کے سر ہو جاتا ہے اسی طرح دو ملکوں کے باشندے بھی ایک دوسرے کے مقروض ہو سکتے ہیں اس قرض کا سبب عام خرید و فروخت کا سلسلہ ہوا کرتا ہے جہاں خریدار جنس کی قیمت کا مقروض ہو جاتا ہے اور فروخت کرنے والا قرض خواہ۔

جن مقامات پر بینک کا رواج نہیں ہے وہاں غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لئے

بھی وہی ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں جو ملکی قرضوں میں استعمال ہوتے ہیں۔یعنی اگر تجارت میں یہ طے ہو گیا ہے کہ رقم کی ادائیگی مشتری کے سکوں میں ہو گی تو مشتری بقدر قیمت سکے لے کر تاجر کے ملک میں بھیج دیتا ہے اوراس طرح قرض سے گلوخلاصی کر لیتا ہے اور اگر یہ طے ہو گیا ہے کہ قیمت کی ادائیگی ایکسپورٹر کے سکوں میں ہو گی تو مشتری کا فرض ہوتا ہے کہ بازار سے بقدر قیمت دوسرے ملک کے سکہ خریدے اور پھر انہیں دوسرے ملک میں بھیج کر اپنے قرضہ کوادا کرے۔

دور سابق میں یہی کاروبار تھا جہاں سکہ فروشوں کی حکومت تھی اور قیمتوں پر وہی قبضہ جمائے ہوئے تھے یہاں تک کہ بینکوں نے میدان میں قدم رکھا اور نقد ادائیگی کی قیمت کو گھٹا کر اس کی جگہ دوسرے اہم وسائل ایجاد کر دیئے۔اب حوالہ اور چیک نقد ادائیگی کا قائم مقام بن چکا ہے اور کاروبار کی وسعت کی بنا پر بینک کے لئے آسان ہو گیا ہے کہ وہ سکوں کے تاجروں کی جگہ لے کر پورے کاروبار پر مسلط ہو جائے اور اس نے یہ کام شروع بھی کر دیا ہے۔

غیر ملکی زرمبادلہ کی تجارت پر بحث کرنے اور بینک کے وسائل ادا پر گفتگو کرنے کے لئے پہلے ان سکوں کی تجارت پر بحث ہو گی جو کاغذ کی شکل میں چل رہے ہیں اس کے بعد نقد سکوں کی تجارت کے مسائل پر گفتگو کی جائے گی۔

ادائے قرض کی مصرفی ترقی

مصرفی ترقی کی بنیاد پر ادائے قرض نے اس بات کو عین ممکن بنا دیا ہے کہ نقد رقم کے منتقل کئے بغیر قرض اور مطالبات ادا ہو جائیں اور انسان کو کوئی زحمت نہ کرنا پڑے۔اس کاروبار کا آسان طریقہ وہ تجارتی اوراق ہیں جنہیں بینک ان کاموں کے لئے استعمال کرتا ہے اور ان کاغذات کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی عراقی امپورٹر پاکستانی یا ہندوستانی ایکسپورٹر کا مقروض ہو گیا ہے اور وہ اسے آنے والی جنس کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ پاکستانی یا ہندوستانی سکے فراہم کرے بلکہ بینک کے چیک کے ذریعے اپنے قرض کو ادا کر سکتا ہے۔عراقی بینک پاکستانی یا ہندوستانی بینک کے نام چیک لکھ

دے گا اور تاجر اسے اپنی پارٹی کے نام پاکستان یا ہندوستان بھیج دے گا یا اگر کسی عراقی کا کوئی قرض کسی پاکستانی یا ہندوستانی کے اوپر ہے اور اس نے پاکستانی یا ہندوستانی تاجر سے پاکستانی یا ہندوستانی بینک کا چیک حاصل کر لیا ہے تو پہلا تاجر اس چیک کو عراقی تاجر سے خرید کر اپنے فریق کو پاکستان یا ہندوستان بھیج دے گا اور وہ اسے پاکستانی یا ہندوستانی بینک سے کیش کرا لے گا۔

دونوں صورتوں میں نقد رقم کے تبادلے کا کوئی سوال نہیں ہے سوال صرف یہ ہے کہ اس کاروبار کی فقہی صورت کیا ہوگی؟ پہلی صورت کی توجیہہ تو دو حوالوں کی بنا پر کی جاسکتی ہے۔

پہلا حوالہ عراقی امپورٹر نے پاکستانی یا ہندوستانی آدمی کو عراقی بینک کے نام دیا ہے اور اس کے ذریعہ پاکستانی یا ہندوستانی آدمی نے عراقی بینک کے ذمہ اپنی جنس کی قیمت کا حق پیدا کر لیا ہے۔ اور دوسرا حوالہ عراقی بینک نے اپنے فریق پاکستانی یا ہندوستانی بینک کو دیا ہے کہ پاکستانی یا ہندوستانی آدمی اپنی رقم وہاں سے وصول کر لے اور یہ دونوں حوالے صحیح ہیں۔ ان میں کوئی شرعی اشکال نہیں ہے۔

دوسری صورت کی توجیہہ ایک حوالہ اور ایک خریدار کی بنا پر ہوسکتی ہے حوالہ کی شکل یہ ہے کہ عراقی امپورٹر نے عراقی ایکسپورٹر سے وہ قرض خرید لیا جو پاکستانی یا ہندوستانی تاجر کے ذمہ ہے اور خود پاکستانی یا ہندوستانی تاجر کے ذمے ایک قرض کا مالک ہو گیا، اس کے بعد یہ عراقی تاجر اپنے قرضدار پاکستانی یا ہندوستانی تاجر کو اس دوسرے پاکستانی یا ہندوستانی ایکسپورٹر کے حوالے کر دیتا ہے جس کے ذمہ پہلی خریداری کی بنا پر عراقی تاجر کی رقم آچکی ہے اس طریقہ سے یہ خریداری بھی صحیح ہے اور حوالہ بھی، اور بینک کی اس ترقی میں کوئی شرعی اشکال نہیں رہ جاتا رہ گئے وہ معاملات جنہیں بینک اس سلسلے میں انجام دیتا ہے تو ان کی بالتفصیل بحث ہوگی جہاں خارجی صرافی کا جائزہ لیتے ہوئے اور وسائل ادا کی بڑھتی ہوئی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ فرض کرنا ہوگا کہ صرافی کاروبار حکومتی نوٹوں سے متعلق ہے اور اس کے بعد اصل سکوں کی بحث کی جائے گی اور باقی سکوں کا شرعی حکم دریافت کیا جائے گا۔

غیر ملکی سکوں کی تجارت

آج کل بینک غیر ملکی سکوں کی خرید وفروخت پر خاصی توجہ دے رہے ہیں اور اس طرح ان کے پاس اپنے متعلقین کی ضرورت کے لئے فارن ایکسچینج بھی جمع ہوجاتا ہے اور ان حالات میں فائدہ بھی ہوجاتا ہے جہاں فروخت کی قیمت خرید کی قیمت سے زیادہ ہو یا برابر ہی ہو کہ اس طرح بینک کو بغیر کسی نقصان کے خریداری کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بینک والے باہر سے آنے والے سیاحوں اور ملک کے واپس آنے والے اہل وطن سے سارے باہر کے سکے خرید لیتے ہیں۔ باہر کے سکوں کا ملکی سکوں کے عوض خریدنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس مقدار میں سکے خریدنا چاہتا ہے ان کی رسمی قیمت دریافت کر کے اسے اپنے مقامی سکے میں تبدیل کر دے۔ خرید وفروخت کا یہ معاملہ شرعی طور پر جائز ہے چاہے نقد ہو یا مدت معین کے ساتھ ہو اس لئے کہ بینک دونوں قسم کے کاروبار کرتے ہیں اور کبھی کبھی پارٹی سے یہی معاہدہ ہوتا ہے کہ غیر ملکی سکوں کی خرید وفروخت کی جائے لیکن اس میں مدت مقرر کی جائے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بینک کا کوئی کھاتہ دار باہر سے کوئی مال منگواتا ہے اور اس کی قیمت میں ایک ماہ کی مدت ہوتی ہے اور شرط یہ ہوتی ہے کہ قیمت کو ایکسپورٹ کرنے والے کے ملک کے سکوں میں ادا ہونا چاہئے اور خریدار کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ شاید ایک ماہ کے اندر سکوں کا بازار بدل جائے اور مجھے آج کے ایک ہزار کے بجائے کچھ زیادہ دینا پڑے تو وہ اپنے بینک سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ مرکزی بینک سے بقدر ضرورت اس ملک کا سکہ خرید لے اور قیمت کی ادائیگی میں ایک ماہ کی مہلت لے لے تا کہ اس کے بعد بازار کا بھاؤ بدل بھی جائے تو آنے والے مال کی قیمت ادا کرنے میں ہزار سے زیادہ نہ دینا پڑے۔ یہ عمل شرعی اعتبار سے جائز ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ جس قیمت سے باہری سکے ایک ماہ کی مہلت پر خریدے گئے ہیں وہ قیمت ادھار نہ ہو ورنہ اگر قیمت بھی ادھار ہے تو یہ قرض سے قرض کی تجارت ہوجائے گی جو شرعی اعتبار سے باطل ہے۔ خریدار کو قیمت دیر میں دینا ہے تو صیغہ عقد میں اس کا معاہدہ نہ کرے بلکہ خرید وفروخت تمام ہونے

کے بعد الگ سے مہلت لے لے ورنہ معاملہ مشکل ہو جائے گا۔

بینک سے صادر ہونے والے حوالے

جس طرح کھاتہ دار اپنے قرض خواہ کو چیک ایشو کر کے بینک کے حوالے کر دیتا ہے یا بینک کو تحریری حکم بھیج دیتا ہے کہ اتنی مقدار میں رقم فلاں مقام پر میرے قرض خواہ تک پہنچا دی جائے اسی طرح خود بینک بھی یہ عمل انجام دے سکتا ہے۔ بینک کے اس طریقہ کار کو ادائیگی کا محفوظ ترین طریقہ فرض کیا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر امپورٹ کرنے والا تاجر غیر ملک کے ایکسپورٹر کا مقروض ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ بینک سے گزارش کرے اور بینک اس ایکسپورٹر کو دوسرے مقام پر اپنی کسی شاخ یا متعلق بینک کا حوالہ دے دے تا کہ وہ وہیں سے رقم وصول کر لے۔

ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے بینک کو دوسری شاخ یا دوسرے بینک میں حساب رکھنا پڑے گا اور حوالہ کی قیمت اسی حساب میں سے کٹتی رہے گی جس کے بعد صاحب معاملہ بینک کو اپنے شہر کے سکوں میں حوالہ کی قیمت ادا کرے گا چاہے نقد کی صورت میں ہو یا اپنے حساب میں لکھوا دے اور بینک تحویل کا کمیشن لے لے۔ بینک کی یہ تحویل شرعی اعتبار سے صحیح ہے اور اس کی گزشتہ چار میں سے کوئی بھی تفسیر کی جا سکتی ہے۔

صرف داخلی اور خارجی حوالہ کا ایک فرق ملحوظ رکھنا پڑے گا کہ داخلی تحویل میں جو قیمت تحویل کا حکم دینے والے کھاتہ دار کے پاس بینک میں ہے اور جو قیمت بینک تحویل کے بعد ادا کرنا چاہتا ہے دونوں ملکی سکے ہیں اور غیر ملکی تحویل میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں کھاتہ دار کا حساب بینک میں ملکی سکے میں ہے اور بینک کو ملک کے باہر تحویل کے مطابق غیر ملکی سکوں میں قیمت ادا کرنا ہے اس لئے اگر تحویل کی یہ تفسیر کی جائے کہ گویا بینک اپنے کھاتہ دار کا قرض ادا کر کے اپنے قرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے تو غیر جنس میں ادائیگی ہوگی جس کے جواز کے لئے قرض خواہ کی اجازت لازم ہوگی اور اگر اس کی یہ تفسیر کی جائے کہ کھاتہ دار نے اپنے قرض خواہ کو بینک کا حوالہ دے دیا ہے تو یہ بری الذمہ کا حوالہ ہوگا کہ بینک کے ذمے

خارجی سکوں کا مشغول الذمہ ہو جائے اور اسے اپنا مقروض بنا لے تب اپنے قرض خواہ کو حوالے دے خرید وفروخت سے بینک خارجی سکوں کا مقروض ہو جائے گا اور حوالہ مقروض کے نام حوالہ ہو جائے گا جس کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

تحویل کی ایک تفسیر یہ بھی ممکن ہے کہ بینک دوسرے ملک کے بینک میں رہنے والے اپنے غیر ملکی سکوں کو اپنے کھاتہ دار کے ہاتھ ملکی سکوں میں بقدر قیمت وضرورت فروخت کر دے اور جب کھاتہ دار غیر ملکی بینک پر اپنا حق پیدا کر لے تو اپنے قرض خواہ کو براہ راست اس بینک کے حوالے کر دے کہ اس طرح اپنے بینک کی طرف سے غیر ملکی بینک کے ذمہ پڑے ہوئے سکوں کی تجارت ہوگی اور خود اپنی طرف سے ان ملکوں کا حوالہ ہوگا۔ حوالہ کی یہ تمام قسمیں صحیح اور جائز ہیں اور ان پر اجرت لینا بھی جائز ہے جیسا کہ داخلی حوالے کی بحث میں اس کے وجوہ بیان کئے جا چکے ہیں یہاں صرف اس نکتہ کا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر تحویل کی تفسیر یہ ہے کہ بینک نے دوسرے بینک پر اپنے قرضہ کو بیچا ہے اور کھاتہ دار نے اسی قرضہ کا حوالہ دیا ہے تو بینک کے امکان میں ابتدا ہی سے یہ ہے کہ وہ باہری سکوں کو بیچتے وقت ہی اپنے کمیشن کو قیمت کا جز بنا دے اور الگ سے کمیشن کا کوئی مسئلہ ہی نہ رہ جائے۔

بینک میں آنے والے حوالے

کسی بینک کی شاخ یا متعلقہ بینک میں وارد ہونے والے حوالوں کو اس نگاہ سے دیکھا جائے کہ اس نے اپنے کھاتہ دار کی خواہش کے مطابق حوالہ کو لیا ہے تو صادر ہونے والے اور وارد ہونے والے حوالوں میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا بلکہ جب بھی یہ حوالے کسی شاخ یا متعلقہ بینک میں وارد ہوں گے وہ بینک تحویل کی قیمت نقد مستفید کو دے دے گا یا اس کے حساب میں درج کر دے گا یا دوسرے بینک کی طرف منتقل کر دے گا یا جیسی اس کی خواہش ہوگی اسی کے مطابق عمل کرے گا اور یہ عمل شرعاً جائز بھی ہوگا۔ بشرطیکہ حوالے کی شرعی صورت برقرار رہے اور مالک ایکسپورٹ کرنے والا جس بینک کو حوالہ بھیج رہا ہے اسے محض قبولیت حوالہ اپنا مقروض بنا لے تا کہ اس قرض کی روشنی میں حوالہ کرنے کا امکان رہے

ورنہ اگر حوالہ صرف ایک حکم ہے کہ اس قدر رقم دے دی جائے تو اس حکم سے ایکسپورٹ کرنے والا متعلقہ بینک کے ذمہ حوالہ کی قیمت کا مالک نہیں بن سکتا جب تک وہ خود قیمت پر قبضہ نہ کرے یا کوئی دوسرا شخص اپنے قبضہ میں کر لے یا خود بینک ہی نیابتہً قبضہ کر لے۔ اس کے بغیر ایکسپورٹر کو کوئی حق نہیں ہے کہ بینک میں کسی کے حساب میں درج کرنے یا دوسرے حساب میں منتقل کرنے کا حکم دے سکے۔

بینک کے چیک

جس طرح کرنٹ اکاؤنٹ کرنے والے بینک کے نام چیک کاٹ دیا کرتے ہیں اسی طرح کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود بینک اپنے متعلقہ دوسرے شہر کے بینک کے نام اپنے کھاتہ دار کے لئے چیک کاٹ دیتا ہے اور کھاتہ دار اس چیک کو لے کر دوسرے بینک کے پاس جاتا ہے اور مذکورہ رقم وصول کر لیتا ہے جس کے بعد متعلقہ بینک چیک کاٹنے والے بینک کے حساب سے اتنی رقم وضع کر دیتا ہے۔ اس چیک سے استفادہ کرنے والے کھاتہ دار کی دو قسمیں ہیں کہ کبھی اتنی مقدار میں رقم داخلی بینک میں موجود ہوتی ہے اور کبھی بینک چیک کاٹ دیتا ہے اور کھاتہ دار کی اس مقدار میں رقم بینک میں نہیں ہوتی۔ پہلی صورت میں اس معاملہ کی فقہی توجیہہ حسب ذیل طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

۱۔ چیک کاٹنے والے بینک نے اپنے قرض خواہ کھاتہ دار کو دوسرے بینک کی طرف حوالہ کر دیا ہے کہ وہ اس بینک سے اپنے قرض کو وصول کر لے یہ معاملہ شرعاً صحیح ہے۔ نقص صرف یہ ہے کہ قرض دوسرے سکے میں ادا کیا جا رہا ہے لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ صاحب قرض خود ہی راضی ہے۔

۲۔ مثل سابق چیک کاٹنے والا اپنے قرض خواہ کو ادائے قرض کے لئے دوسرے بینک کی طرف حوالہ کر رہا ہے لیکن یہ دوسرے سکے میں قرض کی ادائیگی نہیں ہے کہ بینک اور قرض خواہ نے پہلے ہی داخلی اور خارجی سکوں کی خرید و فروخت کر لی ہے اور بینک نے داخلی سکوں کے عوض خارجی بینک میں اپنے خارجی سکہ کو بیچ دیا ہے اور کھاہ دار نے خرید لیا ہے

اس معاملہ میں تو پہلا جیسا اشکال بھی نہیں ہے۔

۳۔ بینک اپنے اس قرض کو جو خارجی بینک کے ذمہ ہے۔ اسی مقدار میں داخلی سکے کے عوض اپنے کھاتہ دار قرض خواہ کے ہاتھ بیچ رہا ہے اور وہ اس قرض کو خرید رہا ہے یعنی معاملہ صرف ایک خرید وفروخت پر تمام ہو رہا ہے اور حوالہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری صورت میں بھی معاملہ کی فقہی صورتحال یہ ہے کہ چیک مقامی بینک کی طرف سے خارجی بینک کے نام ایک حکم ہے کہ حامل چیک کو چیک کے اماؤنٹ کے برابر رقم بطور قرض دیدی جائے میں اس قرض کی ادائیگی کا ضامن ہوں۔

یا یہ کہ صاحب چیک کو میرے حساب میں سے بطور قرض بقدر چیک رقم دے دی جائے۔

یا یہ کہ چیک لکھنے والا خارجی بینک میں جمع شدہ اپنے قرضہ کو حامل چیک کے نام بقدر چیک رقم کے عوض فروخت کر رہا ہے اور وہ مقامی سکوں کے عوض خارجی سکہ خرید رہا ہے فرق صرف یہ ہے کہ رقم نقد ادا نہیں کی جا رہی ہے اس مسئلہ کی صورت حال یہ ہے کہ اگر قیمت کا موجل ہونا اصل معاملہ میں طے ہوا ہے تو معاملہ باطل ہے کہ قرض کے عوض قرض کی فروخت ہے جو اسلام میں باطل ہے اور اگر معاملہ سیدھا سادھا ہوا ہے اور الگ سے یہ طے ہو گیا ہے کہ قیمت کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی تو کوئی ہرج نہیں ہے معاملہ کی تمام صورتیں شرعی اعتبار سے صحیح ہیں اور ان پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔ اجرت کی تفسیر مختلف وجوہ سے کی جا سکتی جن کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

شخصی اعتماد کے خطوط

ان خطوط سے مراد وہ تحریریں ہیں جو بینک اپنے کھاتہ داروں کو اس انداز سے دیا کرتا ہے کہ وہ ان تمام متعلقہ بینکوں سے رقم وصول کر سکتے ہیں جن کے نام اس تحریر کی پشت پر درج کئے گئے ہیں عام طور سے بینک وہ پوری رقم تحریر لکھتے وقت ہی وصول کر لیتے ہیں اور اس خدمت پر اپنا کمیشن بھی لے لیا کرتے ہیں۔ فقہی اعتبار سے اس تحریر کا حاصل

کرنے والا اگر بینک میں اپنا حساب رکھتا ہے یا تحریر حاصل کرتے وقت اتنی مقدار میں رقم جمع کر دیتا ہے تو اس معاملہ کی دو تفسیریں ممکن ہیں۔

۱۔ تحریر کو استفادہ کرنے والے کے نام بینک کی طرف سے وکالت نامہ فرض کیا جائے کہ وہ بینک کے ذمہ اپنے قرضہ کو مذکورہ بینکوں میں سے کسی بینک سے بھی وصول کر سکتا ہے کہ اس میں صرف دوسری جنس میں ادائیگی کا نقص رہے گا اور وہ صاحب معاملہ کی رضا مندی سے برطرف ہو جائے گا۔

۲۔ تحریر نے حامل تحریر کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ جب چاہے بینک پر اپنے قرضہ کو داخلی سکے سے خارجی سکے کی طرف منتقل کر سکتا ہے یا صاحب تحریر کو بینک نے مذکورہ بینکوں کا حوالہ دے دیا ہے اور اس نے اس حوالے کو قبول بھی کر لیا ہے۔

لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اعتمادی تحریر حاصل کرنے والے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ تحریر صرف خارجی سکے میں ہوتا کہ وہ ان کی موجودہ قیمت بینک کو ادا کر کے فرصت پا جائے اور خارجی سکوں کی قیمت بڑھ جانے کا خطرہ بھی نہ رہے۔

اس خواہش کی فقہی تفسیر یہ ہو سکتی ہے کہ یہ ایک خرید وفروخت ہے جس میں بینک نے مقامی سکوں کے عوض خارجی سکے فروخت کئے ہیں اور صاحب تحریر کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنے خریدے ہوئے سکوں کو بینک سے متعلق کسی بھی بینک سے وصول کر سکتا ہے۔

بینک کو اس کاروبار پر بھی اجرت لینے کا مکمل اختیار ہے اور اس کی حسب ذیل توجیہیں ممکن ہیں۔

۱۔ اگر بینک پہلے سے تحریر حاصل کرنے والے کا مقروض ہے تو اجرت کا تعلق غیر مقام پر قرض ادا کرنے سے ہے جو کسی بھی مقروض کی ذمہ داری نہیں ہے۔

۲۔ اگر صاحب تحریر کا کوئی حساب بینک میں نہیں ہے اور بینک بقدر تحریر رقم قرض دلوانا چاہتا ہے تو اس قرض کی قیمت اسی وقت مکمل ہوگی جب غیر ملک میں رقم وصول کر لی جائے گی۔ اس لئے کہ شریعت میں قبضہ کے بغیر قرض تمام نہیں ہوتا اور قبضہ کرنے والا

بینک کا مقروض ہو جائے گا اور بینک کو اختیار ہے کہ وہ ادائیگی قرض کا اسی مقام پر مطالبہ کرے جہاں قرض لیا گیا ہے کہ یہ ایک اصولی بات ہے اور قرض لینے والے کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ وہ ملک کے باہر قرض ادا کر سکے اس لئے وہ بینک سے اس سہولت کا طلب گار ہوگا کہ وہ ملک کے اندر قرض ادا کر دے اور بینک کو اختیار ہوگا کہ اس چھوٹ دینے کے عوض اس سے کمیشن وصول کرے یا دوسرے انداز سے یہ کہا جائے کہ تحریر سے استفادہ کرنے والا غیر ملکی سکوں کا مقروض ہے اور اب ملکی سکوں میں ادائیگی کرنا چاہتا ہے یعنی ادائیگی غیر جنس میں ہو رہی ہے اور اس کا قبول کرنا کسی بھی صاحب قرض پر واجب نہیں ہے لہٰذا وہ اس رعایت کا کمیشن لے سکتا ہے۔

۳۔ اگر اس تحریر کی یہ توجیہہ کی جائے کہ بینک نے حامل تحریر کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ داخلی سکے دیکر خارجی سکے خرید لے اور اس نے خریداری کی بنا پر باہر وصول کیا ہے تو بینک کو اس اختیار دینے کا کمیشن لینے کا حق ہے۔ مختصر یہ کہ بینک کے لئے کمیشن لینا شرعاً جائز ہے اور اس جواز کی متعدد توجیہیں کی جا سکتی ہیں۔

مختلف سکوں کی تجارت

اب تک خارجی تجارت، مصرفی ادائیگی کے وسائل اور خارجی سکوں کی خرید و فروخت کے مسائل پر سکے کو کاغذ فرض کر کے بحث کی جا رہی تھی۔ اب دوسرے انداز کے سکوں کی تجارت پر گفتگو کی جائے گی کہ:۔

اسلام میں سکوں کی مختلف قسموں کے درمیان تجارت کے احکام بھی مختلف حیثیت رکھتے ہیں۔ سکوں کی خرید و فروخت پر بحث کرنے سے پہلے ان سکوں کی چار قسمیں کرنا پڑیں گی۔

۱۔ سونے چاندی کے معدنی سکے

۲۔ کاغذی سکے جو صادر کرنے والے شعبہ کے بینک میں موجود سونے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

۳۔وہ کاغذی سکے جن کے پیچھے بینک میں سونا ہو یا نہ ہو لیکن انہیں صادر کرنے والا شعبہ، اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وقت طلب اتنی قیمت کا سونا دے سکتا ہے۔

۴۔وہ کاغذی سکے جن کی ضمانت کا قانون ختم ہو چکا ہے اور اب ان کے عوض سونا ملنے کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔

قسم اول،معدنی سکے

پہلی قسم کے معدنی سکے شرعی قوانین کے تحت سونے، چاندی کے سکوں کی فروخت کے احکام میں داخل ہیں اور ان سکوں کی خرید وفروخت کی صحت کے لئے فقہا کے نزدیک دوشرطیں ہیں۔

۱۔طرفین میں جنس اور قیمت کی مقدار برابر ہونی چاہئے کہ اگر سونے کے مقابلہ میں سونے کا سکہ یا چاندی کے مقابلہ میں چاندی کا سکہ رکھا گیا ہے اور مقدار میں فرق آگیا ہے تو وہ سود اور قطعی حرام ہے۔سونے کے مقابلہ میں چاندی ہو یا چاندی کے مقابلہ میں سونا ہوتو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۔معاملہ کے تمام مراحل اسی وقت تمام ہو جائیں کہ خریدار قیمت دے دے اور فروخت کرنے والا جنس تحویل کر دے ورنہ اس تحویل سے پہلے اگر فریقین مجلس عقد سے منتشر ہو گئے تو معاملہ باطل ہو جائے گا۔

اس شرط میں علما نے یہ عمومیت رکھی ہے کہ یہ ہم جنس سکوں کی تجارت میں بھی لازم ہے اور سونے کو چاندی یا چاندی کو سونے کے عوض فروخت کرنے میں بھی ضروری ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ یہ صرف مختلف جنسوں کی تجارت کا قانون ہے، ہم جنس سکوں کی تجارت میں اس قانون کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور مجلس عقد کے منتشر ہونے کے بعد قبض کرلیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے معاملہ صحیح ہی رہے گا۔اس لئے کہ جن روایات میں مجلس عقد میں باہمی قبض کی شرط کی گئی ہے ان کا موضوع بیع درہم بہ دینار ہے۔درہم بہ درہم یا دینار بہ دینار کے بارے میں کوئی روایت نہیں ہے اس کے لئے عمومی قانون کی بنا پر مجلس

عقد میں قبض کو لازم نہیں ہونا چاہئے۔اب اگر کوئی شخص یہ تصور کرے کہ جب سونے کے چاندی سے بیچنے میں قبض شرط ہے تو سونے کے سونے سے بیچنے میں بطریق اولیٰ شرط ہونا چاہئے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرق بہر حال موجود ہے۔ سونے کے سونے سے بیچنے میں زیادتی اور کمی کا کوئی احتمال نہیں ہے۔اس کا مسئلہ پہلی شرط میں طے ہو چکا ہے لیکن سونے کے چاندی سے بیچنے میں یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے اب اگر یہ شرط نہیں کی گئی ہے اور مجلس عقد برہم ہو گئی ہے تو یہ بھی ایک امکان ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق سے قیمت کے موجل ہونے کا مطالبہ کرے اور وہ اس مدت کے لئے کچھ زیادتی کر دے اور صاحب شریعت کا منشا یہ ہے کہ اس معاملہ میں اس قسم کی کوئی حرکت نہ ہونے پائے اس لئے یہ پابندی عائد کر دی گئی ہے کہ مجلس عقد ہی میں باہمی قبضہ ہو جائے اور یہ جھگڑا نہ رہ جائے۔

البتہ بعض روایات سے یہ ضرور استفادہ ہوتا ہے کہ ہم جنس سکوں کی تجارت میں نقد اور نسیہ کا معاملہ نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ تلواروں کی تجارت میں یہ کہا گیا ہے کہ بقدر چاندی، چاندی نقد ہونا چاہئے چاہے باقی ادھار ہی رہے لیکن ان روایات سے بھی نقد ونسیہ کے علاوہ کسی مسئلہ کا استفادہ نہیں ہوتا اور نقد ونسیہ کی بحث مجلس عقد میں باہمی قبض سے قطعی مختلف ہے جیسا کہ فقہی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے۔

قسم دوم، سونے کے نمائندہ کاغذات

اگر طرفین معاملہ سونے کے نمائندہ سکے اور کاغذات ہیں جن کے مقابلہ کا سونا بینک میں موجود ہے تو یہاں صرف ایک شرط ہے کہ جس سونے کی نمائندگی یہ سکہ کر رہا ہے اس کی مقدار اس سونے کی مقدار سے کم یا زیادہ نہ ہو جس کی نمائندگی دوسرا کاغذ کر رہا ہے اس کے علاوہ مجلس عقد میں باہمی قبض کی شرط نہیں ہے کہ یہ کاغذات سونے کی نمائندگی کرتے ہیں اور سونے کی سونے سے تجارت میں باہمی قبض کی شرط نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ خود مساوات کی شرط بھی کسی قیامت سے کم نہیں ہے کہ ان کاغذات کی قیمت مختلف عوامل

واسباب کے زیر اثر بدلتی رہتی ہے اور مساوات کی شرط ہر وقت ایک نئی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتی ہے غنیمت ہے کہ اس قسم کے سکوں کا کوئی وجود آج کل کی دنیا میں نہیں ہے۔

قسم سوم، کاغذ کے التزامی سکے

وہ سکے جن کے بارے میں صادر کرنے والی جہت کا یہ الزام ہوتا ہے کہ وقت طلب اتنی قیمت کا سونا دیا جا سکتا ہے۔

ان کی تفسیر بھی دو وجوہ سے کی جا سکتی ہے۔

۱۔ جہت صدور کا عندالطلب بقدر قیمت سونا ادا کرنے کا مستقل التزام، ایک قسم کی ضمانت ہو جس کی وجہ سے کاغذ کی سماجی مالیاتی قیمت پیدا ہو جائے اور جہت صدور پر اعتماد کی بنا پر اس پر بھروسہ کرنے لگیں۔

۲۔ جہت صدور کے التزام کا مقصد یہ ہو کہ اس نے اتنی مقدار میں سونے کا اپنے کو مشغول الذمہ فرض کر لیا ہے اور کاغذ کا سکہ باارزش ہونے کے بجائے جہت کے مقروض ہونے کی سند بن گیا ہے۔ ان دونوں تفسیروں کا فرق واضح ہے کہ پہلی تفسیر کی بنا پر جب سکہ رائج کرنے والا شعبہ نوٹ جاری کرتا ہے اور یہ ذمہ داری لیتا ہے کہ وقت طلب اس کے مقابلہ میں سونا دیا جائے گا تو اس نوٹ کو جنس کی قیمت کے طور پر دیا جائے یا خدمت کے مقابلہ میں دیا جائے گویا اس کے مقابلہ میں سونے کی ذمہ داری دے دی گئی ہے اور اسے سند بنا دیا گیا ہے۔

اب یہ شعبہ جنس بیچنے والے یا خدمت کرنے والے کے لئے سونے کا مقروض ہے اور جب یہ بیچنے والا اس نوٹ سے کوئی شے خریدے گا تو خریداری نوٹ سے نہیں ہوگی بلکہ اس کی غرض سونے سے ہوگی جو شعبہ کے ذمہ ثابت ہو چکا ہے اور نوٹ اس کے لئے ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے اور اس نوٹ کی واقعی نعیت دیگر سندی کاغذات سے مختلف نہیں ہوگی بلکہ یہ بھی ایک قسم کا سندی کاغذ ہوگا۔ لیکن دوسری تفسیر کی بنا پر ایسا نہیں ہے۔ وہاں شعبہ اصدار جب قیمت کے طور پر یا خدمت کے صلہ میں یہ نوٹ دیتا ہے تو گویا جنس کی

قیمت یا خدمت کا حق اسی نوٹ سے ادا کر رہا ہے۔نوٹ کے علاوہ اپنے ذمہ کسی قرضہ کا التزام نہیں کرتا۔نوٹ کی قیمت صرف اس اعتبار سے پیدا ہوگئی ہے کہ لوگ شعبہ اصدار پر اعتماد کرتے ہیں اور اس نے سونا دینے کا وعدہ کیا ہے کھلی ہوئی بات ہے کہ حکم شریعت بھی دونوں تفسیروں کی بنا پر جداگانہ ہوگا۔

پہلی تفسیر کی بنا پر نوٹ سے معاملہ اس سونے سے معاملہ ہے جو بینک کے ذمہ بطور قرض محفوظ ہے اور سونے سے معاملہ کے لئے جنس و قیمت کی مساوات ضروری ہے اس لئے جب بھی بینک کے نوٹ سے دوسرا سکہ خریدا جائے گا جس کی قیمت زیادہ یا کم ہے تو معاملہ باطل ہوجائے گا اور بازاری قیمت کے اتار چڑھاؤ کی بنا پر سکوں کی معاملت تقریباً ناممکن ہوجائے گی لیکن دوسری تفسیر کی بنا پر ایسا نہیں ہے وہاں معاملہ کاغذ سے ہوتا ہے سونے سے نہیں۔اس لئے کمی یا زیادتی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور التزامی کاغذات کی طرح ان نوٹوں سے بھی معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

شواہد وعلامات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوٹ کی حیثیت دوسری تفسیر کی بنا پر زیادہ صحیح اور واضح ہے اور پہلی تفسیر درست نہیں ہے اس لئے کہ پہلی تفسیر کی بنا پر یہ بینک کے قرضے کی ضمانت ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ سند کے گم ہوجانے یا درجہ اعتبار سے ساقط ہو جانے سے اصل قرضہ ساقط نہیں ہوتا جب کہ دنیا جانتی ہے کہ نوٹ پارہ پارہ ہوجائے یا حکومت اس کے اعتبار کو ساقط کردے اور حامل نوٹ فوراً نئے نوٹ سے تبدیل نہ کرائے تو شعبہ صدور کسی قسم کی ذمہ داری نہیں لیتا اور وہ سونے کے ادا کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ شعبہ نے نوٹ کے مالک کو سونا دینے کا ذمہ لیا ہے نوٹ نے اپنے مالک کو سونے کا حقدار نہیں بنایا اس لئے جب تک وہ التزام باقی رہے گا سونا بھی ملے گا اور جب وہ التزام ختم ہوجائے گا تو سونا بھی نہیں ملے گا چاہے کتنی ہی مقدار میں نوٹ کیوں نہ رکھے ہوں اور یہی وجہ ہے کہ قانون ان نوٹوں کو دوسرے تجارتی اوراق چیک پرونوٹ وغیرہ سے الگ رکھتا ہے اور انہیں نقد کی صفت دے کر ان کی ادائیگی کو لازم

قرار دیتا ہے اور باقی کاغذات کو صرف ایک سند کی منزل میں رکھتا ہے۔

بیکار سکے (DENOMINATED CRRUINCY)

حکومت نے نوٹ کے مقابلے میں سونا دینے کا التزام ختم کر دیا ہے تو نوٹ کی قدر و قیمت کا تعلق سابق کی دونوں تفسیروں سے ہی ہوگا۔ اگر وہاں دوسری تفسیر قبول کی گئی ہے اور فرض کیا گیا ہے کہ نقدی اوراق کا حکم التزامی اوراق کا ہے تو دونوں قسموں کا حکم ایک ہو جائے گا اور سب کا حکم التزامی اوراق کا حکم ہوگا جہاں سونے سے معاملت کے شرائط کی کوئی پابندی نہیں ہے اور کم وبیش پر بھی معاملہ کیا جا سکتا ہے اور اگر وہاں پہلی تفسیر کو اختیار کیا گیا ہے اور ان اوراق سے معاملت کو سونے کی معاملت قرار دیا گیا ہے تو اس قسم کے حکم شرعی کی تحقیق کے لئے الفا قیمت کے قانون پر نظر کرنا پڑے گی اور اس کی شرعی حیثیت پر بحث کی جائے گی اگر الفا قیمت کا مطلب یہ ہے کہ شعبہ اصدار نے اپنے سونے کی ذمہ داری ختم کر دی ہے اور نقدی اوراق کو صرف ایک الزامی کاغذ بنا دیا ہے تو یہاں سونے کے معاملہ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور ان کا تعلق کاغذات کی خرید وفروخت سے ہوگا جس کے احکام سابق میں چیک پرونوٹ وغیرہ کے ذیل میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

اگر قانون الفا قیمت کا مقصد شعبہ صدور کو اس ذمہ داری سے بری کر دینا ہے کہ اسے ملک کے اندرونی معاملات میں سونا ادا نہ کرنا پڑے اور سونے کو محفوظ کر کے اسے بیرونی تجارتوں کی ادائیگی میں صرف کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نوٹ کی قیمت باقی ہے اور بینک سونے کا مقروض ہے۔ یہ اور بات ہے کہ فی الحال ادا نہیں کرنا چاہتا یا صرف بیرونی معاملات ہی میں ادا کرنا چاہتا ہے اور اس صورت میں نوٹ کا اصلی حکم باقی رہے گا الفا قیمت کے قانون کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

بینک کے اعمال کی دوسری قسم

قرض وسہولت

بینک اپنے سابقہ خدمات کے علاوہ کچھ سہولتیں بھی فراہم کرتا ہےاور کچھ قرض بھی دیتا ہے۔ یہ سہولتیں اکثر مقامات پر خدمات میں مندرج ہوجاتی ہیں لیکن ہمارا مقصد یہ ہے کہ سہولتوں کی بحث کو خدمات سے الگ رکھا جائے چاہے بعض مقامات پر دونوں متحد ہی کیوں نہ ہوجائیں جیسا کہ سندی اعتبارات، ضمانتی تحریراور شخصی اعتماد کی تحریر وغیرہ کا حال ہوتا ہے کہ انہیں بینک کے خدمات میں شمار کیا جاتا ہے حالانکہ اگر ان کی مکمل رقم پہلے سے بینک میں موجود نہ ہوتو زائد مقدار کے اعتبار سے یہ سب بینک کی سہولت میں شمار کئے جائیں گے اوران کا حساب قرضوں کا ہوگا جو بینک اپنے صاحبان حساب کو دیا کرتا ہے۔ بینک کی زبان میں مصرفی جیسی چیزیں بھی آجاتی ہیں جو کبھی قرض کی شکل اختیار کرتی ہیں اور کبھی نہیں۔

ضمانت وکفالت کا جائزہ بھی کبھی اس عنوان سے لیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ ضمانت دار کی عزت وقیمت میں اضافہ ہوجاتا ہے چاہے اس میں کسی قرض دینے کا سوال نہ ہواور کبھی اسے اس عنوان سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سہولت کے نتیجہ میں اس وقت قرض بھی دینا پڑتا ہے جب بینک اپنے صاحب ضمانت انسان کی طرف سے رقم جمع کرنے پر مجبور ہو جائے پہلے جائزہ کی بنا پر ضمانت وکفالت صرف ایک خدمت ہے جس کے بارے میں مفصل گفتگو کی جا چکی ہے اوراس پر جواز اجرت کا اعلان کیا جا چکا ہے لیکن دوسرے

جائزے کی بنا پر ایسا نہیں ہے۔ یہاں ضمانت کا حکم قرضہ کا ہے اور فرق صرف یہ ہے کہ عام قرضے ابتدائی ہوتے ہیں اور ضمانت ایک کام ہے جو کبھی کبھی قرضہ تک پہنچ جایا کرتا ہے بینک کے قرضے عام طور سے تین قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ ا۔طویل مدت کے قرضے، ۲۔ اوسط مدت کے قرضے، ۳۔مختصر مدت کے قرضے۔

بینک کے قرضے کا کاروبار کبھی عمومی قرضوں کی طرح ہوتا ہے کہ پارٹی بینک سے قرض مانگتی ہے اور مطالبہ کے مطابق ایک محدود مقدار میں نقد رقم لے لیتی ہے اور کبھی اعتماد کھولنے کی شکل میں ہوتا ہے کہ بینک ایک مخصوص مقدار کو رقم مقررہ وقت تک کے لئے اپنی پارٹی کے زیر تصرف قرار دے دیتا ہے کہ وہ جس وقت چاہے اس رقم کو برآمد کر سکتا ہے اس اعتماد کھولنے کی حقیقت مسلسل قرض دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے موجودہ بینک ان تمام قرضوں پر سود وصول کیا کرتے ہیں اور ان کا کاروبار سود کی بنا پر ہی چلا کرتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ غیر سودی بینک کے لئے یہ بات ممکن نہیں ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی عمومی سیاست کے تحت ان معاملات کی کوئی نئی شکل اختیار کرے اس نئی پالیسی کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ا۔ بینک کے تمام قرضوں کو مضاربہ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے اور بینک عامل اور صاحب مال کے درمیان وساطت کا فرض انجام دے۔

۲۔قرضہ کو مضاربہ کی شکل میں تبدیل کرنا ممکن نہ ہو تو اسے قرض ہی باقی رہنے دیا جائے۔

۳۔قرض میں مقروض سے یہ شرط کر لی جائے کہ اسے قرض کی کتابت وغیرہ کے لئے اجرت دینا ہوگی اور اس کے علاوہ دیگر تمام فوائد چھوڑ دیئے جائیں گے۔

۴۔مقروض سے یہ شرط کر لی جائے کہ ادائیگی کے وقت فائدہ کی مقدار میں بینک کو طویل مدت کے لئے قرضہ دینا پڑے گا۔

۵۔فائدہ کی مقدار کے برابر بینک کو عطیہ دینے والوں کو پہلے درجے کی پارٹی

قرار دیا جائے اور ان کے مطالبات کو دوسرے افراد پر مقدم رکھا جائے۔

تجارتی کاغذات کیش کرانا

تجارتی اوراق کا کیش کرانا بھی ایک قسم کا قرض ہے جہاں ان اوراق سے فائدہ اٹھانے والا مدت پوری ہونے سے پہلے بینک کے پاس آتا ہے اور اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی رقم اسے دے دی جائے اور اس میں سے اتنی رقم کاٹ لی جائے جو اس وقت سے لے کر مدت پوری ہونے تک کے زمانے میں بطور سود ملنی چاہئے۔ اس کے علاوہ بینک اپنا کمیشن حق الخدمت اور مدت پوری ہونے کے بعد کیش کرانے کے اخراجات بھی وضع کر لے اگر کاغذ دوسرے مقام پر کیش ہونے والا ہے۔ مدت پوری ہونے کے بعد بینک اس کاغذ کے لکھنے والے سے اس کی قیمت کا مطالبہ کرے گا اور ملنے والی قیمت بینک کی ملکیت ہو جائے گی اس لئے کہ استفادہ کرنے والے کو بینک اپنے پاس سے دے چکا ہے اب اگر صاحب کاغذ نے رقم دینے سے انکار کر دیا تو استفادہ کرنے والے کو رقم ادا کرنا پڑے گی اور بینک اسی سے اپنی رقم کا مطالبہ کرے گا بلکہ اگر مدت پوری ہو جانے کے بعد بھی بینک کو مال نہیں ملا تو اسے حق ہے کہ وہ قرض کے سود کی عام قیمت کے اعتبار سے اس مدت کا سود بھی لے لے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ کاغذات کیش کرنے کا یہ کاروبار کاغذ لانے والے کو بینک کی طرف سے قرض دیئے جانے کے مترادف ہے اور اس مستفید کی طرف سے ایک حوالہ ہے جس نے اپنے قرض خواہ بینک کو مقروض صاحب کاغذ کے حوالے کیا ہے اور حوالہ مقروض کی طرف حوالہ ہے بری الذمہ کی طرف نہیں ہے۔ قرض و تحویل کے علاوہ ایک کام اور بھی ہے کہ کیش کرنے والے مستفید نے یہ عہد کیا ہے کہ اگر وقت پورا ہونے پر لکھنے والے نے اس کی رقم نہ دی تو میں رقم واپس کرنے کا ذمہ دار ہوں گا۔ ان عناصر کا نتیجہ یہ ہوتا

ہے کہ

قرض کی بنا پر مستفید ہونے والا اس رقم کا مالک ہو جاتا ہے جو بینک نے کاغذ کیش کرنے میں دی ہے۔

اور حوالہ کی بنا پر بینک حوالہ لکھنے والے کا قرض خواہ ہو جاتا ہے۔

اور مستفید کے عہد کی بنا پر بینک کا حق ہے کہ وہ صاحب کاغذ کے رقم نہ دینے کی صورت میں خود مستفید سے مطالبہ کرے۔

اور ورقہ نویس کے بینک کا مقروض ہو جانے کا اثر یہ ہے کہ بینک وقت مقرر سے ادائیگی میں تاخیر ہو جانے کی صورت میں فائدہ لینے کا حق رکھتا ہے۔ ایسے حالات میں کاغذات کو کیش کرنے والے بینک نے جو کیش اس مدت کے مقابلہ میں کاٹ لیا ہے جو ادا کرنے اور وصول ہونے کے درمیان کی ہے تو یہ سیدھے سیدھے قرض کا سود ہے جو بہر حال حرام ہے۔ ہاں خدمت کی اجرت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جس طرح کتابت قرض کی اجرت میں بھی کوئی مضائقہ نہ تھا، رہ گیا کاغذ کے دوسرے مقام پر کیش کرانے کا کمیشن تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ بینک مستفید کو رقم دے کر اس کا قرض خواہ بن چکا ہے اور قرض خواہ کا حق ہے کہ وہ اپنے قرض کا اسی مقام پر مطالبہ کرے جس جگہ قرض لیا گیا ہے اب اگر مقروض اس جگہ ادا نہیں کر سکتا تو اس سے دوسری جگہ وصول کرنے کی اجرت وصول کرنے کا حق ہے اس اجرت کا تعلق اس شرط کے ساقط کرنے سے ہے جس کا انتظار ابتدا سے ہر قرض خواہ کو رہتا ہے اب اگر ہم کاغذ کیش کرانے کے کاروبار میں ان عناصر کو نکالنا چاہیں جو اسلامی شریعت کے خلاف ہیں تو خدمت اور دوسرے مقام پر رقم وصول کرنے کے کمیشن کے علاوہ تمام اجرتیں باطل ہیں اس لئے کہ سود اسلام میں کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا وہ حرام ہے اور حرام رہے گا۔

غیر سودی بینک میں اس کی جگہ بقدر فائدہ طویل مدت کے لئے قرض اور عطیہ سے کام لیا جاتا ہے لیکن یہ طریقہ بینک کے تحفظ کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہ شرط پرونوٹ

کیش کرانے والے کے ساتھ ممکن بھی ہے تو پرونوٹ لکھنے والے کے ساتھ ممکن نہیں ہے جو بینک کا مقروض صرف اس لئے ہو گیا ہے کہ کیش کرانے والے نے ضمنی طور پر بینک کو اس کے حوالے کر دیا ہے ورنہ براہ راست بینک اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی شرط کی جا سکتی ہے۔

ضرورت ہے کہ شرعی طور پر کیش کرانے کے عمل کو کوئی رنگ دیا جائے جس میں شرط بھی ممکن ہو اور سود بھی نہ ہونے پائے۔

گذشتہ صفحات میں اس عمل کو تین عناصر سے مرکب مانا گیا تھا۔ قرض، حوالہ اور عہد۔

جدید فکر کی روشنی میں یوں فرض کیا جائے گا کہ اس معاملہ میں ایک قرض ہے جسے پرونوٹ کو کیش کرانے والے نے بینک سے لیا ہے اور ایک اس کی طرف سے وکالت ہے جس میں بینک کو حق دیا گیا ہے کہ مدت پوری ہونے پر کاغذ لکھنے والے سے رقم وصول کر لے اور جس مقدار میں مستفید کو رقم دی ہے وہ اصل قیمت میں سے کاٹ دے اور بینک کا یہ ذاتی حق ہے کہ وہ قرض کی اس کتابت اور دوسرے معاملات کے لئے پرونوٹ کی قیمت میں سے اپنی اجرت لے لے۔ اس تفسیر کی بنا پر پرونوٹ لکھنے والا مستفید کا مقروض ہوگا اور بینک کا مقروض نہ ہوگا بینک کا حق مستفید کے ذمے ہوگا اور مستفید نے اسے وقت پورا ہونے پر رقم وصول کرنے کا وکیل بنایا ہے۔ لہٰذا بینک کو یہ حق ہے کہ وہ مستفید سے یہ شرط کر لے کہ اسے بقدر فائدہ رقم بطور قرض بینک کو دینا ہوگی اور وہ رقم اپنے اختیار سے عطیہ کی شکل میں بدل جائے گی جیسا کہ سابق میں بیان کیا جا چکا ہے۔

پرونوٹ کی تجارت

اس مقام پر ایک فقہی رجحان یہ بھی ہے کہ پرونوٹ کے کیش کرانے کو تجارت کی شکل دے دی جائے اور وہ اس طرح کہ بینک کے پاس کاغذ کیش کرانے والے مستفید کے بارے میں یہ فرض کیا جائے کہ وہ کاغذ پر لکھے ہوئے سو روپیہ کے قرضہ کو ۹۵ روپیہ پر

نقد بیچنا چاہتا ہے اور بینک ۹۵ کے عوض میں اس پوری رقم کا مالک ہوجاتا ہے جو اصل کاغذ میں لکھی ہوئی ہے اور اس کے کیش ہونے میں تھوڑی مدت باقی رہ گئی ہے۔

اس رجحان کی بنا پر بہت سے علما نے اس عمل کے جواز کا فتویٰ دیا ہے کہ قرض کو اس سے کم نقد رقم پر فروخت کیا جا سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ قرض خالص سونا چاندی نہ ہو اور ناپ تول کے لائق نہ ہو اور یہاں بکنے والا قرض نہ سونا ہے نہ چاندی بلکہ چند نقدی کاغذات ہیں جنہیں کمتر قیمت پر فروخت کیا جا سکتا ہے۔

رہ گئی مستفید کی یہ مسئولیت کہ اگر صاحب تحریر نے وقت پر رقم ادا نہ کی تو کیش کرانے والا اس رقم کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا تو اس کی توجیہہ خرید وفروخت کے بعد بھی اس طرح ہوسکتی ہے کہ مستفید نے قرض کو بیچنے کے بعد بھی اس کے ادا کرنے کی ذمہ داری لے لی ہے یا بینک نے قرض خریدتے وقت ہی یہ شرط کر لی ہے کہ وقت پورا ہونے پر اس قرض کو ادا کرانا پڑے گا۔

پہلی بنیاد پر مستفید از خود اس امر کا مسئول ہوگا کہ اگر مقروض نے قرض نہ ادا کیا تو وہ ادا کر دے گا اور دوسری بنیاد پر مستفید بہر حال ادائے قرض کا ذمہ دار ہوگا چاہے بینک براہ راست اسی سے مطالبہ کرے اور مقروض کے ادائے قرض سے انکار کا موضوع نہ پیدا ہونے پائے یا نتیجہ امر میں اس تک نوبت پہنچ جائے۔

یہ اور بات ہے کہ مسئلہ کی اصل توجیہہ قرض کی خرید وفروخت کی بنیاد پر محل اشکال ہے۔ اس لئے کہ سونے چاندی کے نہ ہونے کی بنا پر سود سے نجات مل سکتی ہے لیکن اس مقام پر کچھ مخصوص روایات بھی ہیں جن میں ایسے معاملہ سے منع کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ایسی حالت میں خریدار کو صرف اتنی ہی مقدار میں قرض وصول کرنے کا حق ہے جتنی رقم اس نے ادا کی ہے۔ اس سے زیادہ کا حق نہیں ہے بلکہ وہ مقروض کے ذمے سے خود بخود ساقط ہو جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بینک کے اس عمل کو قرض کی خریداری سے تعبیر کیا جائے تو بینک کو مقروض سے اتنا ہی لینے کا حق ہوگا جتنا مستفید کے حوالہ کیا ہے اور باقی

مقروض کے حق میں ساقط ہوجائے گا۔مشتری کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا روایات میں ایک روایت ابوحمزہ کی حضرت امام محمد باقرؑ سے ہے جس میں آپ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں جتنی مقدار رقم سے قرض کو خریدا ہے وہ اسے مل جائے گی اور اس سے زیادہ کا حق نہ ہوگا۔

دوسری روایت محمد بن الفضیل کی حضرت امام علی رضاؑ سے ہے جس میں دریافت کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ذمے قرض کو خرید لے اور اس کے بعد اس کے پاس وصول کرنے کے لئے جائے تو کیا کرنا چاہئے۔سارا قرض دینا چاہئے یا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ جس مقدار میں رقم صاحب قرض کو دی ہے اتنی رقم اسے مل جائے گی اور باقی قرض سے مقروض کو نجات مل جائے گی۔

ان روایات سے استدلال کسی حد تک اشکال ضرور رکھتا ہے لیکن اس کے بعد بھی میں (مولف فقہی) اور نفسی اعتبار سے مخالف رائے کی حمایت نہیں کرسکتا۔میرے نفس اور میرے فقہی ذوق میں اس امر کی گنجائش نہیں ہے کہ میں ان روایات کے ہوتے ہوئے اس کے مخالف رائے کو اختیار کرلوں لہٰذا غیر سودی بینک کے لئے پرونوٹ وغیرہ کا خرید وفروخت کرانا ممکن نہیں ہے باقی رقم کو بہرحال ترک کرنا پڑے گا اور اس کے بعد معاملہ کا کوئی ماحصل نہ ہوگا۔

بینک کے اعمال کی تیسری قسم

نفع آوری

نفع آوری سے مراد بینک کا اپنے مخصوص سرمایہ کے ایک حصہ کو یا اپنے پاس جمع شدہ امانتوں کو مالیاتی کاغذات کے خریدنے پر لگا دینا ہے۔

یہ کاغذات عام طور سے اسناد کی شکل میں ہوتے ہیں۔ جن کی تجارت فائدہ کی امید اور اس توقع پر ہوتی ہے کہ اس طرح بینک میں نقد رقم کا امکان محفوظ رہے گا اور وہ جس وقت چاہے گا ان کاغذات کو نقد کی شکل میں تبدیل کر لے گا۔

فقہی اعتبار سے ان کاغذات کی تجارت میں بینک اور دوسرے افراد کی تجارت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فن کے اعتبار سے البتہ بینک اپنے قرض اور استفادہ میں مختلف طریقوں سے فرق کر سکتا ہے۔

مثلاً ایک فرق یہ ہے کہ قرض میں مال تھوڑی مدت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کاروبار میں اکثر بڑی طویل مدت تک مقید رہتا ہے اگر چہ کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔

نفع آوری اور قرض میں بینک کے طریقہ کار میں بھی اختلاف رہتا ہے۔ استفادہ میں بینک اپنے مال کو بازار میں لاتا ہے اور اسے طولانی مدت کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے اور قرض میں صاحب ضرورت بینک کے پاس آتا ہے خود بینک کوئی اقدام نہیں کرتا۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ قرض میں بینک کی حیثیت نمایاں رہتی ہے اور وہ اہم ترین فرد شمار ہوتا ہے اور استفادہ میں ایسی بات نہیں ہوتی۔ اس کی حیثیت ایک عام فرد کی ہوتی ہے لیکن ان فنی امتیازات کے باوجود فقہی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ فقہی اعتبار سے اسناد کے کاروبار کی دو تفسیریں ہوسکتی ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ اس معاملہ کو قرض کی بنیاد پر قرار دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ سند کو صادر کرنے والی جہت اس کی ایک برائے نام قیمت مقرر کرتی ہے۔ مثلاً ایک ہزار اور اس سند کو ایک سال کی مدت کے لئے ۹۵۰ پر فروخت کر دیتی ہے گویا خریدار کو ۹۵۰ روپیہ قرض دیا جاتا ہے اور سال تمام ہونے پر اسے وصول کر لیا جاتا ہے۔ ۵۰ روپیہ مزید اس مدت کا سود ہوتا ہے جس مدت تک ۹۵۰ روپیہ دوسرے کی تحویل میں رہا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کو مدت کی قید کے ساتھ خرید و فروخت قرار دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ سند کو صادر کرنے والی جہت ایک ہزار روپیہ کو مدت کی قید کے ساتھ ۹۵۰ روپیہ نقد پر بیچ دیتی ہے اور ایسی کمی اور زیادتی میں کوئی ہرج نہیں ہے اس لئے کہ جنس ناپ تول والی جنس نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس عمل کی خرید و فروخت کی بنا پر تفسیر ایک لفظی فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اس فریب سے حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔

واقعہ یہی ہے کہ یہ ایک قرض ہے جسے مختلف شکلوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ قرض کی روح یہی ہے کہ انسان دوسرے شخص سے مال کی ملکیت حاصل کر لے اور نتیجہ میں اتنی ہی مقدار میں ادا کرنے کا ذمہ دار ہو اور یہی وہ بات ہے جو اس معاملہ میں صریحی طور پر پائی جاتی ہے۔ ۹۵۰ روپیہ لینے والا ۹۵۰ کا ذمہ دار ہوتا ہے اور بطور فائدہ اسے ۵۰ روپیہ مزید دینا پڑتا ہے جو صریحی سود ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے حرام ہے بنا بریں اس کاروبار کا مطلب بینک کی طرف سے ایک قرض ہے جو فقہی اعتبار سے بینک کے دوسرے قرضوں سے کوئی امتیاز و اختلاف نہیں رکھتا اور بینک مقررہ قیمت اور ادا کی ہوئی قیمت کے درمیان جو فرق بطور فائدہ دینا چاہتا ہے وہ سود ہے جو اسی طرح حرام ہے جس طرح قرضوں پر حاصل

کیا جانے والا فائدہ سود اور حرام ہوتا ہے۔

غیر سودی بینک اس قسم کے اسناد کا کاروبار کرنے سے قطعی معذور ہے وہ یہ کاروبار انہیں اسناد میں کرسکتا ہے جنہیں حکومت یا ایسی ہی کوئی جہت صادر کرتی ہے جس سے اس بینک کے لئے سود لینا جائز ہے جیسا کہ بینک کے بنیادی خطوط میں چوتھے نکتہ کے ذیل میں اشارہ کیا جاچکا ہے۔

غیر سودی بینک اپنے اموال سے حکومت وغیرہ کے اسناد خرید سکتا ہے اور ان پر فائدہ بھی لے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اسناد و اوراق کی تجارت اس کے لئے حرام اور ناممکن ہے۔

والحمدللہ رب العالمین

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

ضمیمے
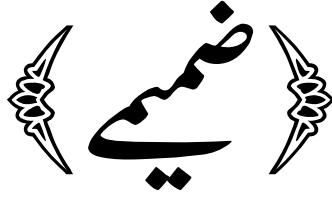
باسمہ سبحانہ

اس ضمیمہ میں فقہی اعتبار سے ان توجیہات پر تفصیلی بحث کی
گئی ہے جن میں سودی فائدہ کسب حلال کی طرف منتقل
کرنے اور اسے مشروع شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی
گئی ہے اور پھران پر اشکالات کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔

قرض کے سودی فائدے کو ختم کرنے کے لئے غیر سودی بینک کی عمومی سیاست سے ذیل میں ہم نے دوطریقہ کار اختیار کیا تھا جو صرف شکلی اعتبار سے نہیں بلکہ حقیقت اور روح کے اعتبار سے سودی فکر سے جداگانہ حیثیت رکھتا تھا۔ اس نظریہ سے قطع نظر ایسی بے شمار توجیہیں ہوسکتی ہیں جن کے ذریعہ سود کی شکل بدل دی جاتی ہے لیکن حقیقت سود ہی تک منتہی ہوتی ہے۔ بحث کے جملہ شعبوں کی تکمیل کے لئے اس قسم کی چند توجیہات کا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ ان پر اپنے خیالات واشکالات کا اظہار کر کے ان کی حقیقت کو واشگاف کیا جاسکے۔

توجیہہ اول

بینک کے لئے قرضوں پر فائدہ کا جواز یہ ہے کہ قرض میں دوعناصر پائے جاتے ہیں۔

ایک مال جو بطور قرض دیا جاتا ہے۔

اور ایک قرض دینے کا عمل جو مصدری معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اردو زبان میں لفظ ''کھانا'' کہ یہ اس شئے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جسے کھایا جاتا ہے اور اس مصدری معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کا مفہوم حلق سے لقمہ نیچے اتار دینا ہے۔ شریعت

میں سود کے معنی ہیں قرض پر دیئے ہوئے مال کے مقابلہ میں اضافہ کا مطالبہ۔

لہٰذا اگر اس اضافہ کو مال کے بجائے مصدری معنی کے مقابلہ میں رکھ دیا جائے اور اسے ایک قسم کا جعالہ قرار دیا جائے تو کوئی شرعی اشکال نہ رہ جائے گا۔

جعالہ کا مطلب یہ ہے کہ قرض لینے والا اس قرارداد کا اعلان کرتا ہے کہ جو شخص بھی مجھے ایک دینار قرض دے گا میں اس کے عمل پر ایک درہم بطور اجرت دوں گا اس اعلان کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر شخص قرض دینے کے لئے تیار ہوجائے گا اور کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا اور کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ درہم دینار کے مقابلہ میں اضافہ نہیں ہے بلکہ عمل قرض کی اجرت ہے اور اس کی شرعی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی بنا پر یہ جعالہ باطل ہوجائے تو اس درہم کا استحقاق ختم ہوجائے گا اور قرض اپنی اصلی حالت پر باقی رہے گا۔

اس کی مثال اس شخص کی ہے جو گھر خریدنے کے لئے جعالہ قرار دے اور یہ اعلان کر دے کہ جو شخص بھی اپنا گھر میرے ہاتھ بیچے گا اسے قیمت کے علاوہ ایک درہم مزید دوں گا۔ ظاہر ہے کہ یہ درہم جعالہ کا نتیجہ ہوگا نہ کہ خرید و فروخت کا اور یہی وجہ ہے کہ اس پر جنس و قیمت کے احکام نافذ نہ ہوں گے۔ اس توجیہہ کے بارے میں دو جہتوں سے گفتگو ہوسکتی ہے ایک مسئلہ کی بنیاد اور دوسرے مسئلہ کا قانون۔

بنیادی اعتبار سے محل کلام یہ ہے کہ اس تقریب میں زیادتی کو مال قرض کے بجائے عمل قرض کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے حالانکہ عقلائے عالم کا ارتکاز یہی ہے کہ یہ زیادتی مال کے مقابلہ میں ہے اور عمل قرض کا نام صرف تبدیلی لفظ اور پردہ پوشی کی بنا پر استعمال ہوا ہے۔ اس کے لئے جعالہ کا ذکر کرنا بالکل بے کار ہے۔ جعالہ عمل پر ہوتا ہے مال پر نہیں اور محل بحث میں عقلا کے رجحان کی بنا پر مال ہی مال ہے عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

قانونی گفتگو یہ ہے کہ اگر عقلا کا یہ اتفاق و رجحان نہ بھی مانا جائے اور واقعاً درہم کو عمل قرض کے مقابلے میں رکھ دیا جائے تو کیا اس مقام پر جعالہ صحیح ہوسکتا ہے اور کیا یہ واقعاً جعالہ ہے؟ مسئلہ کی تحقیق کے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ شریعت اسلام میں کسی مال کے

ضامن ہونے کے دو اسباب ہوا کرتے ہیں معاملت اور اتلاف ونقصان۔

معاملت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی سودا کرے تو اس کا فرض ہے کہ وہ جنس خریدار کے حوالے کر دے اور نقصان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے سبب سے کسی کا نقصان ہو جائے تو نقصان کرنے والا اس کی تلافی کا ضامن ہوگا۔ پہلی قسم کا نام ضمان معاملہ ہے اور دوسری قسم کا نام ضمان تلافی۔

خیاط کو آرڈر دے کر کپڑا سلوانے والا اس کی اجرت کا ضامن ہوتا ہے لیکن کسی معاملہ کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اس بنا پر کہ اس نے اس کے کہنے سے عمل انجام دیا ہے اور اپنا وقت و عمل صرف کیا ہے اب اس کا فرض ہے کہ اس کی قیمت ادا کرے اور ایسے کاموں کی اجرت عمومی اجرت کے برابر ضرور دے بلکہ اس مقام پر یہ بھی ممکن ہے کہ عمومی اجرت کو ایک مقررہ اجرت سے بدل دے اور یہ کہہ دے کہ جو میرا کپڑا سیئے گا اسے ایک روپیہ دیا جائے گا۔ بات ایک ہی رہے گی۔ ضمان، ضمان تلافی ہی رہے گا ضمان معاملہ نہ ہوگا لیکن اس کا نام جعالہ ہو جائے گا مطلب یہ ہے کہ جعالہ دو اجزا سے مرکب ہوتا ہے ایک عمل کا حکم خاص یا حکم عام اور دوسرے اجرت کی تعیین اور اس کی مقدار مقرر ورنہ عمومی اجرت سے زیادہ کوئی استحقاق نہ ہوگا۔

جعالہ کی اس تشریح سے واضح ہو جاتا ہے کہ جعالہ اسی مقام پر ممکن ہے جہاں عمل کی کوئی مالیت ہو اور اس کے لئے ایک عمومی اجرت مقرر ہو تاکہ جعالہ کے ذریعے اس کی خاص مقدار معین کی جا سکے ورنہ اگر اصل عمل کی کوئی اجرت نہیں ہے تو جعالہ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے جعالہ اصل ضمان کے ثابت ہونے کے بعد ہوتا ہے جعالہ سے کوئی ضمانت ثابت نہیں کی جا سکتی ایسے حالات میں اگر پہلے نکتہ سے قطع نظر بھی کر لیا جائے اور عمل قرض کی کوئی حیثیت بھی تسلیم کر لی جائے تو اس عمل پر جعالہ ممکن نہیں ہے جعالہ قابل ضمانت مالیت چاہتا ہے اور مال قرض سے ہٹ کر عمل قرض کی ایسی کوئی مالیت نہیں ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ محل کلام میں صرف ایک مالیت ہے اور بس اور وہ مالیت مال قرض کی ہے عمل

قرض کی طرف اس مالیت کو مجازاً منسوب کیا جاتا ہے اس کے لئے مزید کسی ضمانت کا کوئی سوال نہیں ہے۔

قرض پر فائدہ کے جواز کی دوسری توجیہہ یہ ہے کہ فائدہ کی حرمت کا راز صرف یہ ہے کہ یہ قرض کو سودی بنا دیتا ہے اور سودی قرض اسلام میں حرام ہے اب اگر فقیہہ کے لئے یہ ممکن ہو جائے کہ وہ فائدہ کے مسئلے کو قرض سے نکال لے جائے تو فائدہ میں کوئی اشکال نہ رہ جائے گا فائدہ کو قرض سے نکالنے کے لئے دو قسم کے حالات پر غور کرنا ہوگا۔

ایک قسم یہ ہے کہ زید خالد کے دس روپیہ کا مقروض ہے اور اس سے ادائے قرض کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اب وہ بینک سے دس روپیہ قرض لیتا ہے اور اپنا قرض ادا کر دیتا ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں زید بینک سے رقم نکالنے کے بجائے خود اسی سے یہ کہتا ہے کہ میرا دس روپیہ کا قرضہ خالد کو ادا کر دیا جائے۔

دونوں صورتیں نتیجہ میں ایک ہیں لیکن فقہی اعتبار سے ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

پہلی صورت میں زید براہ راست بینک کا دس روپے کا مقروض ہو جائے گا اور دوسری صورت میں زید نے براہ راست کوئی رقم نہیں لی بلکہ بینک کے قرض ادا کرنے کی بنا پر اس کا مقروض ہو گیا ہے اور یہ ذمہ داری صرف اس لئے آئی ہے کہ بینک نے خالد کو قرض ادا کر کے زید کے حکم کی بنا پر اپنا دس روپیہ تلف کر دیا ہے اور زید کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ رقم ادا کرے۔

یہاں قرض کا کوئی گزر نہیں ہے کہ زید نے کوئی رقم نہیں لی صرف بینک کو مال تلف کرنے کا حکم دیا ہے اور اتلاف مال ضمانت لاتا ہے مقروض نہیں بناتا اور جب قرض کا کوئی سوال نہیں ہے تو سود بھی نہیں ہے۔

واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ سود قرض بیع اور صلح جیسے معاملات میں ہوا کرتا ہے اور یہاں کوئی معاملہ نہیں ہے صرف اتلاف کی ضمانت ہے جس کے بعد نہ کوئی سود ہے نہ حرمت لیکن اس کی توجیہہ میں دو قسم کے اشکالات کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اشکال

پہلا اشکال یہ ہے کہ جس دلیل نے قرض خواہ کے قرضدار کو قرض سے زیادہ رقم دینے پر مجبور کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اسی دلیل نے عرفی رجحانات کی بنا پر یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ بغیر معاملہ قرض کے حاصل ہونے والے قرض پر بھی اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ صرف لفظ کے بدل جانے سے شریعت کے مزاج میں فرق نہیں آ سکتا دونوں صورتوں کے احکام مختلف بنا دینے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ملکیت کا سوال آ جائے وہاں سود حرام ہے اور جہاں ملکیت کا لفظ نہ آنے پائے وہاں فائدہ حلال ہے حالانکہ ایسی کوئی بات شریعت اسلام میں نہیں ہے شریعت نے ملکیت کو کوئی ایسا جرم نہیں قرار دیا ہے جس کے بعد فائدہ حرام ہو جائے اور باقی حالات میں جائز رہے۔

دوسرا اشکال

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگر غیر قرض کی صورت میں زیادتی کے مطالبہ کو جائز بھی قرار دے دیا جائے تو کوئی ایسا سبب تلاش کرنا پڑے گا جس سے اس زیادتی کی ادائیگی ضروری اور لازمی قرار پا جائے ورنہ کسی عقد لازم کے بغیر صرف شرط کو لینے سے شرط پر عمل کرنا واجب نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں نے عقد لازم کے بجائے جعالہ کے ذریعہ اس زیادتی کو لازم قرار دینا چاہا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ اگر زید بینک والوں سے یہ کہہ دے کہ اگر آپ نے میرے دس روپے کے قرض کو ادا کر دیا تو میں ایک روپیہ اور دوں گا اور بینک اس رقم کو ادا کر دے تو قانون تلافی کی بنا پر گیارہ روپیہ کا حقدار ہو جائے گا دس روپیہ جو قرض میں دیئے ہیں اور ایک روپیہ وہ جو جعالہ کی بنا پر ثابت ہوا ہے۔

اس جعالہ میں سابق جعالہ سے ایک فرق ہے کہ سابق جعالہ کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں جعالہ قرض دینے پر مقرر کیا گیا تھا اور یہ عرفی طور پر کوئی مالیت والا نہیں تھا جس پر تلافی کی ضمانت ثابت ہوئی اور یہاں ملکیت یا قرض دینے کا جعالہ نہیں ہے بلکہ قرض ادا کرنے کا جعالہ ہے جو ایک محترم عمل ہے اور اس کی سماج و عوام میں بڑی قیمت ہے لیکن اس کے باوجود یہ دلیل مکمل نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ادا کر دینا مالیت رکھنے کے باوجود ایسا عمل نہیں ہے جس پر الگ سے جعالہ مقرر کیا جا سکے۔ قرض ادا کرنے کی ساری اہمیت قرض کی بنا پر ہے۔ رقم سے ہٹ کر صرف عمل ادائیگی کی کوئی قیمت نہیں ہے اور جب عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے تو اس پر جعالہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جعالہ کے لئے عمل کا صاحب مالیت ہونا ضروری ہے کہ جعالہ ضمانت کی تجدید کرتا ہے۔ ضمانت کی ایجاد نہیں کرتا البتہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ادائیگی کی بھی کوئی قیمت ہے تو جعالہ میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی مال کے عطا کرنے کے علاوہ کوئی مزید زحمت رکھتی ہو جیسے ادا کرنے والا بینک دوسرے شہر میں ہو اور لینے والا خالد دوسرے شہر میں ہو۔ ظاہر ہے کہ یہاں بینک کو صرف رقم نہیں دے دینا ہے بلکہ دوسرے شہر میں پہنچانا بھی ہے اور یہ ایک مزید زحمت ہے جس کی اجرت لی جا سکتی ہے اور اس کے لئے جعالہ صحیح بھی ہے۔

﴿۳﴾

تیسری توجیہہ کا تعلق صرف ان قرضوں سے ہے جو بیرون ملک ادا کئے جاتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہاں اضافہ کا لینا جائز ہے۔ مثال یہ ہے کہ ایک شخص بغداد کے بینک کے پاس آیا اور اس نے یہ خواہش کی کہ پاکستان یا ہندوستان میں میرے وکیل کو مقررہ مقدار میں رقم دے دی جائے اور اس بینک نے اپنے وسائل کے ذریعہ پاکستان یا ہندوستان میں وہ قرض دلوا دیا۔

ظاہر ہے کہ پاکستان یا ہندوستان میں قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ ادائیگی

پاکستان یا ہندوستان میں ہونی چاہئےلیکن یہ کام عراقی انسان کے بس سے باہر ہے وہ اس قرض کوعراق ہی میں ادا کرنا چاہتا ہے لہٰذا بینک کوحق حاصل ہے کہ وہ دوسرے مقام پر قرضہ قبول کرنے کے لئے مزید رقم کا مطالبہ کرے جس کے صلے میں پاکستان یا ہندوستان میں ادائیگی کا حق ساقط ہوجائے گا یا واضح لفظوں میں پاکستان یا ہندوستان میں قرض لینے والے کے سامنے دوراستے ہیں۔

یا قرض پاکستان یا ہندوستان ہی میں ادا کرے اور اسی مقدار میں دے جس مقدار میں لیا ہے۔

یا عراق میں ادا کرے اور مقدار بڑھادے۔

ظاہر ہے کہ قرضدار عراق میں ادا کرے گا پاکستان میں ادانہیں کرے گا اس لئے اس کا فرض ہے کہ پاکستان کا حق ساقط کرنے کے لئے بینک کومزید رقم دے جو مال قرض کے مقابلہ میں نہ ہو کہ سود ہوجائے بلکہ اسقاط حق کے صلے میں ہو جس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اس توجیہہ کو بینک کمیشن کے جواز میں پیش کیا جاچکا ہےلیکن اس میں نقص یہ ہے کہ اس سے سود کا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا اور اس کا راز یہ ہے کہ ایسے حالات میں بینک پاکستان یا ہندوستان ہی میں اصلی رقم کی ادائیگی پر راضی ہوگا یا نہیں۔ اگر راضی نہ ہو اور عراق میں فائدہ ہی کا مطالبہ کرے تو یہ کھلا ہوا سود ہے اور اگر راضی ہوجائے تو مقروض کو کیا ضرورت ہے کہ وہ بینک کو فائدہ دے کر اپنا قرض ادا کرے۔

اس کی آسان شکل یہی ہے کہ کسی دوسرے بینک کو صرف کمیشن دے کر رقم پاکستانی یا ہندوستانی بینک میں منتقل کرادے اور وہاں حقدار کے حوالہ کردے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ کمیشن کی یہ رقم سود کے برابر نہیں ہوسکتی۔

﴿۴﴾

بعض فقہی حلقوں میں یہ بات مشہور ہے کہ سود سے بچنے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ سود کو بیع کی شکل دے دی جائے اور یہ کہا جائے کہ زید نے آٹھ روپیہ قرض دے کر دس روپیہ نہیں لیا کہ سود اور حرام ہو جائے۔ بلکہ زید نے روز اول ہی کو آٹھ روپیہ کو دس روپیہ کے عوض بیچ دیا ہے اور قیمت کی ادائیگی میں دو ماہ کی مدت رکھ دی ہے۔ اب خریدار کو اعتراض کرنے کا بھی حق نہیں ہے اور بیچنے والے کو دو روپیہ کا بھی فائدہ ہو جائے گا۔ اس خرید و فروخت کو اس لئے حرام نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں ناپ تول کا کوئی سوال نہیں ہے صرف ایک کاغذ ہے جو بک رہا ہے اور کاغذ کی خرید و فروخت میں قیمت کی کوئی تعین نہیں کی جاسکتی۔

بعض لوگوں نے اس توجیہہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے بھی سود کا پورا فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا کہ آٹھ روپیہ لے کر دس روپیہ دینے والا اور دو ماہ کی مہلت قرار دینے والا اگر اس رقم کو بر بنائے قرض لیتا ہے تو یہ کھلا ہوا سود ہے اور بینک دو ماہ کے بعد مزید تاخیر کی بنا پر مزید اضافہ لینے کا حق رکھتا ہے اور اگر بر بنائے خرید و فروخت لیتا ہے تو دو ماہ سے زیادہ تاخیر میں مزید مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے اور اس طرح بیچنے والا مزید مدت کے فائدے سے محروم ہو جائے گا جو قرض میں نہ ہوتا۔ لیکن اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس کا حل روز اول ہی نکالا جاسکتا ہے اور وہ اس طرح کہ آٹھ روپیہ کو دس روپیہ میں فروخت کرنے والا روزِ اول ہی خریدار سے شرط کر لے کہ اگر قیمت کی ادائیگی میں دو ماہ سے زیادہ تاخیر ہوئی تو ہر ماہ کے عوض ایک روپیہ دینا ہوگا اس طرح یہ سود بھی نہ ہوگا اور سود کے برابر رقم بھی ملتی رہے گی اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ شرط بیع کے ذیل میں ہوگی اس لئے اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔

یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ قرض کے ذیل میں زیادتی کی شرط کرنا سود اور حرام ہے (جس طرح کہ تجارت کے موقع پر مدت کے عوض میں اضافہ کی شرط کرنا ایک فعل حرام ہے اگرچہ بیع کے ذیل میں واقع ہوا) لیکن اس مقام پر ایسا نہیں ہے یہاں نہ

کوئی قرض ہے کہ سود کا سوال پیدا ہو جائے اور نہ مدت کے مقابلہ میں کوئی رقم طلب کی گئی ہے کہ اسے بھی سود کا عنوان دے دیا جائے بلکہ روز اول سے ایک شرط کی گئی ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ توجیہہ بھی ناتمام ہے اور دس روپیہ کے عوض آٹھ روپے کا بیچنا عرفی رجحان کی بنا پر ایک قرض ہے جسے بیع وشرا کا لباس پہنا دیا گیا ہے جیسا کہ استاذ علامہ آیت اللہ السید ابوالقاسم الخوئی دام ظلہ نے فرمایا ہے لیکن اس کی وہ توجیہہ نہیں ہے جو انہوں نے فرمائی ہے کہ ایسے معاملات کو خرید و فروخت کہا ہی نہیں جاسکتا۔ خرید و فروخت میں جنس اور قیمت کے الگ الگ ہونے کی شرط ہے اور یہاں ایسا کچھ نہیں ہے وہی روپیہ جنس ہے اور وہی روپیہ قیمت۔ جنس و قیمت نقد ہوتے تو یہ کہنے کا امکان تھا کہ یہ اور ہے وہ اور لیکن قیمت خریدار کے ذمہ ہے اور جو کچھ اس کے ذمے میں ہے اس رقم کا انطباق موجودہ رقم پر بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے یہ قرض ہے بیع وشرا نہیں ہے۔

استاذ محترم کے بیان میں اشکال یہ ہے کہ بیع وشرا میں جنس و قیمت کی مغائرت کے لئے مکمل مغائرت ضروری نہیں ہے صرف ایک کا نقد اور ایک کا ذمہ میں ہونا بھی کافی ہے مافی الذمہ کا جنس عناصر پر منطبق ہو جانا کوئی عیب نہیں ہے ورنہ ایک گھوڑے کا دو دو دھار گھوڑوں کے عوض بیچنا بھی حرام ہو جاتا کہ گھوڑا موجود گھوڑے پر بھی منطبق ہو جاتا ہے جب کہ متعدد روایات میں اس تجارت کو جائز قرار دیا گیا ہے اور اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جنس و قیمت کی ادنیٰ مغائرت بھی کافی ہے مکمل مغائرت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ توجیہہ کے ناتمام ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس معاملہ کو بیع کہا ہی نہیں جاسکتا۔ یہ سیدھے سیدھے ایک قرض ہے جسے بیع کی شکل دے دی گئی ہے۔ اس کا زندہ ثبوت عرف عام کا یہ رجحان ہے کہ ایسے معاملات میں فریقین کا مقصد قرض ہوا کرتا ہے۔ بیع کا استعمال صرف لفظوں میں ہوتا ہے اور اصل سے بالاتر عرف کا یہ قانون ہے کہ شریعت نے جس قرض کو حرام قرار دیا ہے اس کا اطلاق ایسی تجارت پر بھی ہوتا ہے۔

واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ یہ معاملہ ابتدائی طور پر بھی قرض ہے اور قانونی

طور پر بھی قرض ہے اور قانونی طور پر بھی قرض کے احکام کی ایک فرد ہے اس پر بیع کے قوانین نافذ نہیں ہو سکتے۔ ہماری اس دلیل کے پہلے جز پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ فریقین کے مقصد سے مراد فروخت کرنے والے اور خریدار کا ذاتی مقصد ہے تو اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ ذاتی مقاصد اصل معاملہ سے الگ ہوا کرتے ہیں۔ ان سے معاملہ کی نوعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

فریقین کے مقصد سے مراد وہ مفہوم ہے جو انہوں نے معاملہ میں انشاء کیا ہے تو انشاء کا مسئلہ نہایت ہی آسان ہے۔ انسان کسی بھی مفہوم کو عالم اعتبار میں ایجاد اور فرض کر سکتا ہے۔ فرض کرنے میں کوئی زحمت نہیں ہوتی۔ فرض تجارت بھی کی جا سکتی ہے اور قرض بھی۔ یہ انسان کے اختیار کی بات ہے کہ وہ اپنے مصالح کو دیکھتے ہوئے کیا فرض کرے اور کیا نہ کرے اور یہ کہنا کہ اس مقام پر دونوں فرض ایک ہی جیسے ہیں غلط ہے اس لئے کہ معاوضہ کی ملکیت اور ہوتی ہے اور ضمانت کی ملکیت اور پہلے کا نام تجارت ہے اور دوسرے کا نام قرض اور اسی لئے قرض میں قبضہ کرنا ضروری ہے بیع وشراء میں ضروری نہیں ہے یہ اعتراض بڑی حد تک معقول بھی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ ان مسائل میں پڑنے کے بجائے قانونی طور پر عرف کو حاکم بنایا جائے اور یہ کہا جائے کہ عرف اپنے عمومی رجحانات کی بنا پر ایسے معاملات کو قرض کے دلائل کی ایک فرد سمجھتی ہے اور قرض خارجی مال کو مافی الذمہ سے تبدیل کرنے کا نام ہے۔ اس کا استعمال عموماً مثلی [1] چیزوں میں ہوتا ہے قیمتی اشیاء میں اس لفظ کا استعمال مجازاً ہوتا ہے اب جہاں جہاں یہ عنوان پیدا ہو جائے گا اسے قرض ہی کہا جائے گا چاہے طرفین اسے بیع وشرا ہی کیوں نہ قرار دیں۔

---

[1] مثلی ان اشیا کا نام ہے جن کے اجزا کی قیمت یکساں ہوتی ہے جیسے ایک من گیہوں میں ہر ایک کلوگرام یا ہر ایک دانہ گندم اور قیمتی وہ اشیاء ہیں جن کے اجزا میں فرق ہوتا ہے جیسے جانور کہ اس کے ہر عضو کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے۔ (جوادی)۔

﴿۵﴾

ایک توجیہہ یہ بھی ہے کہ قرض کو بیع سے تبدیل کیا جائے لیکن اس طرح نہیں کہ آٹھ دینار کو دس دینار کے عوض فروخت کیا جائے تاکہ اس پر اعتراض کی گنجائش نکل آئے کہ درحقیقت یہ قرض ہے جسے بیع کا عنوان دے دیا گیا ہے بلکہ اس اعتبار سے کہ آٹھ دینار کو دوسرے ایسے سکے کے عوض فروخت کیا جائے جس کی قیمت دس دینار ہو اور اس کے بعد ادائیگی کے موقع پر اسے دوسری جنس میں ادائیگی کے عنوان سے دینار کی شکل میں وصول کر لیا جائے۔ مثال کے طور پر آٹھ دینار کو ایران کے دوسو تومان کے عوض بیچا جائے اور ادائیگی کے موقع پر اس کے مساوی دس دینار وصول کر لیا جائے کہ اس بیع میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس لئے کہ نوٹ کی خرید و فروخت پر سکے کے معاملات کا حکم نافذ نہیں ہوتا کہ اس میں مجلس عقد میں قبضہ کی شرط ہو اس میں بطور ذمہ فروخت کرنے کا بھی جواز ہوتا ہے اور اس طرح آٹھ دینار کے عوض دس دینار بھی مل جائے گا اور عرفی اعتبار سے قرض کو بیع سے بدلنے کا الزام بھی نہیں آئے گا۔

لیکن یہ توجیہہ بھی اسی وقت مکمل ہوگی جب ہم یہاں بھی قرضیت کا دعویٰ نہ کریں ورنہ اگر عرفی رجحانات کی بنا پر اسے بھی قرض قرار دے دیا گیا تو اس قدر طول مسافت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ عرفی رجحان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کسی شئے کو اس کے ہم جنس سے بطور مافی الذمہ تبدیل کرنے کو قرض ہی سمجھتا ہے اور سکوں کے معاملہ میں اس کی نظر خصوصیات پر نہیں ہوتی بلکہ مالیت پر ہوتی ہے۔ وہ کاغذ کی سیاہی وسفیدی یا عراقیت وایرانیت کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ مالیت کے اعتبار سے آٹھ دینار کے دوسو تومان سے تبادلہ کو اس مالیت کا اس مالیت سے تبادلہ قرار دیتا ہے اور نتیجہ میں ایسے تمام معاملات کو قرض ہی سمجھتا چاہے اس کا عنوان کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

واضح لفظوں میں عرفی رجحانات کی بنا پر ایک طرف ہم جنس سے تبادلہ قرض ہے

اور دوسری طرف سکوں کے خصوصیات کو نظر انداز کرنے کے بعد ''ہم مالیت'' سکے ہم جنس ہی شمار کئے جاتے ہیں۔

بنابریں اس توجیہ کی صحت کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ البتہ اگر عرفی رجحانات کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ سوچا جائے کہ فریقین حقیقتاً آٹھ دینار کو دوسو تومان سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی نظر میں تومان کی واقعی کوئی اہمیت ہے اور صرف مالیت مقصود نہیں ہے تو معاملہ کی صحت کے بے حد امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

﴿۶﴾

اس معاملہ کی صحت کا ایک امکان یہ بھی ہے کہ بینک اپنے کو صاحبان امانت کا وکیل فرض کر لے اور قرض دیتے وقت ان کی طرف سے وکالتہً قرض دے اور انہیں کو قرض خواہ قرار دے دے۔ اس کے بعد قرض لینے والے سے اصل معاملہ کے درمیان یہ شرط کر لے کہ ادائیگی کے وقت مع اضافہ کے ادا کرنا ہوگا لیکن یہ اضافہ صاحبان اموال کا نہ ہوگا کہ سود لازم آئے بلکہ اس کا حقدار خود بینک ہوگا جس نے کوئی قرض نہیں دیا ہے بلکہ صرف وکالت کی ہے اور یہ سود نہیں ہے۔ سود صاحب مال کا اضافہ کی شرط کرنا ہے کسی دوسرے کا اضافہ حاصل کر لینا سود نہیں ہے۔ اس کی مثال وہی ہے کہ زید خالد کو ایک دینار قرض دے اور اس پر ایک درہم صدقہ کرنے کی شرط کر دے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط سود نہیں ہے اس کا کوئی تعلق قرض دینے والے سے نہیں ہے لیکن اس کی توجیہہ میں ایک خدشہ یہ ہے کہ قرض کے بعض روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ قرض دینے والے کو مال قرض کے علاوہ کسی شئے کے شرط کرنے کا بھی حق نہیں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اضافہ کی شرط کسی طرح جائز نہیں ہے چاہے اس کا تعلق خود صاحب مال سے ہو یا کسی اور شخص سے۔

﴿ ۷ ﴾

اس توجیہہ میں قرضداروں سے انشورنس کی اجرت لینے کے جواز پر بحث کی گئی ہے اور عام فائدوں پر نظر نہیں ہے۔ تفصیل ہے کہ ہر قرض دینے والا بینک اس حقیقت سے باخبر ہے کہ ان بے شمار قرضوں کے درمیان بہت سے قرضے ایسے ہوتے ہیں جن کی ادائیگی نہیں ہوتی اور اس طرح بینک کا نقصان ہو جاتا ہے۔ اسے یہ حق ہے کہ وہ ہر قرض لینے والے سے ایک مخصوص مقدار میں رقم الگ سے وصول کر لے تاکہ ان کے ذریعہ سے مردہ قرضوں کی تلافی کر سکے اور اس کا ذاتی نقصان نہ ہو۔ یہ طریقہ کار کھلا ہوا سود ہے اور اسی لئے ہم نے غیر سودی بینک کے فارمولے میں یہ اشارہ کیا تھا کہ بینک کو بیمہ کمپنی کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور بطور تدارک خود کوئی رقم نہیں لینا چاہئے۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ بیمہ کمپنی جو اجرت کا مطالبہ کرے گی اور اس اجرت کو قرض لینے والے کے ذمہ ڈالا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی بینک خود قرضوں پر بیمہ کراتا ہے اور قرض لینے والے سے یہ شرط کرتا ہے کہ وہ بیمہ کی اجرت کے برابر رقم داخل کرے تاکہ بینک پر کوئی بار نہ پڑنے پائے اور کبھی بینک اپنی مصلحت کے لئے قرضدار سے بیمہ کرانے کی شرط کرتا ہے اور یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جو بیمہ کمپنی سے ضمانت دلوا دے گا اسی کو قرض دیا جائے گا چاہے اس راہ میں کتنا ہی پیسہ کیوں نہ خرچ ہو۔

پہلی شکل میں بینک نے مزید رقم کی شرط کی ہے اور یہ سود ہے جسے جائز نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن دوسری شکل میں صرف ضمانت کی شرط کی ہے رقم کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور یہ شرط اپنی حفاظت کے لئے ہر قرض دینے والا کر سکتا ہے۔

سوال صرف یہ ہے کہ کیا ایسی شرط بھی قرض کو سودی بنا دیتی ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے خود بیمہ کی حیثیت پر نظر کی جائے گی اور یہ دیکھا جائے گا کہ بیمہ کوئی معاملہ ہے جس میں بیمہ کمپنی سے یہ معاملت کی جاتی ہے کہ وہ قرضدار کے قرض کو ادا کر دے؟ یا یہ

ایک قسم کا ہبہ ہے جس میں قرضدار اجرت کی رقم ہبہ کر کے یہ شرط کرتا ہے کہ بعض مخصوص حالات میں اس قدر رقم بینک کو دے دی جائے اور جس طرح میں نے اپنا مال بطور اجرت کمپنی کو ہبہ کیا ہے اسی طرح کمپنی اپنا مال مخصوص حالات میں بینک کو ہبہ کر دے۔

اب اگر بیمہ کوئی معاملہ ہے اور بینک قرضدار سے یہ شرط کرتا ہے کہ جب تک بیمہ کمپنی سے ضمانت کا معاملہ نہ ہوگا قرض نہ دیا جائے گا تو یہ جائز امر ہے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی اور نہ اسے سود کہا جاسکتا ہے یہ ہر قرض دینے والے کا حق ہے کہ وہ مکمل اطمینان کے بغیر اپنی رقم کسی کے حوالے نہ کر دے۔ دوسرے کا پیسہ خرچ ہو جانے کی ذمہ داری قرض دینے والے پر نہیں ہے اور نہ وہ کسی اضافہ کی شرط کرتا ہے۔

لیکن اگر بیمہ ہبہ مشروط ہے اور بیمہ کرانے والا قرضدار اجرت ہبہ کر کے مخصوص حالات میں بینک کو رقم دینے کی شرط کرتا ہے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ بینک طرف سے بیمہ کی شرط کا کیا ماحصل ہے۔ اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ قرضدار بینک کو اجرت دے کر یہ شرط کرے کہ کمپنی قرض نہ ادا ہونے کی صورت میں ابتداً اتنی رقم بینک کے حوالے کر دے اور قرض اپنی جگہ باقی رہے تو یہ کھلا ہوا سود ہے اور کمپنی کی رقم اضافہ ہے۔ ادائے قرض نہیں ہے۔

اور اگر بیمہ کا مطلب یہ ہے کہ کمپنی مخصوص حالات میں بینک کے بجائے خود قرضدار کو رقم ہبہ کر دے اور وہ قرض کے طور پر ادا کرے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور نہ اسے سود کہا جاسکتا ہے۔ اس کا فائدہ صرف یہ ہے کہ بینک عدم ادائیگی کی صورت میں براہ راست بیمہ کی رقم کمپنی سے لے لے گا اور بطور مقاصہ حساب کر کے اپنا قرض بے باق کر لے گا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

﴿ضمیمہ ۲﴾

گزشتہ مباحث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صاحب مال کے
لئے منافع میں شرکت کے علاوہ عامل کو مال کا ضامن بنانے
کا حق نہیں ہے۔ اس ضمیمہ میں اسی موضوع کی تفصیلی فقہی
حیثیت واضح کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ عامل مضاربہ یا
دیگر امینوں کے لئے ضمانت کی شرط کہاں تک شرعی حیثیت
رکھتی ہے؟

مضاربہ کے عامل کو سرمایہ کا ضامن قرار دینے پر دو طرح سے بحث کی جاسکتی ہے
ایک ان عام قوانین کے اعتبار سے جہاں ہر امانت دار کو ذمہ دار قرار دینے پر
بحث کی جاتی ہے اور ایک بالخصوص مضاربہ کے بارے میں وارد ہونے والی روایات کی
روشنی میں۔

پہلی منزل میں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ شریعت میں امین کی دو قسمیں ہوتی
ہیں۔ امین عام اور امین خاص۔

امین عام:۔

وہ شخص ہے جس کے ہاتھ میں مال مالک کی اجازت سے آیا ہے اور خود اس نے
قبضہ میں دیا ہے چاہے امانت کا کوئی ذکر نہ آیا ہو۔ جیسے عاریت لینے والا، کرایہ پر لینے

والا، مزدور، عامل وغیرہ کہ انہیں مال مالک نے دیا ہے لیکن بعنوان امانت نہیں دیا ہے۔

امین خاص:۔

وہ شخص ہے جسے مال صرف امانت کے عنوان سے دیا گیا ہو اور اس کا کام ہی مالک کی نیابت میں مال کا تحفظ کرنا ہو۔

مضاربہ کے عامل جیسے عام امینوں کو ضامن قرار دینے کی بحث دو بحثوں کی طرف تقسیم ہو جاتی ہے۔

ایک ضمانت تلف اور ایک ضمانت نقص وخسارہ۔

ضمانت تلف کا مطلب یہ ہے کہ عامل کو صرف اس بات کا ذمہ قرار دیا جائے کہ اگر میرا مال تلف ہو گیا تو آپ کو اس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ اور ضمانت خسارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر مال باقی بھی رہ گیا اور اس کی بازاری قیمت گھٹ گئی تو بھی عامل اس نقص کا ذمہ دار ہوگا۔

یہ ضمانت عام ضمانتوں سے بالاتر ہے اور علمائے اسلام نے ضمانت کے تمام مواد میں صرف تلف کا ضامن قرار دیا ہے بازاری قیمت کی کوئی ذمہ داری نہیں رکھی۔ یہاں تک کہ اس خسارت کا ذمہ دار غاصب کو بھی قرار نہیں دیا۔

ضمانت تلف

اکثر علما نے امین کے بارے میں اس قسم کی شرطوں کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر شرط ضروری ہی ہو تو ضمانت کی شرط نہ کی جائے بلکہ مال کی قیمت برابر مال ادا کرنے کی شرط کی جائے۔ [1] نتیجہ کی شرط کے باطل ہونے کی چند وجہیں قرار دی گئی ہیں۔

---

[1] دونوں میں فرق یہ ہے کہ مال ادا کرنے کی شرط ایک فعل کی شرط ہے اور ضمانت کی شرط نتیجہ کی شرط ہے اور انسانی اختیار فعل سے متعلق ہوتا ہے نتیجہ فعل سے نہیں شرط اسی حد تک صحیح رہے گی جہاں تک اختیار رہے گا غیر اختیاری شئے کی شرط صحیح نہیں ہے۔ (جوادی)۔

(۱)۔عرف عام میں شرط کرنے کے معنی یہ ہیں کہ شرط کو صاحب شرط کی ملکیت میں دے دیا جائے جیسے سلائی کی شرط کہ یہاں سلائی صاحب لباس کے حوالے کر دی جاتی ہے اور نتائج عمل کسی کی ملکیت اور اس کے اختیار میں نہیں ہوتے کہ کسی کے حوالہ کر دیا جائے لہٰذا یہ شرط صحیح نہیں ہے۔ عرفی اعتبار سے شرط عمل اور شرط نتیجہ کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اس توجیہہ پر متعدد اشکالات کئے جا سکتے ہیں جن میں سب سے اہم اشکال یہ ہے کہ عرف عام میں شرط فعل کا مطلب فعل کا مالک بنانا ضرور ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شرط کرنا ابتدا سے تملیک شرط ہی کی ایجاد کرتا ہے کہ اسے نتائج کے بارے میں ناممکن قرار دے دیا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شرط کرنے کا مفہوم صرف یہ ہے کہ شرط اور صاحب شرط کے درمیان ایک نسبت خصوصیت پیدا کر دی جائے اور اس نسبت سے پیدا کرنے کا امکان افعال میں بھی ہو سکتا ہے اور نتائج میں بھی۔ فرض صرف یہ ہے کہ شرط اور صاحب شرط کے درمیان نسبت کی فرد حقیقی قابل ایجاد نہیں ہے صرف وہ خود قابل ایجاد ہے اس لئے نسبت کی ایجاد صرف اعتباری طور پر کی جاتی ہے اور شرط نتیجہ میں ایسا نہیں ہے وہاں نسبت کی فرد حقیقی بھی قابل انشا و ایجاد ہے۔ اس لئے کہ شرط فعل ایک امر خارجی ہے اور شرط نتیجہ امر اعتباری، امر خارجی کی حقیقت انشاء کے عالم میں نہیں لائی جا سکتی۔ لیکن امر اعتباری کی حقیقت بہرحال انشاء کی جا سکتی ہے یہ ساری باتیں اس لئے ہیں کہ ہم نے شرط فعل میں شرط کر کے معنی مالک بنانے کے تسلیم کر لئے ہیں ورنہ اگر تحقیق کی روشنی میں اس بات سے انکار کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ شرط کے معنی تملیک کے نہیں ہیں تو اصل دلیل ہی بے کار ہو جائے گی اشکال کا کیا سوال ہے؟ اور تحقیق یہی ہے کہ شرط خیاطی کے معنی اصل سلائی کی ضمانت ہے نہ کہ زید والی سلائی کی ضمانت ہے کہ سلائی کو زید کی ملکیت سمجھ کر بحث کی جائے۔

دلیل دوم:۔ ضمانت کی شرط ان تمام دلائل کے خلاف ہے جن میں امین کی ضمانت کا انکار کیا گیا ہے۔

یہ شرط مخالف کتاب خدا ہے اور ایسی کوئی شرط صحیح نہیں ہے۔

اس مقام پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امین کے ضامن نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ضمانت کی کوئی وجہ نہیں ہے نہ یہ کہ کسی دلیل نے اس کی ضمانت کے حکم کو اٹھا دیا ہے اور ''علی لید ما اخذت'' ہر ہاتھ اس چیز کا ذمہ دار ہے جسے اپنی گرفت میں لے لیا ہے ضمانت کے لئے کافی ہے اب ضمانت کو ختم کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے ورنہ یہ ہر امانتدار کے بارے میں ثابت ہے۔

تحقیق مطلب یہ ہے کہ عدم ضمان کے دلائل کی دو قسمیں ہیں۔

بعض دلائل وہ ہیں جنہوں نے عنوان امین وغیرہ سے ضمانت کی نفی کی ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن میں امین و امانت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کی ضمانت سے انکار کیا گیا ہے جسے مال مالک کی اجازت سے ملا ہے جیسے کرایہ دار، مزدور وغیرہ قسم اول کا تعلق لفظ امانت سے ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ عنوان ودیعت رکھنے والے پر صادق آتا ہے امین عام پر اس کا صدق صرف اذن مالک کی بنا پر ہوتا ہے عرفاً یہ امین نہیں کہا جاتا۔

دیکھنا یہ ہے کہ عرف عام نے اسے امین شمار کرنے کے لئے یہ شرط کی ہے یا نہیں کہ اسے ضامن نہ قرار دیا جائے، اگر عرف نے یہ شرط کر دی ہے تو ضمانت کی شرط کے بعد یہ امین ہی نہیں رہ جائے گا مزید ضمانت کی بحث بیکار ہے اور اگر عرف عام نے مطلق طور پر امین تسلیم کر لیا ہے چاہے ضمانت کی شرط ہی کیوں نہ کر لی جائے تو یہ دعویٰ صحیح ہے کہ امین کے بارے میں ضمانت کی شرط ان دلائل کے خلاف ہے جن میں امین کے ضامن ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

رہ گئی یہ تحقیق کہ ضمانت کی شرط کے بعد امین کا عنوان باقی رہ جاتا ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امانتدار کو مال کا ضامن بنانے کی دو قسمیں ہیں۔

کبھی یہ ضمانت آفات سماوی کی بنا پر مال کے تلف ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی خود امانتدار کی بے توجہی سے مال کے تلف ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے۔

اگر ضمانت کی شرط سے مراد سماوی آفتوں کے مقابلہ میں ضمانت ہے تو اس سے امین کا عنوان ختم نہیں ہوتا۔ امین خود خیانت نہیں کرتا لیکن آسمان و زمین پر اس کا اختیار نہیں ہوتا۔

لیکن اگر ضمانت کا تعلق خود امانتدار کی زیادتی یا بے توجہی سے ہے تو یہ شرط خود بخود عنوان امین کو ختم کر دے گی۔ جس کو امین مان لیا گیا ہے اس کے خیانت کرنے کا کیا سوال ہے؟

روایات میں جمال حمال وغیرہ کی ضمانت کا تذکرہ اسی احتمال کے اعتبار سے ہوا ہے کہ خود ان کی بات کا اعتبار نہیں ہے اور انہیں دعویٰ تلف پر گواہ پیش کرنا پڑیں گے۔

مختصر یہ کہ ایسے اشخاص کو اگر امین شمار کیا جائے تو انہیں ضامن نہیں بنایا جاسکتا اور اگر امین نہ بھی شمار کیا جائے تو بھی روایات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کرایہ دار بھی ضامن نہیں ہوسکتا۔ نتیجہ میں ضمانت کی شرط ان دلائل کے خلاف ہوگی اور ایسی تمام شرطیں ناقابل قبول ہیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شرط ضمانت اور دلائل عدم ضمانت میں کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے۔

دلیل عدم ضمانت کا مطلب یہ ہے کہ صرف ہاتھ لگا دینے پر امین یا کرایہ دار کو ذمہ دار نہیں قرار دیا جاسکتا اور ضمانت کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مال نے الگ سے شرط کر لی ہے کہ جس مطلب کا اقتضا اصل تسلط نے نہیں کیا تھا اس کی ذمہ داری الگ سے لے لی جائے۔

اس بیان سے یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ محقق نائینیؒ کی یہ تفصیل قطعاً نامناسب ہے کہ اگر مال پر قبضہ مالکانہ حق کی بنا پر پیدا ہوا ہے جیسے کرایہ دار امانتدار وغیرہ کہ مالکانہ حق کی بنا پر مال کو اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں تو ان کا قبضہ ضمانت نہیں پیدا کرسکتا۔ لیکن اگر یہ قبضہ صرف اجازت کی بنا پر ہے جیسے مزدور کہ وہ مال کو صرف مالک کی بنا پر اٹھالیتا ہے تو ضمانت کے امکانات موجود ہیں اور ضمانت کی شرط اجازت کی عمومیت کو ختم کر دے گی اور اس کا

مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو مال اٹھانے کا حق ہے لیکن ضائع کرنے کا حق نہیں ہے اس لئے کہ شرط ضمانت کا مفہوم خود قبضہ کا ضمانت پیدا کرنا ہے تو یہ شرط ہر مقام پر باطل ہے اور اگر الگ سے ضمانت کا ایجاد کرنا ہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کرایہ دار ہو یا مزدور، امانت دار ہو یا رہن رکھنے والا۔

یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ شرط خود اپنے مضمون کو جائز نہیں بناتی۔ شرط کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے سے جائز ہوتا کہ شرط کی بنا پر عمل کرنا ضروری ہو۔ بنابریں شرط ضمانت کو جائز کرنے کے لئے شرط سے قطع نظر اس کے جواز کو ثابت کرنا پڑے گا۔ لیکن اس کے لئے عام قوانین کے علاوہ مخصوص روایات ہی بہت کافی ہیں۔ جیسا کہ یعقوب بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ ایک شخص دوسرے کا مال اجرت پر فروخت کرتا ہے تو کیا اسے ضامن بنایا جا سکتا ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے۔ اس طرح یہ اندیشہ ہے کہ واقعی نقصان سے زیادہ بار عامل کی گردن پر ڈال دیا جائے لیکن اگر وہ خود راضی ہے تو کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔

دوسری روایت موسیٰ بن بکر کی عبد صالح حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے ہے کہ میں نے حضرت سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص ملاح سے کرایہ طے کر کے اس کی کشتی پر کھانے کا سامان بار کرے اور یہ شرط کر دے کہ اگر کوئی نقص وارد ہوا تو ملاح ذمہ دار ہوگا تو اس شرط کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ملاح نقص کا ذمہ دار ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمانت کی شرط کرنا خلاف شرع نہیں ہے اور جب خلاف شرع نہیں ہے تو شرط بہرحال نافذ رہے گی اور اس پر عملدرآمد بھی کرنا پڑے گا۔

ضمانت نقص

اب تک ضمانت تلف کے بارے میں گفتگو کی جا رہی تھی اب بحث کا تعلق ضمانت نقص سے ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ اس ضمانت کی شرط شرعاً صحیح اور نافذ ہے یا نہیں؟

اس ضمانت کا تصور بھی پہلی قسم کی طرح قائم کیا جا سکتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ

وہاں عین مال کی ضمانت تھی کہ جب وہ تلف ہوگا تب قیمت دینا پڑے گی اور یہاں مالیت کی ضمانت ہے کہ وہ کم بھی ہو جائے تو صاحب ید ذمہ دار ہوگا۔ اس ضمانت کی شرط بھی دو طرح سے کی جا سکتی ہے۔

ابتدائی طور پر الگ سے بھی اور شرط نتیجہ کے عنوان سے بھی جیسا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے حلبی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سے دو آدمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو آپس میں شریک مال تھے اور مال میں فائدہ ہوا۔ مال کا کچھ حصہ دونوں کے ذمہ بطور قرض تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ بقدر سرمایہ مجھے دے دو اور فائدہ اور نقصان کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔ کیا یہ طریقہ صحیح ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ شرط کر لی ہے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔

امامؑ نے جواز میں شرط کی قید لگا دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دونوں میں الگ سے بطور صلح طے ہو جائے یا خود شرکت کے ذیل میں طے ہو جائے تو مضمون شرط کے جائز ہونے میں کوئی شرط نہیں ہے۔

دیکھنا صرف یہ ہے کہ روایت کی کونسی توجیہہ ہے جس کی بنا پر ضمانت نقص پر استدلال کیا جا سکے؟ علما کرام نے روایت کے بہت سے معانی بیان کئے ہیں۔

ا۔ ایک شخص کے سرمائے سے اختصاص اور دوسرے کے نفع و نقصان کی ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ پہلے شخص نے صلح کے ذریعہ یا شرط کی بنا پر خارجی اموال میں سے دوسرے کے ذمہ میں رہنے والے اموال کے برابر اپنا حصہ الگ کر لیا ہے اور مال شرکت سے باہر ہو گیا ہے مابقی مال کا وہ ہر اعتبار سے ذمہ دار ہے فائدہ ہو یا نقصان۔

یہ مضمون اپنے مقام پر بالکل صحیح ہے لیکن محل بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے محل بحث غیر مالک کا ضامن ہونا ہے اور اس توجیہہ کا مفہوم مال کی ملکیت میں داخل ہو جانا ہے اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس کے علاوہ خود یہ مفہوم بھی روایت کے ظاہر کے خلاف ہے کہ ظاہر روایت یہی

ہے کہ پہلا شخص سرمایہ سے اپنا حق متعلق سمجھتا ہے اور باقی رکھنا چاہتا ہے اور شرکت ختم کر دینے کا مفہوم اس کے بالکل برعکس ہے۔

۲۔ روایت میں ذکر ہونے والی قرارداد کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شریک دوسرے شریک کے مال کی قیمت کا ذمہ دار بنتا ہے اور اس کے نقصان کی ضمانت لیتا ہے کہ مال شرکت اپنی شرکت پر باقی ہے اور ایک کا مال دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوا ہے صرف ایک شریک نے دوسرے کی ضمانت لے لی ہے اور اس کے خسارہ کا بار اٹھا لیا ہے اور اس نے شرط نتیجہ کے طور پر ہونے والے فائدہ کو اس کی ملکیت بنا دیا ہے اور یہ وہی ضمانت ہے جس کے بارے میں بحث کی جا رہی ہے یعنی ایک شریک نے دوسرے کی مالیت کا ذمہ لیا ہے اور دوسرے نے شرط نتیجہ کے طور پر فائدہ اس کے حوالے کر دیا ہے اور جب اصل مضمون کا جواز ثابت ہو گیا تو شریعت میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ یہ کام صلح کے ذریعہ بھی انجام پا سکتا ہے اور دوسرے عقد لازم کے ذیل میں بھی۔

اس سلسلے میں بعض روایات اور بھی ہیں جو ہمارے مدعیٰ پر دلالت کرتی ہیں جیسے رفاعہ کا بیان کہ میں نے امام ابوالحسنؑ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے ساتھ کنیز میں شرکت کرے اور یہ طے کرے کہ فائدہ میں آپ برابر کے شریک ہیں اور نقصان کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر صاحب کنیز راضی ہے تو میری نظر میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

اس روایت کا ظاہر یہ ہے کہ ایک شریک نے دوسرے شریک کی مالیت کی ضمانت لے لی ہے اور شرکت کے باقی رہنے کے باوجود نقصان کو اپنے ذمے ڈال لیا ہے شرکت کے باقی رہنے کی دلیل یہ ہے کہ فائدہ میں حصہ باقی ہے اور یہی وہ احتمال ہے جو ہم نے گزشتہ روایت میں دیا تھا اور اس کی تائید کی تھی۔

ان بیانات سے معلوم ہو گیا کہ مضاربہ کے عامل کو ضامن بنانا اور اسے مالیت کا ذمہ دار قرار دے کر نقص تک کا ذمہ دار بنا دینا ایک شرعی اور جائز امر ہے۔ چاہے اسے

مستقل عقد کے ذریعہ طے کیا جائے یا کسی عقد کے ذیل میں بطور شرط طے کر لیا جائے یہ اور بات ہے کہ مضاربہ کے بعض روایات سے واضح ہوتا ہے کہ ایسی ضمانت کے بعد مالک کو فائدہ میں حصہ لینے کا حق نہیں ہے جیسا کہ محمد بن قیس نے حضرت امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جس شخص نے تجارت میں نصف فائدہ کی شرط کر لی وہ ضامن نہیں ہوسکتا اور جس شخص نے تاجر کو ضامن بنا دیا اسے سرمایہ کے علاوہ کسی فائدہ کا حق نہیں ہے۔

روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں ضمانت اور منفعت ناقابل اجتماع چیزیں ہیں جہاں ضمانت ہوگی وہاں منفعت نہ ہوگی اور جہاں منفعت ہوگی وہاں ضمانت نہ ہوگی۔

بعض علما نے روایت میں ضمانت کو قرض پر محمول کیا ہے کہ قرض بھی ایک قسم کی ضمانت ہی ہے اور مقصد یہ ہے کہ اگر مالک نے تاجر کو مال بطور قرض دے دیا ہے اور اسے عوض کا ضامن بنا دیا ہے تو اب فائدہ کا کوئی حق ہے ورنہ سود لازم آجائے گا۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے لیکن روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے روایت ہر ضمانت کو شامل ہے قرض ہو یا غیر قرض، فرض کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر شرط ضمانت کے بجائے شرط فعل کر لے اور یہ کہے کہ تلف ہو جانے کی صورت میں اتنی ہی مقدار میں مال ادا کرنا ہوگا۔ جب بھی روایت کا صدق باقی رہے گا۔ اس لئے کہ شرط فعل فلسفی اعتبار سے شرط نتیجہ اور ضمانت سے علیحدہ چیز ہے لیکن عرف عام میں دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

بعض علما نے روایت کی یہ توجیہہ کی ہے کہ اس میں طرفین کے واقعی ارادہ پر نظر رکھی گئی ہے اور اسی کے اعتبار سے حکم بیان کیا گیا ہے جہاں مالک عامل کو ضامن قرار دیتا ہے وہاں مضاربہ کی واقعی مراد قرض ہے اس لئے سود حرام ہے اور جہاں نصف فائدہ کی شرط کی ہے وہاں مضاربہ سے مراد مضاربہ ہے اور اسی لئے ضمانت صحیح نہیں ہے لیکن شکل یہ ہے کہ یہ توجیہہ بھی معقول ہونے کے باوجود روایت سے بالکل غیر مربوط ہے روایت کا صاف

سا مضمون یہ ہے کہ ضمانت براہ راست فائدہ کی دشمن ہے اور فائدہ بذات خود ضمانت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا اس میں واقعی یا ظاہری مراد کا کوئی کام نہیں ہے۔

غیر عامل کی ضمانت

ضمانت اور منفعت کا یہی تضاد تھا جس کے پیش نظر ہم نے غیر سودی بینک کے فارمولے میں عامل کے بجائے تیسرے آدمی کو ضامن قرار دیا تھا اور یہ شکل نکالی تھی کہ ضمانت بینک کو لینی چاہئے جو ایک ثالث کی حیثیت رکھتا ہے چاہے یہ ضمانت عقد خاص کے ذریعہ ہو یا کسی عقد لازم کے ضمن میں بطور شرط طے ہو جائے۔

بینک خود بھی ایک امین عام کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ امین عام کو ضامن بنایا جا سکتا ہے اس میں بحسب قاعدہ کوئی حرج نہیں ہے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بحسبِ قواعد امین کو ضامن نہیں بنایا جا سکتا اور ضمانت صرف مخصوص مقامات پر ممکن ہے جیسا کہ عاریت کے بارے میں وارد ہوا ہے تو بھی بینک سے شرط فعل کے عنوان سے قرارداد کی جا سکتی ہے اور صاحب مال یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر میرے مال میں کوئی خسارہ ہوا تو آپ کو بقدر خسارہ مال ادا کرنا پڑے گا۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

﴿ضمیمہ ۳﴾

غیر سودی بینک کے فارمولے میں ثابت امانتوں کے لینے اور تجار کو دینے کے معاملہ کو مضاربہ کی شکل دی گئی ہے جس میں امانت گزار مالک ہے اور تاجر عامل بینک صرف درمیان کا واسطہ اور وکیل ہے اس لئے اسے بھی ایک حصہ مل جاتا ہے۔ اس مقام پر بینک کے اسی حصہ کو زیر بحث لایا جارہا ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

واضح رہے کہ غیر سودی بینک کے لئے جو بھی فیصدی حصہ مقرر کیا گیا ہے اس کی بنیاد مضاربہ نہیں ہے۔ مضاربہ صرف عامل کو حصہ دلوا سکتا ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ سارا فائدہ مالک کی ملکیت ہوگا۔ اس کے بعد عامل کا فیصدی حصہ نکال لیا جائے گا۔

بینک نہ مالک ہے اور نہ عامل۔ اس کے حصہ کے لئے دوسرا کوئی جواز تلاش کرنا پڑے گا۔

ظاہر ہے کہ اس مقام پر دو مضاربے بھی فرض نہیں کئے جا سکتے کہ ایک صاحب مال اور بینک کے درمیان ہو اور ایک بینک اور تاجر کے درمیان کہ پہلے عامل کو خود بھی عامل بنانے کا حق حاصل ہو اور وہ خود بھی ایک نیا مضاربہ ایجاد کر سکتا ہو۔ اس لئے کہ اگر پہلے مضاربہ میں بینک کو عامل فرض کر لیا گیا تو اسے مال کا ضامن نہیں قرار دیا جا سکتا اور ضمانت بینک کے لئے لازمی امر ہے۔ اسی لئے تو ہم نے بینک کو اجنبی اور ثالث قرار دیا تھا کہ وہ مال کی ضمانت لے سکے۔

فیصدی حصہ کو بینک کی اجرت بھی نہیں قرار دیا جاسکتا کہ معاملہ کو ایک اجارہ فرض کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ صاحب مال نے بینک کو اپنے اموال کے راہ تجارت میں لا دینے کے لئے اجیر بنایا ہے کہ اس قسم کے اجارہ میں متعدد اشکالات پائے جاتے ہیں۔

پہلا اشکال یہ ہے کہ اجارہ میں اجرت کا معلوم ہونا ضروری ہے اور یہاں اجرت غیر معلوم ہے۔

غیر معلوم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا حصول مشکوک ہے اس لئے کہ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ مضاربہ میں فائدہ کا حاصل ہونا تقریباً یقینی ہے بلکہ غیر معلوم ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی مقدار مجہول ہے اور اجارہ میں مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اجارہ میں اجیر قرارداد کے ساتھ اجرت کا مالک ہو جاتا ہے اور اجرت کا قابل ملکیت ہونا ضروری ہے چاہے خارجی مال ہو یا صاحب اجارہ کے ذمہ میں ثابت ہو اور یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔

تجارت سے حاصل ہونے والا فائدہ نہ موجود ہے اور نہ کسی کے ذمہ ثابت ہے صرف مستقبل میں ایک امکان پایا جاتا ہے جس کے اعتماد پر اجارہ کی صحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔

شرعی اعتبار سے بینک کے حصہ کے چند وجوہ ہو سکتے ہیں۔

ا۔ بینک کے حصہ کو جعالہ قرار دیا جائے اور یہ فرض کیا جائے کہ صاحب مال نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو بھی میرے مال کو تجارت کی راہ میں لگا دے گا اسے اتنے فیصدی رقم دی جائے گی۔

بینک کا یہ حصہ اگرچہ یہاں بھی مجہول اور ناقابل تسلیم رہے گا۔لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ اجرت کا معلوم ہونا اور سپرد کرنے کے قابل ہونا اجارہ میں ضروری ہے جعالہ میں نہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اجارہ میں اجرت کا استحقاق ابتدا ہی سے ہو جاتا ہے اور جعالہ میں حق عمل کے اختتام پر پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ آغاز کار میں

منفعت کا کوئی وجود نہیں ہے کہ اسے اجرت کے طور پر دیا جا سکے۔لیکن انجام کار میں تو منفعت بہر حال موجود ہے اور اسے بطور فائدہ دیا جا سکتا ہے۔ اکثر روایات میں اس کی مثال بھی موجود ہے۔

چنانچہ محمد بن مسلم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص سے یہ کہے کہ میرا کپڑا دس درہم میں فروخت کر دو اور زیادہ میں بک جائے تو زیادہ حصہ تمہارا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے (حالانکہ زیادتی نہ معلوم ہے اور نہ موجود۔)

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق سے یہ دریافت کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کسی کو سرمایہ دے کر کہتا ہے کہ جو رقم اس مقدار سے بڑھ جائے وہ تیری ہے آپ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جن میں مقدار جعالہ مجہول اور غیر موجود ہے اور حضرات معصومینؑ نے معاملہ کی صحت کا حکم دیا ہے۔

۲۔ بینک کے حصہ کو شرط ضمن عقد کے طور پر صحیح کیا جائے اور اس کی نوعیت شرط نتیجہ کی ہو کر بینک صاحب مال سے کسی عقد کے ذیل میں یہ شرط کرے کہ جب بھی فائدہ ظاہر ہوگا ایک حصہ میرا ہوگا۔

یہ شرط معلق ضرور ہے لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ صاحب مال کا فی الحال مالک منفعت نہ ہونا بھی مضر نہیں ہے اس لئے کہ جس وقت کے لئے شرط کی گئی ہے۔اس وقت مالک ہو جائے گا اور ایسے حالات میں مشروط طریقہ پر انشا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شرط فعل کے طور پر صحیح کیا جائے اور شرط ملکیت کے بجائے شرط تملیک کا لحاظ کیا جائے کہ بینک صاحب مال سے یہ معاہدہ کرے کہ فائدہ ظاہر ہونے کے بعد اس مقدار میں فیصدی حصہ اپنی ملکیت سے میری طرف منتقل کرنا ہوگا۔ اگر چہ براہ راست یہ حصہ میری ملکیت نہ ہوگا کہ شرط نتیجہ میں داخل ہو جائے۔

﴿ضمیمہ ۴﴾

ہمارے فارمولے میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اکثر اوقات عامل حضرات بازیگری کرتے ہیں اور نقصان یا تلف مال کا ادعا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا بینک کا فرض ہے کہ وہ ابتدا ہی سے یہ طے کر دے کہ اصل سرمایہ اور فائدہ کی ادنیٰ حد کے خلاف بغیر شواہد کے کوئی دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا۔ اس ضمیمہ میں اسی قانون کی شرعی حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ بینک کا یہ قانون اصل قانون امانت کے خلاف ہے۔ امانت کا قانون یہی ہے کہ جو مال امین کے قبضہ میں دے دیا گیا ہے اس کے بارے میں اس کے قول پر اعتماد کیا جائے گا اور یہاں بینک نے اس کی بے اعتباری کا قانون بنایا ہے۔

لہٰذا اس قانون کو نافذ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شرط عمل کے عنوان سے کسی عقد کے ذیل میں بینک عامل سے یہ شرط کر لے کہ اگر اس نے خسارہ کا دعویٰ کیا اور اسے ثابت نہ کر سکا تو خسارہ کے برابر مال بینک کو دینا پڑے گا یا اسے جعالہ کا عنوان دے دیا جائے اور عامل بینک سے یہ کہے کہ اگر میرے لئے سرمایہ تجارت فراہم کر دیا گیا تو میں خسارہ کی صورت میں اصل سرمایہ اور فائدے کی حد ادنیٰ اور بینک کی ثابت اجرت کے برابر رقم بینک کو ادا کروں گا۔ صرف اتنی مقدار میں رقم کم کر دی جائے گی جو عامل کے پاس باقی رہ جائے گی یا جس کا تلف ہونا ثابت ہو جائے گا۔

﴿ضمیمہ ۵﴾

سودی بینک میں جمع ہونے والی امانتیں درحقیقت امانت نہیں ہیں بلکہ قرض ہیں جن پر سود دیا جاتا ہے۔ غیر سودی بینک کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں امانت ثابت کرے اور اس کے ساتھ بینک کو ہر تصرف کا اختیار بھی دے تا کہ سود سے نجات حاصل کی جا سکے۔

سودی بینکوں میں جمع ہونے والی امانتیں فقہی اعتبار سے امانت نہیں ہیں۔ یہ سیدھے سیدھے قرض کی کی حیثیت رکھتی ہیں جن پر صاحبان امانت کو سود ملتا ہے اور فقہی نقطہ نظر سے انہیں ناقص یا کامل کسی قسم کی امانت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان اموال کا امانت فرض کرنا محال ہے اور کسی طرح سے بھی انہیں امانت نہیں تصور کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ بعض علما کا خیال ہے کہ انہیں امانت فرض ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ان امانتوں میں مالک بینک کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مال مالک کی ملکیت پر باقی رہے اور بینک تصرف کرتا رہے ورنہ سارے منافع مالک ہی کے ہو جائیں گے بلکہ مالک کی اجازت کا مطلب بینک کو مالک فرض کر کے اصل مالیت کا ذمہ دار قرار دینا ہے جو قرض کی صحیح تعریف ہے۔

قرض کے معنی ہی یہ ہیں کہ مال کو دوسرے کی ملکیت بنا دیا جائے اور اسے ضامن بھی سمجھا جائے بنا بریں بینک کے یہ اموال امانت کی شکل میں ہونے کے باوجود قرض ہیں اور واقعی امانت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان اموال کو شرعی

امانت فرض کرنے کے بعد بھی ان سے وہ تمام کام لئے جا سکتے ہیں جو بینک اپنے اموال سے لیا کرتا ہے۔ بینک کے ان اموال کے تین فوائد ہوتے ہیں: ضمانت، منفعت اور صاحب مال کو ایک محدود مقدار میں رقم دینا۔

ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم ان اموال کو شرعی امانت فرض کرنے کے بعد بھی یہ تینوں کام لے سکیں۔ چاہے یہ صرف ایک نظری ہی کام ہو اور اس کی کوئی عملی شکل نہ ہو۔

ضمانت کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے لئے قرض کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ مستقل عقد کے ذریعہ بھی اسے ثابت کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ضمیمہ دوم میں بالتفصیل ذکر کیا جا چکا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ معاملات کی ضمانت صرف قرضوں ہی سے متعلق نہیں ہے کہ بلکہ خارجی اموال سے بھی اس کا تعلق ہو سکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قرضوں میں ضمانت کے معنی قرض کا ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے کے ذمہ کی طرف منتقل ہونا ہے اور خارجی اموال میں ضمانت کے معنی یہ ہیں کہ مال صاحب مال کی ملکیت ہی رہے گا لیکن ذمہ داری بینک پر رہے گی۔

بینک کے فائدہ کی صورت یہ ہے کہ اسے عقد ضمان یا عقد شرکت یا کسی عقد لازم کے ذیل میں شرط کے ذریعہ طے کیا جائے اور بینک صاحب مال سے یہ قرارداد کرے کہ مال کی قیمت شرط نتیجہ کے طور پر بینک کی ملکیت ہوگی۔ ابتدائی طور پر قیمت صاحب مال کی طرف آئے گی لیکن اس کے بعد بلا فاصلہ بطور شرط نتیجہ بینک کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ ابتدائی انتقال معاوضہ کے خلاف ہے لیکن مالک کے واسطے سے انتقال میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ محقق نائنی رحمہ اللہ نے شرائط کی بحث میں اعتراف فرمایا ہے۔

صاحب مال کو محدود مقدار میں فائدہ دیئے جانے کی تفسیر یہ ہو سکتی ہے کہ اسے دوسری منزل کی شرط میں استثنا کا درجہ دیا ہے اور بینک مالک سے یہ شرط کرے کہ جس قدر قیمت آتی جائے گی آپ کی ملکیت سے شرط نتیجہ کے تحت ہماری ملکیت میں منتقل ہوتی جائے گی۔ صرف ایک محدود مقدار میں آپ کی ملکیت پر باقی رہے گی اور وہ منتقل نہ ہوگی۔

بینک کی ضمانت کی ایک توجیہہ یہ بھی ممکن ہے کہ بینک صاحب مال سے یہ قرارداد کرلے کہ آپ کا ایک ہزار کا مال ہمارے اس بے پناہ مال میں شامل ہوجائے گا جو ذاتی سرمایہ اور کرنٹ اکاؤنٹ سے جمع ہوا ہے اور اب ہزار روپیہ شخصی کے بجائے آپ کا مال ہزار روپیہ کلی ہوجائے گا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کلی کا انحصار انہیں ہزاروں میں رہے گا جو ہمارے خزانے میں محفوظ ہیں ان کے علاوہ کوئی ہزار اس کلی کا مصداق نہ ہوگا جیسا کہ روایت شرکت کی توجیہہ میں نقل کیا جاچکا ہے۔

اس قرارداد کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب تک بینک کے سرمائے میں آخری ہزار باقی رہے گا باقی کے تلف ہوجانے کا صاحب مال پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اس کا مال کلی ہوگیا ہے اور کلی کا آخری مصداق باقی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ صاحب مال بینک سے یہ شرط کرے گا کہ جب بھی وہ کوئی معاملہ کرے اس میں یہ خیال رکھے کہ ہمارے ہزار کی مالیت میں فرق نہ آنے پائے۔ مثال کے طور پر اگر بینک دس ہزار کو پانچ ہزار کے عوض گھاٹے پر بیچنا چاہتا ہے تو قانون کلیت یہ ہے کہ نقصان کا ایک حصہ صاحب ہزار کو بھی ملے لیکن چونکہ اس نے پہلے ہی سے شرط کرلی ہے۔ کہ معاملات میں میری مالیت کا محفوظ رہنا ضروری ہے اس لئے خسارہ کا اثر اس پر نہ پڑے گا اور اس کا مال انطباق کلی سے محفوظ رہے گا۔

البتہ اسے منافع میں حصہ ضرور ملے گا۔ اس لئے کہ اس کا مال کلی ہے اور کلی کے ہر جز کو منافع میں حصہ لینے کا حق ہے۔ اب بینک کا فرض ہے کہ وہ بطور شرط نتیجہ صاحب مال سے طے کرے کہ جو حصہ فائدہ آپ کی کلی کی طرف منتقل ہوگا اسے آپ کی ملکیت بننے کے بعد ہماری طرف منتقل ہونا پڑے گا۔ اس طرح امانت اپنے مالک کی ملکیت پر باقی رہے گی اور فوائد کو قرض کے فوائد کا عنوان دے کر سود نہ کہا جاسکے گا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

﴿ضمیمہ ٦﴾

اس ضمیمہ میں ایک بینک کے چیک کو دوسرے بینک سے کیش کرانے کی فقہی توجیہات پر بحث کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس کا شرعی عنوان کیا ہے؟

جس شخص کے نام کوئی چیک لکھا جاتا ہے وہ چیک کی مقدار بھر مال کا مالک تصور کیا جاتا ہے اور جس بینک کا وہ چیک ہے وہ بینک حامل چیک کا مقروض سمجھا جاتا ہے۔ اب اگر حامل چیک نے اس بینک کے علاوہ کسی دوسرے بینک سے چیک کیش کرانا چاہا ہے تو اس کے اس عمل کی چند فقہی توجیہیں ہوسکتی ہیں۔

ا۔ کسی بینک سے چیک کیش کرانے کا یہ مطلب ہو کہ وہ بینک اس بینک سے رابطہ پیدا کر کے جس کا چیک ہے اس کے ذمہ حامل چیک کے قرض کو اپنی طرف منتقل کر کے خود مقروض بن جائے۔

کہ اس مقام پر دو حوالے ہوں گے۔ ایک حوالہ چیک لکھنے والے کا اصلی بینک کے نام ہوگا اور دوسرا حوالہ اصلی بینک کا اس بینک کے نام ہوگا جہاں یہ چیک کیش کرایا جارہا ہے۔

اس صورت میں کیش کرنے والا بینک کمیشن باقاعدہ طور پر لے سکتا ہے کہ اس نے اصلی بینک سے اتصال پیدا کرنے اور اس کی طرف سے قرض منتقل کرنے کی زحمت کی ہے اور اسلام میں ہر زحمت پر اجرت طلب کرنے کا حق ہے۔

۲۔کسی بینک سے چیک کیش کرانے کا مطلب یہ ہو کہ حامل چیک اصلی بینک کے ذمہ اپنے قرضہ کو پیش نظر بینک کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے اور بینک اس قرض کو نقد رقم دے کر خرید رہا ہے تاکہ اصلی بینک کے ذمہ اپنا قرض پیدا کر لے۔اس صورت میں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ بینک کو اجرت لینے کا حق نہیں ہے۔اس لئے کہ قرض کو خریدنے کے بعد وہ خود مقروض ہو گیا اور اب وہ اپنے قرض کو بطور نقد ادا کرنا چاہتا ہے اور یہ غیر ممکن ہے کہ انسان اپنے ہی قرض کے ادا کرنے میں صاحب قرض سے اجرت وصول کرے لیکن میری نظر میں یہاں بھی اجرت کا امکان ہے۔وہ اس طرح کہ بینک قرض خریدتے وقت ہی بقدر کمیشن رقم کم کر دے یا خریداری اس انداز کی ہو کہ بینک چیک کی قیمت اور اجرت دونوں کو مجموعی طور پر بقدر چیک رقم سے خریدے۔ یہ اور بات ہے کہ اس معاملہ کی صحت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ قرض کا کم مقدار میں فروخت کرنا جائز ہو ورنہ ایسا نہ ہونے کی صورت میں یہ معاملہ باطل ہو جائے گا۔البتہ ایک صورت ایسی ہے جہاں قرض کی فروخت کمتر پر نہ فرض کی جائے بلکہ مسئلہ کو یوں فرض کیا جائے کہ پیش نظر بینک چیک کی قیمت کو خریدتے وقت یہ شرط کر لے کہ فروخت کرنے والے کو اصلی بینک سے رقم لا کر دینا پڑے گی۔اور کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا ورنہ براہ راست وہیں نہ چلا جاتا اور جب ایسا نہیں کرے گا تو اس بینک کو یہ کہنے کا حق ہے کہ مجھے اس مزید زحمت کا اجر ملنا چاہئے اور میری شرط بغیر کسی اجرت کے ساقط نہیں ہو سکتی۔

۳۔کسی بینک سے چیک کیش کرانے کا مطلب یہ ہو کہ حامل چیک اس بینک کو اپنا وکیل بنا رہا ہے کہ وہ اس کے قرضہ کو اس بینک سے وصول کر لے جس کے نام کا یہ چیک ہے۔ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ یہ بینک کیش کرانے سے مقروض ہو گا جیسا کہ پہلی توجیہہ میں تھا۔نہ اصلی بینک کا قرض خواہ ہو گا جیسا کہ دوسری توجیہہ میں تھا بلکہ حامل چیک اور اصلی بینک دونوں اپنی اپنی حالت پر قرض خواہ اور قرض دار رہیں گے اور بینک صرف ایک وکیل اور واسطہ کا کام کرے گا اور حامل چیک جو رقم اس بینک کے اصلی بینک سے رقم

وصول کرنے سے پہلے لے رہا ہے وہ اس بینک کا ایک قسم کا قرضہ ہے جسے وہ اصلی بینک سے چیک کے ذریعہ وصول کرلے گا۔ ایسی صورت میں بینک کو اس قرض کی اجرت لینے کا حق نہیں ہے کہ اسے قرض کا سود قرار دیا جائے گا بلکہ اجرت کا تعلق وکالتاً چک کیش کرانے سے ہوگا جو قرض دینے اور وصول کرنے کے علاوہ ایک علیحدہ زحمت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس قرض میں دوسرے بینک کو پہلے بینک سے رقم نقد ہی لینا چاہئے جو وکالت کا تقاضا ہے جب کہ عام طور سے ایسا نہیں ہوتا۔

۴۔ چیک کیش کرانے کو ایک قرض اور ایک حوالہ سے مرکب سمجھا جائے کہ حامل چیک پیش نظر بینک کے سامنے آکر اس سے بقدر قیمت چیک قرضہ لے لے اور جب اس بینک کا مقروض ہو جائے تو اپنے بینک کی طرف حوالہ کردے جو اس مقروض صاحب چیک کا مقروض ہے۔ یہ حوالہ شرعاً صحیح ہے اور اس میں بینک کو اجرت لینے کا بھی حق ہے اس لئے کہ قرض لینے والے کی ذمہ داری یہ ہے کہ جس طرح نقد لیا ہے اسی طرح نقد ادا کردے اب اگر وہ نقد ادا کرنا نہیں چاہتا بلکہ حوالہ کرنا چاہتا ہے تو بینک کو اختیار ہے کہ وہ حوالہ کو قبول کرے یا نہ کرے اور قبول کرے تو بغیر اجرت کے قبول نہ کرے اور اجرت قرض کی مدت کی اجرت نہیں کی ہے کہ اسے سود قرار دے دیا جائے بلکہ یہ دوسرے بینک کے حوالہ کو قبول کر کے نقد کے حق کو ساقط کرنے کی اجرت ہے جسے سود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان بیانات سے یہ واضح ہوگیا کہ دوسرے بینک سے چیک کیش کرانے کی چار شرعی توجیہیں ممکن ہیں اور ہر صورت میں اجرت اور کمیشن کا حق موجود ہے۔ حیرت ہے کہ بعض علمائے اعلام نے چیک کیش کرانے کو حوالہ کی قسم قرار دیا ہے اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ کیش کرانے کے معنی یہ ہیں کہ حامل چیک پیش نظر بینک کو اصلی بینک کے حوالے کر رہا ہے اور حوالہ میں کمیشن لینے کا حق نہیں ہے ورنہ یہ مقروض سے فائدہ ہوگا اور وہ سود ہے۔

خدا جانے ان بزرگوار نے چیک کیش کرانے کے کون سے معنی مراد لئے ہیں کہ سے پیش نظر بینک کی طرف سے خریداری قرار دے کر اصلی بینک کی طرف حوالہ قرار دے

دیا ہے۔اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ حامل چیک بینک کے ہاتھ چیک فروخت کررہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کیش کرنے والا بینک اصلی بینک کے قرضہ کا مالک ہوگیا اور نہ خود چیک کی کوئی مالیت نہیں ہے اور جب بینک خود ہی اصلی قرضہ کا مالک ہوگیا تو اب حوالہ کس طرف ہو رہا ہے۔ملکیت خریداری سے آچکی ہے اب خریداری کے بعد حوالہ بے معنی ہے اور اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ صاحب چیک بینک سے قرضہ لے کر اسے اپنے بینک کے حوالہ دے دیا ہے تو یہاں حوالہ تو ثابت ہوگیا لیکن خریداری کا کوئی ذکر خیر نہیں ہے۔خریداری اور حوالہ دونوں کا جمع کردینا مسئلہ کی تہ تک نہ پہنچنے کا نتیجہ ہے۔فقہی اعتبار سے یہ کام چاروجوہ ہی کی بنا پر صحیح ہے اور ہر وجہ کی بنا پر اجرت اور کمیشن لینا بھی صحیح اور جائز ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

﴿ضمیمہ ۷﴾

اصل فارمولے میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ بینک کے ذریعہ رقم منتقل کرنے میں بینک کو کمیشن لینے کا حق ہے۔اس مقام پر اس بحث میں ذرا وسعت دی جا رہی ہے کہ دوسرے حضرات کے نظریات و دلائل کا تجزیہ بھی کیا جا سکے۔

اپنے گذشتہ بیانات سے واضح کیا جا چکا ہے کہ بعض اعلام کی طرف سے کمیشن کی ایسی توجیہہ جو رقم منتقل کرنے کی صرف بعض صورتوں میں جائز ہونا مناسب اور محل اشکال ہے۔ان بزرگوار کا کہنا یہ ہے کہ تحویل اور ٹرانسفر کی دو قسمیں ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ نجف کے بینک کو رقم دے کر بغداد میں وصول کی جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ نجف میں لے کر بغداد میں ادا کی جائے۔

پہلی صورت میں بینک مقروض ہے اس لئے کمیشن لے سکتا ہے۔

دوسری صورت میں مالک صاحب قرض ہے اس لئے نہیں لے سکتا ورنہ سود لازم آئے گا۔

حالانکہ تحقیق یہی ہے کہ دونوں صورتوں میں کمیشن لینا جائز ہے اور اس طرح کہ کمیشن کو قرض کے مقابلہ میں نہ قرار دیا جائے کہ سود بن جائے بلکہ یوں شرعی توجیہہ کی جائے کہ قاعدہ کے اعتبار سے جس جگہ قرض دیا جاتا ہے وہیں ادائیگی بھی ضروری ہے۔یہی اطلاق مقام کا تقاضا ہے اور یہی عقل کا اصول ہے اب اگر قرض لینے والا اس جگہ کے بجائے

دوسری جگہ قرض ادا کرنا چاہتا ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ اجرت لئے بغیر اس تبدیلئ مکان پر راضی نہ ہو۔ نجف کے قرض کو نجف میں ادا ہونا چاہئے۔ بغداد میں قبول کرنا نہ کرنا بینک کا اختیار ہے اور وہ اپنے حق کو ساقط کرنے کی اجرت لے سکتا ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

﴿ضمیمہ ۸﴾

غیر سودی بینک کے فارمولے میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ بینک
کے لئے شرعاً پرونوٹ وغیرہ کے کیش کرانے کی اجرت لینا جائز
ہے۔اب محل کلام یہ ہے کہ اس کا موقع کب ہے۔

پرونوٹ لکھوانے والے سے کمیشن لینے کا حق صرف مقروض سے قرض کا مطالبہ کر دینے سے پیدا ہوتا ہے یا قرض وصول کر لینے کے بعد؟

بعض اعلام نے اس موضوع کو محل بحث قرار دیا ہے اور یہ تحقیق کی ہے کہ اس مسئلہ کا اصل تعلق کمیشن کی نوعیت سے ہے کہ وہ اجرت کے طور پر ہے یا جعالہ کے طور پر۔ اگر اجرت کے طور پر ہے تو اس کا استحقاق صرف مطالبہ ہی سے پیدا ہو جائے گا اور اگر جعالہ کے انداز پر ہے تو اس کا استحقاق عمل کے تمام ہونے سے پہلے نہیں پیدا ہو سکتا۔حالانکہ صحیح یہی ہے کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے۔مسئلہ کا کوئی تعلق جعالہ یا اجارہ سے نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے اصل موضوع سے ہے کہ اجارہ یا جعالہ کا واقعی موضوع کیا ہے؟ صرف رقم کا مطالبہ کر دینا یا رقم کا وصول کر لینا۔؟

اور اس مطلب کی تحقیق یہ ہے کہ کبھی بینک کے لئے قرض کا وصول کرنا ممکن ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔اگر قرض کا وصول کرنا ممکن ہے چاہے وہ خوشامد سے ہو یا عدالت کے ذریعہ تو صاحب قرض کو حق ہے کہ وہ جعالہ کی طرح اجارہ میں بھی یہ شرط کر دے کہ رقم وصول کئے بغیر کسی اجرت کا حق نہ ہوگا اور اگر قرض کی وصول یابی ممکن نہیں ہے تو نہ یہ شرط اجارہ

میں جائز ہے اور نہ جعالہ میں بلکہ صرف مطالبہ کر دینے پر جعالہ بھی ملے گا اور اجرت بھی۔

مسئلہ صرف یہ ہے کہ اگر بینک کے لئے کسی بھی صورت سے قرض کا وصول کرنا ممکن نہیں ہے تو کیا ایسے حالات میں بھی جعالہ و اجارہ میں یہ شرط ہو سکتی ہے کہ پہلے رقم وصول ہو جائے اس کے بعد مقررہ رقم یا اجرت دی جائے گی۔

اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ اجارہ میں یہ ایک مسلمہ شرط ہے کہ جب تک فعل اجارہ ممکن نہ ہوگا اجارہ صحیح نہیں ہو سکتا اور اجارہ کی صحت کے معنی یہ ہیں کہ اجیر اس منفعت کا مالک ہو جس کے لئے اجیر بنایا گیا ہے تاکہ وہ اسے مالک کے حوالہ کر سکے۔ مثال کے طور پر اجرت پر سلائی کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ سلائی کرنا اس کے امکان کے اندر ہو۔ ورنہ اگر خود سلائی پر قابو نہیں ہے تو اجرت دینے والے کے حوالے کیا کرے گا؟ اور جب اجارہ کی صحت کے لئے قدرت و اختیار ضروری ہے تو جس مقام پر بینک کے امکان میں رقم کا وصول کرنا نہ ہوگا اس مقام پر رقم کی وصولی کے لئے اجیر بنانا یا بننا ہی غلط ہوگا۔ البتہ اگر مقروض رقم دینے کے لئے تیار ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ جتنے مقامات اپنے اختیار کے ہیں وہ سب اجیر نے فراہم کر لئے ہیں اور ایک مقدمہ جو مقروض کے ہاتھ میں ہے یعنی ادائیگی اس کے لئے وہ خود حاضر ہو گیا ہے لیکن اس کی حاضری اور تیاری کے بغیر اجارہ کی صحت کا امکان نہیں ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقروض کی آمادگی مشکوک ہو جائے اور اس کے نتیجہ میں اجیر کی قدرت میں شبہ ہو جائے تو ایسے حالات میں اجارہ مطلقاً باطل ہو جائے گا یا اس کا تعلق حقیقت واقعہ سے ہوگا کہ واقعاً قدرت ہو گی تو اجارہ صحیح ہو جائے گا اور واقعاً قدرت نہ ہو گی تو اجارہ باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اجیر اس شے کی تحویل کی ذمہ داری لے رہا ہے جو اس کے امکان میں نہیں ہے۔ اس احتمال پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اس طرح اجارہ معلق ہو جائے گا اور معلق اجارہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس مقام پر معاملہ اجارہ معلق نہیں ہے۔ اجارہ تو حتمی طور پر ہو رہا ہے۔ صاحب قرض اجیر بنا رہا ہے اور بینک مثلاً اجیر بن رہا ہے۔ شبہ

اجارہ کی صحت میں ہے خود اجارہ میں نہیں ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ معاملات کا معلق ہونا مضر ہے لیکن ان کی صحت کا معلق ہونا مضر نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اسے اجارہ کی تعلیق بھی دیا جائے تو بھی اجارہ باطل نہ ہو گا۔ اس لئے کہ باطل ہونے کا سبب معاملات کا خارجی امور پر معلق ہونا ہوتا ہے اور یہاں اجارہ خود اپنے ارکان کی تمامیت پر معلق ہے جس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر حاجی حضرات واپس آ گئے تو آپ اجیر ہیں ورنہ نہیں تو یہ اجارہ معلق ہے اور مشکوک، اور اس کی صحت کا امکان نہیں ہے۔ لیکن اگر یوں کہا جائے کہ اگر ارکان عقد تمام ہو گئے تو آپ اجیر ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اب اگر ہمارا مسلک یہ ہے کہ اختیار کے مشکوک ہونے کی صورت میں اجارہ باطل ہے چاہے واقعاً قدرت موجود ہو تو قرض کے وصول کرنے پر اجرت کا مقرر کرنا غلط ہے اس لئے کہ بینک کی قدرت مشکوک ہے اور شک کی صورت میں یا تعلیق لازم آئے گی یا فریب، اور دونوں صحیح نہیں ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اجارہ کا تعلق صرف مطالبہ کرنے سے ہو اور مطالبہ ہی پر اجرت کا استحقاق پیدا ہو جائے لیکن اگر ہمارا مسلک یہ ہے کہ اجارہ واقع امر کا تابع ہے اور واقعاً قدرت ہے تو صحیح ورنہ باطل۔ تب بھی ایسا اجارہ ممکن ہے جہاں بغیر وصول یابی کے اجرت نہ دینا پڑے اور اس کی شکل یہ ہے کہ اصل وصول یابی ہی پر اجارہ طے کیا جائے تا کہ بینک وصول یابی کے بغیر اجرت نہ مانگ سکے اور وصول یابی ممکن نہ ہو تو اجارہ باطل ہو جائے گا۔ ہاں اگر رقم وصول کر لے تو اجرت کا استحقاق پیدا ہو جائے گا اور یہ علامت ہو گی کہ قدرت موجود تھی اور قدرت کے موجود ہونے کی شکل میں اجارہ صحیح ہے۔

اس اختلاف میں صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اجارہ کی صحت واقع امر کی تابع ہے اور واقعاً قدرت ہے تو اجارہ صحیح ہے ورنہ باطل اور اس مسلک پر یہ اعتراض کرنا کہ اجارہ میں قدرت کے شرط ہونے کے دو اسباب ہیں۔

ایک یہ کہ قدرت اجیر کے مالک منفعت ہونے میں دخیل ہے اور جب تک وہ منفعت کا مالک نہ ہوگا اس وقت تک دوسرے کے حوالے نہیں کرسکتا کہ سلائی پر قدرت نہ رکھنے والا دوسرے کو سلائی کا مالک نہیں بنا سکتا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اجارہ میں عمل اجارہ کے سپرد کرنے پر قدرت ضروری ہے اور جب اجیر سپردگی پر قادر نہیں ہے تو اجارہ باطل ہے چاہے واقعاً قدرت رکھتا ہی کیوں نہ ہو۔

واقعی قدرت ملکیت کی شرط کو پورا کرسکتی ہے کہ وہاں واقعی ملکیت کافی ہے ملکیت کا علم ضروری نہیں ہے لیکن تسلیم کی شرط اس واقعی قدرت سے پوری نہیں ہوسکتی اس کا معیار غرر اور دھوکہ ہے اور جب تک قدرت کا علم نہ ہوگا دھوکے کا امکان باقی رہے گا۔

یہ اعتراض اس لئے بے بنیاد ہے کہ اگر اجارہ میں تسلیم پر قدرت کو شرط مان ہی لیا جائے تو اس کی بنیاد دھوکہ نہیں ہے فریب وغرر والی روایت۔ نھی النبی عن الغرر سندو دلالت دونوں اعتبار سے ضعیف اور بے اصل ہے بنیاد اجماع ہے اور اجماع میں قدر متقین وہی صورت ہے جہاں واقعاً قدرت نہ ہو قدرت کے علم کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ تمام باتیں اجارہ سے متعلق تھیں رہ گیا جعالہ تو وہاں بھی مسئلہ کی ایسی تعبیر ممکن ہے کہ قرض کی وصول یابی سے پہلے مقررہ مقدار کا حق پیدا نہ ہوا اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

ا۔ابتدا سے رقم جعالہ قرض کی وصول یابی ہی پر مقرر کی جائے صرف مطالبہ پر کوئی رقم نہ رکھی جائے۔

اس مقام پر اعتراض صرف یہ ہوگا کہ بر بنائے مشہور عمل جعالہ پر بھی قدرت ضروری ہے اور یہاں قدرت مشکوک ہے۔لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جعالہ میں منفعت کی تملیک کا کام نہیں ہوتا کہ اجارہ کا پہلا اعتراض لازم آجائے اور نہ جعالہ والے سے فی الفور کوئی مواخذہ ہوتا ہے کہ غرر وفریب کا خیال پیدا ہوجائے۔

جعالہ کا معیار یہ ہے کہ جب عمل تمام ہوجائے تب صاحب جعالہ سے رقم مانگنے کا

حق پیدا ہواب اگر کام تمام نہیں ہوسکتا تو کوئی جھگڑا ہی نہیں ہے۔ معاملہ مشروط تھا اور جب شرط ہی نہیں ہے تو رقم کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ بنابریں جعالہ میں عمل پر قدرت کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ عدم امکان کی صورت میں جعالہ ایک احمقانہ عمل معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی اسی وقت ہے جب عدم امکان معلوم ہو۔ مشکوک ہونے کی صورت میں یہ اشکال بھی لازم نہیں آتا۔ بنابریں جعالہ قرار دینا ممکن ہے اور قرض خواہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر آپ میرا قرض وصول کرادیں گے تو اس قدر رقم دی جائے گی۔

۲۔ مقررہ رقم کو مطالبہ ہی پر قرار دیا جائے لیکن یہ قید لگا دی جائے کہ مطالبہ اس ماحول میں کیا جائے جب مقروض قرض کی ادائیگی کے لئے تیار ہو۔ یہ جعالہ معلق ضرور ہو جائے گا لیکن ایسی تعلیق میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جعالہ صرف ضمان تلافی کے تقاضوں کی تجدید ہے اور کچھ نہیں ہے۔ ایسے معاملات میں تعلیق وغیرہ سب کچھ ہوسکتی یہ ضرور ہے کہ بینک رقم کا حقدار اسی وقت ہوگا جب استعداد کے عالم میں تقاضا کرے اور ایسے عالم میں تقاضا کرنے کا مطلب قرض کا وصول ہوجانا ہے۔

ان بیانات کی روشنی میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بینک کا مطالبہ یا وصولیابی پر کمیشن کا مستحق ہونا نہ اجرت پر موقوف ہے نہ جعالہ پر۔ بلکہ دونوں کی ایسی توجیہیں ممکن ہیں جن میں وصولیاتی پر کمیشن لیا جائے یا صرف مطالبہ پر۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

﴿ضمیمہ ۹﴾

اس بحث میں بینک کے پرونوٹ قبول کرنے پر مفصل فقہی مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بینک کے قبول کرنے کا مطلب ایک قسم کی ذمہ داری ہے کہ اگر مقروض رقم کو ادا نہیں کرے گا تو بینک ادا کرے گا۔ فارمولے میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ یہ ذمہ داری شرعاً صحیح ہے یہاں صرف اس کی شرعی توجیہہ کی جا رہی ہے۔

واضح رہے کہ بینک کی ذمہ داری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پرونوٹ کا قبول کرنا بھی کوئی ضمانت ہے۔ اس لئے کہ فقہی اعتبار سے ضمانت کے معنی یہ ہیں کہ قرض ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے اور بینک کے قبول کرنے میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔

اب اگر ضمانت کا مطلب ہے کہ دونوں ذمہ دار قرار دے دیئے جائیں تو یہ ضمانت شرعاً باطل ہے۔

ضرورت ہے کہ بینک کی ذمہ داری کی کوئی ایسی توجیہہ کی جائے جس میں نہ قرض ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے کے ذمہ کی طرف منتقل ہو اور نہ دونوں ذمہ دار قرار پائیں تا کہ فقہی ضمانت سے ہٹ کر قبول کے ایک معنی نکل آئیں۔

یہ توجیہہ ہے کہ بینک اصل قرض کا ذمہ دار نہیں ہے کہ وہ اس کے ذمہ کی طرف منتقل ہو جائے بلکہ قرض کی ادائیگی کا ضامن ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ مال کی ضمانت اور

ہے اور ادائیگی کی ضمانت اور۔ اب اگر یہ تصور کیا جائے کہ یہ بھی ضمانت کا دوسرا مفہوم ہے جہاں دونوں ذمہ دار قرار پا جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اس مقام پر مقروض بھی ذمہ دار ہے اور بینک بھی ذمہ دار بن گیا ہے اور اس دوسرے قسم کا کوئی وجود نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضمانت کی قسم دوم کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں اصل مال کے ذمہ دار ہوں اور مسئولیت کا تعلق مال قرض سے ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ یہاں مقروض کی مسئولیت کا تعلق قرض سے ہے اور بینک کی ذمہ داری کا تعلق قرض کی ادائیگی سے ہے اور کھلی ہوئی بات ہے یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

دلیل یہ ہے کہ صاحب قرض کو ابتدائی طور پر بینک کی طرف رجوع کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ پہلے اپنے مقروض سے مطالبہ کرے گا اور جب وہ ادا نہ کر سکے گا تو بینک کی طرف رجوع کرے گا کہ وہ قرض کو ادا کرائے ''ادا'' خود بھی ایک قیمتی شے ہے جو مقروض کے انکار سے تلف ہو رہی ہے۔ اب جس نے اس قیمتی شے کی ذمہ داری لی ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اسے مہیا کرے اور ادائیگی کے مہیا کرنے کا نتیجہ قرض کے وصول ہو جانے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

ضمانت کا یہ تیسرا تصور شرعاً بالکل صحیح ہے۔ اس کی دلیل عقلائے عالم کا رجحان بھی ہے اور **افوا باالعقود** کا عموم بھی یہ اور بات ہے کہ **افو بالعقود** اپنے عقود کو وفا کرو سے تمسک کے لئے ضروری ہے کہ پہلے عقلا عالم کی کی نگاہوں میں معاملہ کا عقد ہونا ثابت ہو جائے اور عقد کا مفہوم یہ ہے کہ معاملہ دو طرف کے التزام سے وابستہ ہو اور دونوں ایک دوسرے سے ربط رکھتے ہوں تا کہ باہمی عقد کہا جا سکے۔ ورنہ اگر اس ضمان کا تعلق ایک طرف سے ہو جائے گا تو اسے ''ایقاع'' کہیں گے عقد نہ کہیں گے اور قرآن حکیم نے عقود سے وفا کرنے کا حکم دیا ہے ایقاعات سے نہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ کسی معاملہ کے بارے میں یہ کیسے طے کیا جائے اس کا مضمون یک طرفہ ہے یا دو طرفہ؟ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ معاملہ کے مضمون پر غور کیا جائے کہ اس میں صرف ایک شخص کا اختیار کام کر رہا ہے یا دو آدمیوں کا

باہمی اختیار اگر ایک آدمی کا اختیار کارفرما ہے تو ایقاع ہے ورنہ عقد اس لئے کہ عقد کے لئے طرفین کا اختیار و التزام ضروری ہے جیسے نکاح، تجارت، اجارہ وغیرہ۔

اس مقام پر یہ دیکھنا پڑے گا کہ ضمانت کے تیسرے معنی میں ضمانت صرف ضامن کے اختیار میں ہے یا اس میں ''ضامن اور مضمون لہ'' جس کے لئے ضمانت کی گئی ہے دونوں کا اختیار کام کر رہا ہے اگر صرف ضامن کا اختیار ہے تو آیت سے استدلال بیکار ہے اور اگر دونوں کے اختیار میں ہے تو عقد ہے اور عقد سے وفا بنص آیت واجب ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ضمانت کے یہ معنی عقد نہیں بن سکتے اور نہ یہاں صاحب قرض وضمانت کے اختیار کے صرف ہونے کی کوئی ضرورت ہے اس ضمانت میں اس کے امور میں مداخلت کا کوئی سوال نہیں ہے؟ اس لئے اس سے رابطہ بھی نہیں ہے جس کا دل چاہے ادائیگی کی ضمانت لے لے وہ اپنے قرض کو اپنے مقروض ہی سے طلب کرے گا شرعی ضمان میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں قرض کو اپنے مقروض ہی سے طلب کرے گا شرعی ضمان میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں قرض ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اس لئے جس کا قرضہ ہے اس کی مرضی ضروری ہے یہاں ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ یہ بات صحیح ہے کہ عقد کے لئے دو طرف کا التزام ضروری ہے یہ بھی صحیح ہے کہ عقد میں دو آدمیوں کا اختیار صرف ہوتا ہے لیکن یہ کوئی عقلائی رجحان نہیں ہے کہ دونوں افراد کے امور میں ایک ساتھ تصرف کیا جائے۔ ایک طرف کا تصرف بھی عقد کے لئے کافی ہے جیسا کہ ہبہ میں ہوتا ہے کہ تصرف صرف ہبہ کرنے والے کے مال میں ہوتا ہے اور تمام عقلا اسے عقد تسلیم کرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تیسرے معنی کی ضمانت ایک امر شرعی ہے جس میں کسی اشکال کی گنجائش نہیں ہے رہ گئے وہ روایات جن میں ضمانت کے معنی ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا بیان کیا گیا ہے تو ان کا حل یہ ہے کہ ان میں اور ہمارے معنی میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ان روایات کا تعلق اس ضمان سے ہے جس کا موضوع اصل مال ہوتا

ہے اور ہمارے معنی کا تعلق اس ضمان سے ہے جس کا موضوع مال کے بجائے مال کی ادائیگی ہے ان تمام بیانات سے واضح ہو گیا کہ بینک کے پرونوٹ قبول کرنے کی یہ تیسری تفسیر بالکل صحیح ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بینک قیمت کی مقدار میں مال کا ذمہ دار ہو جائے گا اور یہ ذمہ داری نہ اصل مقروض کے برابر میں ہوگی اور نہ اس کے ساتھ بلکہ اس کے بعد ثانوی درجہ میں کہ اگر اس نے قرض کو ادا نہ کیا تو بینک ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

﴿ضمیمہ ۱۰﴾

اس ضمیمہ میں بینک کے ان ضمانتی خطوط پر فقہی بحث کی گئی ہے جنہیں بینک ٹھیکیداروں کی ضمانت میں لکھ دیا کرتا ہے اور اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اگر پلانٹ مکمل نہ ہوا تو اس مقدار میں رقم جہت ادارہ کو دی جائے گی۔

جن مقامات پر بینک ایسے ضمانتی خطوط صادر کرتا ہے وہاں ٹھیکیدار پہلے سے کسی عقد وعہد کے ذریعہ جہت ادارہ سے یہ قرارداد کر لیتا ہے کہ اگر میں نے کام پورا نہیں کیا تو اس قدر رقم جہت ادارہ کو ادا کروں گا اور بینک کا کام صرف اس امر کی ضمانت ہوتا ہے کہ اگر اس شخص نے رقم ادا نہ کی تو میں یہ مقدار ادا کروں گا۔

یہ شرط اپنے مقام پر بالکل صحیح ہے۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ ٹھیکیدار کے کام نہ کرنے سے اصل معاملہ باطل نہ ہونے پائے ورنہ شرط کی کوئی جگہ نہ رہ جائے گی۔

مثال کے طور پر اگر اجارہ کا تعلق کسی خارجی منفعت سے ہے اور وہ اجیر کے اختیار سے باہر نکل گئی تو اجارہ خود ہی باطل ہو جائے گا شرط کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے حالات سے بچنے کے لئے شرط کا ایسا رخ اختیار کرنا چاہئے جہاں معاملہ کی صحت وعدم صحت سے شرط متاثر نہ ہونے پائے۔ شرط کے صحیح ہونے کے بعد جہت ادارہ کا ٹھیکیدار پر یہ حق پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کام پورا نہ کرنے کی شکل میں مخصوص مقدار میں رقم وصول کر لے۔ شرعی اعتبار سے اس شرط کی تین صورتیں ممکن ہیں۔

۱۔شرط کا تعلق نتیجہ سے ہو اور وہ ادارہ یہ شرط کر دے کہ کام پورا نہ ہونے کی صورت میں ادارہ ٹھیکیدار کے مخصوص مال کا خود بخود مالک ہو جائے گا۔

۲۔شرط کا تعلق فعل عام سے ہو کہ ادارہ کو کام پورا نہ ہونے کی صورت میں اتنے مال کا مالک بنا دیا جائے گا۔

۳۔شرط کا تعلق فعل خاص سے ہو کہ کام مکمل نہ ہونے کی صورت میں ادارہ ٹھیکیدار کو مال دے گا۔

دونوں صورتوں کا فرق یہ ہے کہ دوسری صورت میں کوئی شخص بھی رقم ادا کر سکتا ہے وکالت و نیابت کی ضرورت نہیں ہے لیکن تیسری صورت میں خود ٹھیکیدار کو ادا کرنا ہوگا۔

یہ تو ہم نہ ہونے چاہئے کہ ٹھیکیدار سے صرف اسی کے عمل کی شرط ہو سکتی ہے۔ دوسرے کے عمل کی شرط بے معنی ہے اس لئے کہ یہاں دوسرے کے عمل کی شرط نہیں ہے بلکہ ایک قدر مشترک کی شرط ہے جس کا انطباق اپنے اور غیر دونوں کے عمل پر ہو سکتا ہے اور اس مقدار میں قدرت شرط کے لئے کافی ہے جیسا کہ احکام تکلیفیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مکلف اور غیر مکلف کے عمل کا قدر مشترک قابل طلب ہے فرق صرف یہ ہے کہ مطلوب اصل وجود عمل ہوگا کسی خاص شخص کا عمل نہ ہوگا۔

شرط کی تینوں صورتوں کے واضح ہو جانے کے بعد یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ پہلی قسم کی شرط باطل ہے اور ابتدائی طور پر ٹھیکیدار کو کسی رقم کا مشغول الذمہ بنا دینا اور اس کے مال کو اپنی طرف منتقل کر لینا ایک ایسی شرط ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں ہے اور جب شریعت میں ایسی شرط ثابت نہیں ہے تو وفائے شرائط کے دلائل بھی کارآمد نہیں ہو سکتے۔ یہ دلائل جائز شرطوں کے بارے میں ہیں شرطوں کو جائز نہیں بنایا کرتے۔

رہ گئیں باقی دو صورتیں تو یہ صحیح و معقول ہیں اور ان کی معقولیت کے بعد یہ بحث ہو گی کہ بینک کی ضمانت کے معنی کیا ہیں اور بینک اس شرط کو کس طرح اپنے ذمہ لے سکتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ہم ضمانت کی تیسری قسم کا حوالہ دیں اور بینک کو پرونوٹ کی طرح

ضامن قرار دیں۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ وہاں مقروض کی ضمانت لی گئی ہے اور یہاں مشروط کی، وہاں ادائے قرض کی ضمانت تھی اور یہاں ادائے شرط کی ضمانت ہے اور دونوں ہی باتیں عقلی رجحانات کے موافق ہیں رہ گئی بینک سے ادائے قرض یا ادائے شرط کا مطالبہ کرنے کی توجیہہ تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔

ا۔ یہ ذمہ داری جسے ضمانت کا معنی قرار دیا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہو کہ بینک نے ادائے دین یا ادائے شرط کی اسی طرح ضمانت لے لی ہے جس طرح غصبی مال غاصب کی ضمانت میں ہوتا ہے کہ تلف ہونے کے بعد غاصب اس کی قیمت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

فرق صرف یہ ہے کہ غاصب کی ذمہ داری قہری ہوتی ہے اور بینک نے ذمہ داری اپنے اختیار سے لی ہے۔

وہاں مال کے تلف ہو جانے پر قیمت کی ذمہ داری تھی اور یہاں شرط کے تلف ہو جانے پر قیمت کی ذمہ داری ہے۔ ادائے شرط کی شرط خود ایک قیمتی شے ہے جس کی عقلاء کی نظر میں ایک قیمت ہے اور جیسے ہی ٹھیکیدار رقم دینے سے انکار کرے گا یہ شرط فوت ہو جائے گی۔ اور جیسے ہی شرط فوت ہو جائے گی بینک پر ادائیگی کی ذمہ داری آجائے گی۔

اس تحقیق کی بنا پر شرط فعل کی دونوں قسموں میں کوئی فرق نہیں ہے اور بینک دونوں صورتوں میں ادائے شرط کی ذمہ داری لے سکتا ہے یہ اور بات ہے کہ بعض حضرات نے اس بیان پر یہ اشکال کیا ہے کہ شرط کی دوسری قسم تو بینک کی ذمہ داری میں آسکتی ہے لیکن تیسری قسم نہیں آسکتی۔ اس لئے کہ تیسری رقم میں ٹھیکیدار کے براہ راست ادا کرنے کی شرط ہے اور ایسے شرائط کے دوسرے کی طرف منتقل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ قدر مشترک کسی کے بھی ذمے ڈالا جا سکتا ہے لیکن حصہ خاص نا قابل انتقال ہے لیکن اس اشکال کی کوئی حقیقت نہیں ہے اس لئے کہ ایک شخص دوسرے کے عمل کا ذمہ دار ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس سے عمل انجام دلانے کی طاقت رکھتا ہو۔ جس طرح کسی آدمی کی کفالت کے بارے میں ہوتا ہے کہ یہ فلاں موقع پر حاضر ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ حاضری اس مکفول کا کام ہے لیکن

ضمانت دوسرا آدمی لے رہا ہے اور یہ ضمانت صحیح ہے اس لئے کہ وہ اسے حاضر کر سکتا ہے۔

بعینہ یہی کیفیت اس مقام پر ہے کہ بینک ٹھیکیدار کے ادا کرنے کی ضمانت لے سکتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ اس میں ٹھیکیدار سے ادا کرانے کی طاقت ہو اور ظاہر ہے کہ ایسا نہ ہوتا تو ضمانت ہی کیوں لیتا۔ اب اگر اتفاق سے وہ ادا نہ کر سکا تو بینک شرط کی قیمت کا ذمہ دار ہوگا اور رقم ادا کرے گا۔

۲۔ بینک کی ذمہ داری کے کے معنی براہ راست یہ ہوں کہ بینک کی شئے کے تلف ہو جانے کے موقع پر قیمت کی ذمہ داری ہی کو ضمانت کا مفہوم قرار دیا جائے۔

اس توجیہہ میں سابق توجیہہ سے یہ فرق ہے کہ وہاں بینک نے ادائے شرط کی ضمانت لی تھی۔ لہٰذا ادارہ بینک سے یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتا تھا کہ ٹھیکیدار سے شرط پوری کرائے اور یہاں بینک نے براہ راست ضمانت لی ہے لہٰذا اس سے رقم ادا کرانے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ رقم ادا کرنے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

ان بیانات سے یہ معلوم ہو گیا کہ ادارہ کا شرط کرنا بھی ایک امر معقول ہے اور بینک کا مال کی ضمانت لینا بھی ایک امر صحیح و جائز ہے۔

اس کے بعد بعض اعلام کے اس قول کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی کہ بینک کی ضمانت اصل میں شرعی کفالت یعنی مال کے بجائے ٹھیکیدار کی ضمانت ہے اور پھر اس پر یہ اشکال ہے کہ بینک رقم کس طرح ادا کرے گا۔ کفالت کے معنی تو صرف صاحب کفالت کو حاضر کر دینا ہے وہاں رقم کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

اس لئے کہ ہمیں ان تمام توجیہات کی ضرورت ہی نہیں ہے ہماری نظر میں یہ مسئلہ کفالت کے بجائے ضمانت مال ہی سے متعلق ہے یہ اور بات ہے کہ یہاں ضمانت کے تیسرے معنی ہیں نہ مال کا ایک کے ذمہ سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا ہے اور نہ ایک ذمہ کا دوسرے کے ساتھ ضم ہو جانا بلکہ مال کے بجائے ادائیگی کی ضمانت لینا ہے جس کا نتیجہ ٹھیکیدار کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بینک کے ادائے مال کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

غور وفکر سے کام لیا جائے تو فقہائے کرام کے غصبی اجناس کی ضمانت کے فتویٰ کا مفہوم بھی یہی ضمانت ہے کہ یہاں بھی مال ذمہ میں نہیں ہے کہ شرعی ضمانت کا تصور کیا جائے بلکہ عین جنس موجود ہے جس کی ضمانت کا صرف یہ مفہوم ہے کہ ضامن ادائیگی کا ذمہ دار ہے اور ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں اس کی قیمت کا ذمہ دار ہے۔ اس مقام پر ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ شرط فعل کے موارد میں خود ادارہ ٹھیکیدار کے ذمہ کسی شئے کا مالک نہیں ہوتا تو بینک ضمانت کس شئے کی لے رہا ہے شرط فعل کا مطلب یہ ہے کہ قرارداد پر عمل نہ کرنے کی صورت میں بیس دینار دینا پڑے گا مثلاً اس وقت کوئی ایک دینار بھی اس کے ذمہ نہیں ہے تو بینک کی ضمانت کے کیا معنی ہیں؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ شرط فعل کے بارے میں دو احتمال ہیں۔

ایک احتمال یہ ہے کہ شرط فعل کے بعد صاحب شرط اصل فعل کا مالک ہو جاتا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ فعل کا مالک نہیں ہوتا صرف شرط کا مالک ہوتا ہے۔

پہلے احتمال کی بنا پر جب ادارہ ٹھیکیدار کے ذمہ بیس دینار کی تملیک کا مالک ہو گیا تو بینک اس تملیک کی ضمانت لے لے گا اور جب وہ اس فعل کو بجا نہ لائے گا تو بینک کی ذمہ داری ہو گی کہ فعل کے تلف ہو جانے کی بنا پر اس کی قیمت ادا کرے اور وہ قیمت حسب فرض بیس دینار ہے۔

اور دوسرے احتمال کی بنا پر ادارہ فعل تملیک کا مالک نہیں ہے لیکن شرط کا مالک بہرحال ہے اور بینک اسی شرط کی ضمانت لے گا جس کے بعد اسے رقم ادا ہی کرنا پڑے گی۔ اس لئے کہ ضمانت میں یہ شرط نہیں ہے کہ شرط کو مالک تلف کرے بلکہ اگر وہ دوسری وجہ سے بھی تلف ہو گئی ہے تو ضامن کو بہرحال قیمت ادا کرنا پڑے گی ملکیت کے انکار سے ضمانت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

﴿ضمیمہ ۱۱﴾

اس مقام پر پہلے ضمیمہ کی تکمیل کرتے ہوئے ان فوائد کی توجیہہ کی گئی ہے جو بینک اپنے صاحبان حساب سے ان کے امپورٹ کی رقم ادا کرنے کے بعد وصول کرتا ہے۔

جن بیرونی ممالک سے تجارت کرنے والے افراد کے لئے بینک نے اعتمادی خطوط لکھے۔ ہیں ان کے اموال کی رقم ادا کرنے کے بعد بینک کا جو قرضہ ان کے ذمہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے صلہ میں سودی بینک فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ ان کی بعض توجیہات کی طرف ملحقات کے آغاز میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور ان پر اپنا اشکال بھی ظاہر کیا جا چکا ہے۔

مثال کے طور پر ایک توجیہہ یہ ممکن ہے کہ بینک بیرونی تاجر کو جنس کی قیمت دینے اور مقامی امپورٹر کے قرض کو ادا کرنے کی صورت میں مقامی تاجر کو قرض نہیں دیتا کہ اسی کی رقم سے اس کا قرض ادا کیا جائے بلکہ اپنے ذاتی مال سے اس کے قرض کو ادا کرتا ہے اور چونکہ یہ کام اس کی خواہش سے انجام پاتا ہے اس لئے اتلاف مال کی بنا پر وہ بینک کے پیسے کا ذمہ دار ہو جائے گا۔ اب اگر بینک اضافہ بھی وصول کرنا چاہے تو سود نہیں ہے اس لئے کہ سود قرض پر ہوتا ہے اور یہاں کوئی قرض نہیں ہے مال اپنے مالک کی ملکیت پر باقی ہے۔

یہ تصور کرنا کہ یہ بھی سود کی ایک قسم ہے بالکل غلط ہے۔ سود میں ضمانت کا تعلق عقد قرض سے ہوتا ہے اور یہاں ضمانت ''اتلاف'' کی بنا پر آئی ہے جس کو کسی جہت سے

بھی قرض کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

اس کے باوجود ہم اس توجیہہ میں اپنے اشکال کا تذکرہ کر چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے۔

دوسری توجیہہ یہ ممکن ہے کہ قرض کو بیع کی شکل میں بدل دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ بینک خارجی سکوں میں مقامی تاجر کا قرض ادا کرتے وقت خارجی سکوں کو مقامی سکوں کے عوض بیچ رہا ہے اور قیمت میں مقامی سکہ کی مقدار میں اضافہ کر رہا ہے جو ابھی سب کا سب تاجر کے ذمہ میں ہے، اس تجارت میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ دونوں سکے جنس کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ نوعیت بھی الگ الگ ہے اور صرف تجارت کے اطلاق میں کوئی نقص نہیں ہے اس توجیہہ کی تحقیق بھی ملحقات کے آغاز میں کی جا چکی ہے۔

بینک امپورٹ کرنے والے تاجروں سے جن فوائد کا مطالبہ کرتا ہے ان میں سود کو اجرت سے الگ کر کے سوچنا ضروری ہے، بعض علماء کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ بینک نے مقامی تاجر کے قرض کو بعنوان قرض ادا کیا ہے تو نہ فائدہ جائز ہے اور نہ اجرت، اس لئے کہ اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ فائدہ و اجرت کا لینا ذاتاً حرام ہے اور جس طرح فائدہ سے قرض میں سود آ جاتا ہے اسی طرح اجرت سے بھی آ جائے گا تو یہ اشتباہ ہے بینک کے لئے اجرت لینا بہرحال جائز ہے اور اجرت سے قرض سودی نہیں بنا کرتا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت بینک مقامی تاجر کو بقدر قیمت رقم بطور قرض دے رہا ہے اور اس کے بعد اسی رقم سے اس کا قرض ادا کر رہا ہے تو اسے ادائیگی قرض پر اجرت لینے کا صریحی حق ہے قرض دینے والا قرض دینے کا ذمہ دار ہے۔ قرض کو دوسرے راستوں میں لگانے کا ذمہ دار نہیں ہے۔ یہ بینک کے لئے مزید زحمت ہے جو تاجر کی وجہ سے برداشت کرنا پڑ رہی ہے۔ اس لئے اسے اس زحمت کی اجرت مانگنے کا حق ہے اور تاجر کو بھی اس اجرت کے دینے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہئے اس لئے اگر وہ بینک سے نقد رقم لے کر باہر بھیجنا چاہے گا تو جس بینک کے پاس بھی جائے گا وہ رقم کو منتقل کرنے کی اجرت ضرور

لے گا۔ ہاں اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ قرض پہلے ہی سے سودی ہے اور وہاں فائدہ کی شرط ہو چکی ہے تو یہ بحث صحیح ہو گی کہ اس رقم سے بیرونی تاجر کا قرض ادا کرنے کے بعد اجرت لینے کا حق ہے یا نہیں لیکن یہاں بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ سودی قرض کے بارے میں بھی علماء کے دو قول ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ صرف بقدر زیادتی باطل ہے اصل قرض صحیح ہے اور بعض کی نظر میں اصل قرض ہی باطل ہے۔

پہلی صورت میں اجرت لینے کا بہرحال حق ہے قرض دینے والے نے قرض لینے والے کی خواہش پر عمل کیا ہے۔ اسے اس کی اجرت ملنی چاہئے لیکن دوسری صورت میں اجرت ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب اصل قرض ہی باطل ہے تو نہ مال مقامی تاجر کی ملکیت بنے گا اور نہ بینک اس کے مال سے قرض ادا کر سکے گا کہ اسے اس زحمت کی اجرت مانگنے کا حق پیدا ہو۔

﴿ضمیمہ ۱۲﴾

اس مقام پر بینک کے اعتمادی خط لکھنے پر اجرت لینے کی
شرعی حیثیت پر نظر ڈالی گئی ہے۔

ہمارے بیانات سے واضح ہو چکا ہے کہ بینک کے کمیشن لینے کے لئے اس کا مقروض ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ بعض اعلام نے فرمایا ہے کہ بینک کی طرف رجوع کرنے والا اگر اسے نقد رقم دے کر اس سے اعتمادی خط لیتا ہے تو بینک کو اجرت لینے کا حق ہے کہ اس صورت میں بینک کھاتہ دار کا مقروض ہو جائے گا اور مقروض کا فائدہ لینا جرم نہیں ہے، جرم قرض دینے والے کا فائدہ حاصل کرنا ہے۔

تحقیق مطلب یہ ہے کہ اجرت لینا بہر حال جائز ہے چاہے بینک قرض خواہ ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ جو شے شریعت میں حرام کی گئی ہے وہ مال قرض کے مقابلہ میں کسی فائدہ کا قبول کرنا ہے اس سے ہٹ کر فوائد حاصل کرنا قطعاً حرام نہیں ہے اور اس مقام پر صورتحال یہی ہے کہ بینک نے اعتمادی خط لکھنے کے بعد صاحب حساب کو اختیار دے دیا ہے کہ جس ملک میں چاہے بقدر خط رقم وصول کر سکتا ہے اور وہ جہاں بھی وصول کرے گا وہیں بینک کا مقروض ہو جائے گا۔ اور قرض کا اصول یہ ہے کہ جس مقام پر لیا گیا ہے اسی مقام پر ادا کیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ قرضدار ایسا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا وہ بینک سے خواہش کرے گا کہ بیرون ملک رقم دینے کے بعد اندرون ملک قبول کر لے اور بینک کو اختیار ہو گا کہ وہ اس خواہش پر اپنے حق کو ساقط کرنے کا کمیشن وصول کرے اور یہ کمیشن مال قرض کے

مقابلہ میں نہیں ہوگا کہ اسے سود کہہ دیا جائے بلکہ حق ادا کے مقابلہ میں ہوگا جس کو باقی رکھنے یا ساقط کرنے کا مکمل اختیار صاحب قرض کو حاصل ہے۔

والحمدللہ اولا وآخر

والسلام علیٰ من اتباع الھدیٰ

جوادی

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁